انک لعلیٰ خلق عظیم

تذکرۃ المصطفیٰ

مصنفہ و مولفہ

جناب مولوی سید نواب علی صاحب صوفی نیوتنوی ایم اے - ایس سی .

پروفیسر بڑودہ کالج صوبہ گجرات

بار دوم

حسب ایماے جناب خاں صاحب میر ولایت حسین صاحب بی اے آنریری منیجر

بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

در مطبع انسٹی ٹیوٹ واقع علی گڈھ ۱۹۱۵ء طبع گردید

تعداد ایکہزار — قیمت فی جلد (عہ/)

فہرست کتب

(موجودہ ڈیوٹی بک ڈپو علی گڑھ)

۱ **خطبات احمدیہ** اس میں ایک دیباچہ اور بارہ خطبے ہیں دیباچہ میں یہ بحثیں ہیں،
مذہب کیا چیز ہے سچے مذہب کے پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے؟ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا
مجموعہ ہے؟ اُن کتابوں پر بحث جو عیسائیوں اور مسلمانوں نے آنحضرت کی زندگی کے حالات
پر لکھی ہیں۔ سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" کا ذکر جس کے جواب میں یہ
کتاب لکھی گئی ہے۔ **خطبۂ اول**۔ عرب کا جغرافیہ عرب کے قبائل اور سلاطین پر محققانہ بحث
لفظ "سارا سن" کی تحقیق۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے حالات پر محققانہ بحثیں۔
حضرت ہاجرہ کی حریت پر بحث **خطبۂ دوم** عرب جاہلیت کی رسوم و عادات۔ بحث بیت
حجر اسود، اور خانہ کعبہ کا ذکر حج، زمانۂ جاہلیت میں رسوم ازدواج **خطبۂ سوم**۔
عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث نہایت تفصیل سے اسلام کی مناسبت دیگر الہامی
مذاہب سے **خطبۂ چہارم**۔ اسلام انسان کے لئے رحمت اور تمام انبیا کے مذاہب
پشت و پناہ ہے۔ اسلام تمدن کے موافق ہے۔ کثرت ازدواج اور طلاق اور غلامی
پر محققانہ بحثیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کو اسلام سے فائدہ پہنچا **خطبۂ پنجم**
مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر محققانہ بحث **خطبۂ ششم**۔ مذہبی روایتوں کے معتبر اور
غیر معتبر ہونے پر مدلل بحث۔ **خطبۂ ہفتم**۔ قرآن مجید کی جمع و ترتیب و نزول پر بحثیں
خطبۂ ہشتم۔ خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ۔ **خطبۂ نہم** آنحضرت کے نسب نامہ پر محققانہ بحث
شجرۂ نسب آنحضرت مع شجرۂ نسب مصنف کتاب۔ **خطبۂ دہم**۔ بشارات نسبت آنحضرت
جو توریت و انجیل میں ہیں **خطبۂ یازدہم**۔ روایاتِ شق صدر اور معراج کی تحقیق۔
خطبۂ دوازدہم۔ ولادت سے بارہ برس تک کے حالات

فہرست کتاب تذکرۃ المصطفیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

زلافِ حمد و نعت اولیٰ ست برخاکِ ادب خفتن * سجودے مے تواں کردن درودے می تواں گفتن

دنیا میں جس قدر مشہور مذاہب ہیں اُن کے پیشواؤں کے حالات اس طرح صاف صاف اور تاریخی حیثیت سے ثابت نہیں ہوتے جس طرح ہمارے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کے حالات یگانہ اور بیگانہ دونوں پر مثل روز روشن کے ظاہر ہیں۔ پارسیوں کے پیغمبر زردشت، چینیوں کے مہاتما گوتم بودھ کے حالات پر اس طرح تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے کہ بعضوں نے ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور بعضوں نے افسانہ کے طور پر کچھ حالات بیان کئے۔ یہی حال بزرگان ہنود کا ہے۔ حضرت مسیح کی سیرت بھی رومیوں اور یونانیوں کی توہمات کے قالب میں ڈھل گئی انبیائے بنی اسرائیل کے حالات اہل بابل اور روما کے حملوں کے باعث مقدس صحیفوں کے بار بار ضائع ہو جانے سے غلط ملط ہو گئے۔ مگر سیرت مصطفوی آفتاب کی طرح چمکی اور ہمیشہ چمکتی رہیگی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ اسی روشنی کا فیض ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل اور سلف صالحین کے حالات بھی ہم کو ان کی اصلی صورت میں نظر آئے اور ہم ان کی عصمت اور تقوے پر ایمان لائے۔ مگر رفتہ رفتہ جب ہم میں تنزل شروع ہوا اور ہماری آنکھوں پر جہالت کا پردہ پڑنے لگا ہم اس نور کی اصلی آب و تاب کو (جس نے ہمارے بزرگانِ دین کے دیدۂ دل کو منور کر دیا تھا) دیکھنے سے محروم ہونے لگے۔ اور اب آج کل ہندوستان میں ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ایک طرف ہمارے پرانے خیالات والے بھائی محفل میلاد میں ضعیف روایات ہی سننے پر قانع نظر آتے ہیں! اور دوسری طرف ہمارے نئے تعلیم یافتہ انگریزی خواں عیسائی مصنفین کی میٹھی چھری سے ذبح ہونے لگے۔ اس پر طرہ یہ

ہو کہ دونوں فریق افراط و تفریط کے باعث ایک دوسرے سے بدظن نظر آتے ہیں۔
ان دونوں گروہوں کی کشمکش مدت سے میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ آخر میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنی بساط کے موافق ان دونوں کے اصلاح خیالات کے واسطے کوشش کروں اور حضرت رسولِ خدا کی مقدس زندگی کے حالات (جو ہر مومن کے واسطے دستور العمل ہیں) حتی الوسع تحقیق کے ساتھ تحریر کردوں۔ اگرچہ یہ کام نہایت دشوار نظر آتا تھا، مگر میں نے خدا پر بھروسہ کرکے دو برس کے عرصہ میں یہ کتاب کمال عرق ریزی سے نئے طرز پر تیار کی۔ اس میں دس حسب ذیل مضامین ہیں۔

دعائے خلیل اس مضمون میں بنائے کعبۂ ابراہیمی اور ایام جاہلیت کے حالات کے بعد ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔

دُرِ یتیم۔ اس میں ایام رضاعت اور بچپن کے حالات تحریر ہیں۔

سفرِ شام۔ اس میں سفر کی ایک تمہید اٹھاکر عربوں کی تجارت اور بازارِ عکاظ اور فجار کی لڑائیوں کا حال اور مکہ کی جمہوری حکومت کا ذکر کرکے آنحضرت کا سفرِ شام اور بعد واپسی حضرت خدیجہؓ سے نکاح کی کیفیت بیان کی ہے۔

الامین۔ عقد کے بعد سے نزولِ وحی تک کے حالات بیان کرکے یہ دکھایا ہے کہ قبل نبوت قریش مکہ نے آپ کو بوجہ صفت موصوف دیکھکر ''الامین'' کا لقب دیا۔

غارِ حرا۔ اس میں سائنس کے متعلق پہلے ایک تمہید اٹھاکر ملکوت کا عالم ثابت کیا ہے اسکے بعد آنحضرت کی خلوت گزینی کے حالات، نزول وحی اور پھر حقیقت وحی کا ذکر کیا ہے

منادیٔ توحید۔ اس مضمون میں مذہب کے ابتدائی جذبات کی شرح کی ہے۔ اور مختصر طور پر دنیا کے تمام مشہور مذاہب کا ذکر کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر قوم میں ہادی بھیجے جنھوں نے اپنے زمانے کے لحاظ سے حق خدمت ادا کیا مگر رفتہ رفتہ ان کی اصلی تعلیم خلط ملط ہوگئی اور خدا پرستی اور توحید کے خیالات سلب ہوگئے۔ آخر حق تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیینؐ کے ذریعہ سے توحید کامل

کی تعلیم دی۔ اس کے بعد توحید کامل کی شرح کی ہے اور اس مسئلہ کے ذریعہ سے اسلام کی فضیلت ثابت کی ہے۔

جہادِ اکبر۔ مخالفینِ اسلام کا یہ اعتراض ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ اس مضمون کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک آنحضرتؐ نے طرح طرح کی مصیبتیں سہکر اور اسلام کا وعظ کہکر بغیر کسی قسم کے جبر کے بہتوں کو دینِ حق میں داخل کر لیا۔ یہ مبارک گروہ مہاجرین اور انصار کے لقب سے مشہور ہوا اور اسلام کو انھیں حامیانِ دین پر (جو ہر حال میں مستقل رہے) ناز ہے۔

مدینۃ الرسول۔ آنحضرتؐ کے متعلق توارت کی پیشین گوئیوں اور انصار مدینہ کے ابتدائی حالات بیان کرنیکے بعد یہ ظاہر کیا ہے کہ مدینہ میں ہجرت کر کے آنحضرتؐ نے اسلام کا وعظ بدستور جاری رکھا لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا اور حملہ کرنے کی تیاری کر دی۔ ساتھ ہی یہود مدینہ نے از رہِ حسد آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہا۔ مجبوراً آنحضرتؐ نے اسلام اور اس کے پیروؤں کی حفاظت میں مردانہ وار قدم رکھا

جہادِ اصغر۔ اس مضمون میں تمام غزوات اور سرایا مجملاً درج کئے ہیں اور آخر میں ان تمام لڑائیوں کے وجوہات کا خلاصہ کر کے مخالفین کے اعتراضات کو رد کیا ہے۔

تکمیلِ دین۔ اس آخری مضمون میں جزیرہ نمائے عرب میں دین حق کے پھیل جانے کا ذکر کیا ہے۔ پھر اصول اسلام کا ایک مختصر مگر جامع اور مانع خاکہ کھینچکر خاتمہ بالخیر کیا ہے۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب تمام مسلمانوں کو (خاص کر انگریزی خوانوں کو جن کی اصلاح خیالات کے واسطے طرز بیان اور زبان کے لحاظ سے خاص طور پر التزام کیا ہے) فائدہ مند ثابت ہوگی۔ ناظرین سے استدعا ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد راقم کے حق میں دعاے خیر فرمائیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے طفیل سے ہم سب کو توفیق خیر عطا فرمائے اور انجام بخیر کرے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین فقط

نواب علی عفی عنہ

بڑودہ۔ محلہ ناگرواڑہ

دیباچہ طبع ثانی

نئے اور پرانے تعلیم یافتہ طبقوں میں چونکہ یہ کتاب یکساں طور پر مقبول ہوئی ہے، اس لئے شائقین کے بڑھے ہوئے اصرار سے یہ دوسرا اڈیشن پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں چند مفید حواشی کا اور اضافہ کر دیا ہے۔ اور قصہ بحیرا راہب جو پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچا خارج کر دیا ہے

اردو میں اس مقدس موضوع پر اکثر کتابیں موجود ہیں اور اب عنقریب علامہ شبلی مغفور کی آخری معرکۃ الآرا مگر افسوس ناتمام تصنیف یعنی سیرت نبوی شائع ہونے والی ہے۔ اس لئے اس طبع ثانی کی بس اسی قدر غایت ہے کہ ذکرِ حبیب جس قدر بھی دھرایا جائے "فردوس گوش" ہے ع

یک قصہ بیش نیست غمِ عشق و ایں عجب
کز ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

نواب علی عفی عنہ

۲۹ر مارچ ۱۹۱۵ء (بڑودہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائے خلیلؑ

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

حق تعالیٰ نے روزِ میثاق میں جب تمام بنی آدمؑ کی ارواح سے سوال کیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) سبھوں نے ہمزبان ہو کر عرض کیا بَلیٰ (کیوں نہیں)[1] غور سے دیکھئے تو اس سوال و جواب کے لطیف پیرائے میں فطرت انسانی کے متعلق ایک باریک نکتہ ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ایک زبردست مگر نامعلوم ہستی کا یقین انسان کے دل میں اس وقت سے پیدا ہوا ہے جب سے اس نے اس عالمِ رنگ و بو میں قدم رکھا ہے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ علمی تحقیقات کا دائرہ جس قدر وسیع ہو رہا ہے اسی قدر یہ قرآنی نکتہ ذہن نشین ہوتا جاتا ہے۔ مشہور مستشرق مکس مولر لکھتا ہے "ہمارے اسلاف نے خدا کے سامنے اس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکتے تھے، جسمانی خدا (یعنی بت) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ اصلی فطرت مثالی صورت کے پردہ میں چھپ گئی"۔ اسی فطرت اصلی کی طرف مدد اور کلدانیاں،، کے ایک برگزیدۂ الٰہی نے جسمانی خداؤں کے پوجنے والوں کو متوجہ کر کے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کا نعرہ مارا تھا مگر اس کی قوم نے نہ مانا۔ آخر مجبور ہو کر مہاجرت اختیار کی اور ملکوں ملکوں

بنائے کعبۂ ابراہیمی

پھر پھرا کر جبلِ فاران[2] کے میدان میں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ سب سے پہلے رب الارباب کی عبادت کے واسطے ایک بے چھت کی چار دیواری کھینچی اور درگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا: "اے سب کے پالنے والے میں نے اپنی اولاد کو اس تپتے ہوئے خشک میدان میں بسایا ہے تاکہ وہ تجھی کو یاد کرتے رہیں۔ ان کے پھولنے پھلنے کے لئے تیری ایک نظر کافی ہے۔ اے چاروں طرف موجود معبود

---

[1] سورۂ اعراف پارۂ نہم ۹

[2] فاران سے مکہ کا پہاڑ مراد ہے دیکھو توریت کتاب پنجم باب ۳۳ آیۃ ۲ اور کتاب حبقوق باب ۳ آیۃ ۳ - ۱۲

میں نے خاص تیرے لئے یہ چار دیواری بنائی ہے تو اسے قبول کر۔ میری اولاد کو اپنی عبادت کی توفیق دے اور اس نسل سے ایک ایسا شخص پیدا کر جو انھیں تیری طرف بلائے اور دلوں کو پاک و صاف کرکے نور سے معمور کردے[1]۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد اولاد اسمٰعیلؑ خوب پھلی پھولی اور حجاز عرب میں جا بجا آباد ہوگئی۔ عبادت خانہ جو تعمیر کیا گیا تھا اس کا نام "بیت ایل" یعنی خدا کا گھر رکھا گیا۔ مگر رفتہ رفتہ اصلی فطرت مثالی صورت کے پردہ میں چھپ گئی۔ بیت اللہ بیت الصنم ہوکر تین سو ساٹھ مورتوں کا مندر بن گیا۔ بیچ میں ان کا مہادیو ہبل عقیق سرخ کا ترشا ہوا، آس پاس چاندی سونے کے دوبارہ سنگھے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی مورتیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصویریں اور ایک کونے میں سنگ اسود۔ سال میں ایک مرتبہ ذی الحجہ میں تمام عرب سے لوگ آآکر مکہ میں جمع ہوتے تھے اور ان کا درشن کرتے تھے۔ پھر سب ایک ساتھ ننگے ہوکر سات مرتبہ پکریان کرتے تھے اور چڑھاوے چڑھاکر اور پرشاد لے کر اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے تھے۔

اسی حالت سے مدتیں گذر گئیں اور جبکہ غیر قومیں دینی اور دنیوی ترقی میں مشغول تھیں اہل عرب غفلت اور جہالت کی نیندیں لے رہے تھے۔ عجم نے شاہنشاہی کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ درفش کاویانی کی چمک دور دور پہونچی تھی۔ فرکیانی کا گھر گھر چرچا تھا۔ روما کا عقاب جاہ و جلال کے آسمان پر اُڑ رہا تھا۔ یونان نے علم و حکمت کے دریا بہا دیئے تھے۔ ہندوستان نے فضل و کمال کے خزانے کا منہ کھول دیا تھا۔ یروشلم نے خداوند یہواہ کے خاص بندوں کو مایۂ نازبنا دیا تھا۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر عرب کی وہی حالت تھی۔ نہ یہاں صنعت و حرفت کے کارخانے تھے، نہ علم و حکمت کی درسگاہیں۔ تہذیب کوسوں دور تھی۔ تمدن کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا۔ جہالت اور نفسانیت کا دَور دورہ تھا۔ قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ لڑائیوں کے وجوہات بھی عجیب ہوتے تھے۔ ایک نے کہا ہم بڑے دوسرے نے کہا ہم۔ چلو لڑائی چھڑ گئی اور قبیلوں کے قبیلے کٹ مرے۔ کسی نے گھوڑ دوڑ

[1] سورۂ بقر پارۂ الم۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل الآیۃ

ہیں کچھ شرارت کی کسی کا اونٹ کسی کھیت میں چلا گیا لیجئے مدتوں کی چھٹی - پھر ایک قوم کے خون دوسری قوم کے ذمہ چلے آتے تھے اور پشتوں تک بدلا لیا جاتا تھا - جہاں یہ بے امنی ہو وہاں ترقی کیسی؟ کیسی ہمدردی کیسا اتفاق - قساوت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے - نفس پرستی اس حد کو پہونچ گئی تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی مدخولہ کو اپنے تصرف میں لایا کرتا تھا - زنا کا بازار گرم تھا - شراب کے دور چلتے تھے - قمار بازی کا چرچا تھا - گانے بجانے کا مشغلہ رہتا تھا - قینہ (یعنی کسبنوں) کے جھنڈی دار خیمے ان شرمناک ہوسبازیوں کے چکلے تھے جہاں امیر و شریف علانیہ جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انسان ان کی صحبت میں علم مجلس سیکھ جاتا ہے آدمیت اور زندہ دلی آجاتی ہے - چال چلن ایسا بگڑا تھا - مذہب اور بھی ابتر تھا - رسم و رواج کے پابند پرانی لکیر کے فقیر تھے - وہم و خیال نے عجب عجب باطل معبودوں کو گڑھ لیا تھا - ان کا خدا عیالدار تھا فرشتے اس کی بیٹیاں تھیں جن کا ننھال جنوں میں تھا - عجب انصاف تھا - خود تو لڑکیوں کے باپ بننا ذلت سمجھتے تھے مگر اس واجب العزت کے واسطے کچھ معیوب نہ تھا - اپنے ہاتھ سے تانبے اور پتھر کی مورتیں بناتے تھے اور پھر خود ہی ان کو سجدہ کرتے تھے - ان کے سامنے ناچتے کودتے تھے نذر و نیاز چڑھاتے تھے اور ان کو خدائی کارخانہ کا مدبر اور منتظم سمجھتے تھے - ان کا مقولہ تھا کہ ہم ان کی عبادت تقرب الٰہی کی غرض سے کرتے ہیں - انھیں کی شفاعت سے ہماری نجات[1] ہوگی - انھیں توہمات سے ان میں عجیب و غریب جاہلانہ رسمیں پیدا ہو گئی تھیں مگر پھر بھی یہ دعویٰ تھا کہ ہم ابراہیمی دین کے پیرو ہیں -

آخر جاہلیت کے دور ختم ہونے کا وقت آ پہونچا - پانچویں صدی عیسوی میں نسل اسمٰعیلؑ کے ایک معزز خاندان قریش کو مکہ میں پورا اقتدار حاصل ہوا اور شہر کی حکومت اور کعبہ کی تولیت ہاتھ میں آگئی - اسی خاندان سے ہاشم کے اکلوتے بیٹے شیبہ المعروف بہ عبد المطلب کے زمانہ میں حبشیوں نے یمن سے مکہ پر حملہ کیا اور ان کے عیسائی سردار ابرہتہ الاشرم نے ہاتھیوں کو لیکر خانہ کعبہ کے مسمار کرنے کا قصد کیا - مگر فاران کے پہاڑ سے خدائے واحد کا جلال چمکنے والا تھا یہ رو سیاہ جو

عام الفیل

[1] یہ اقتباس کتاب اللہ سے کیا گیا ہے ۱۲

کالے کالے چلتے ہوئے پہاڑوں پر چڑھکر آئے تھے کیا کرسکتے تھے۔ بلائے آسمانی سے خود ہی تباہ ہوگئے
یہ اصحاب الفیل کا واقعہ ۵۷۰ء عیسوی میں ہوا۔ ہاتھیوں کی مناسبت سے قریش نے اس سال کا
نام "عام الفیل" رکھا اور کچھ عرصہ تک بعد کے واقعات اسی سن کے حساب سے شمار کرنے لگے۔

حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں خدا نے بڑی برکت دی۔ ان کی اٹھارہ اولادیں ہوئیں۔
چھ بیٹیاں اور بارہ بیٹے جن میں خاص خاص حسب ذیل تھے۔ عبدالعزی المخاطب بہ ابولہب عبدمناف
الملقب بہ حضرت ابوطالب حضرت عباسؓ۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہ۔

حضرت عبداللہ کی شادی

حضرت عبداللہ کی شادی بنی زہرہ کے خاندان میں حضرت آمنہ بنت وہب سے ہوئی۔ یہ عقد
نہایت مبارک ثابت ہوا کیونکہ واقعہ اصحاب الفیل کے پچپن دن کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے
دن پہلوئے آمنہ سے دعائے خلیلؑ کا ظہور ہوا یعنی **نور محمدیؐ** نے مجسم ہوکر ظلمت کدۂ عالم میں
قدم رکھا۔ خوب ؎

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ	ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رسل قرب تو معلومم شد	دیر آمدۂ زراہ دور آمدۂ

خانۂ کعبہ کی مورتو، بس رخصت۔ بت شکن خلیلؑ کا پوتا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی
منادی کے ساتھ آپہونچا! مدائن کے شاندار ایوان کے سر بفلک کنگرو، سنو تمھارے تاجدار
یکے با دیگرے تھوڑے ہی عرصہ میں مٹ جائیں گے اور آتشکدے سرد ہوجائیں گے!! وہ دیکھو
نور الٰہی چمکنے لگا حقیقت کا دریا بہے گا اور باغ عالم سرسبز ہوجائے گا!!!

دُرِّ یتیم

یتیمی کا داغ بھی کس قیامت کا داغ ہے کہ عمر بھر نہیں مٹتا۔ معصوم بچے کی بساط ہی کیا اس پر
یہ غم کا پہاڑ۔ کون ایسا ہے جو اس بھولی غمناک صورت کو دیکھکر تڑپ نہ جائے۔ پتھر کا دل کیوں نہو
اس کے رونے سے شق ہوتا ہے پھر اس ماں باپ سے زیادہ چاہنے والے کا عرش اگر ہل جائے

کیا شک ہے۔

قریش مکہ اصحاب الفیل کی بلا سے نجات پاکر ہشاش بشاش نظر آتے ہیں محفلوں میں خوب چہل پہل ہے۔ جسے دیکھیے رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ مگر حضرت آمنہ شمع کی طرح گریاں بھی ہیں اور خنداں بھی پیارے شوہر کے انتقال سے جنھیں ابھی پچیسواں سال تھا اور جو اپنے اکلوتے بیٹے کی موہنی صورت دیکھنے بھی نہ پائے کلیجہ مسوس کر رہ گئی ہیں۔ مگر جس وقت اپنے معصوم بچّے کی بھولی صورت کو جس کی پیشانی پر خدا کا نور چمک رہا ہے دیکھتی ہیں دل کی کلی کھل جاتی ہے پھر جس وقت اس کی یتیمی کا خیال آجاتا ہے بےچین ہو جاتی ہیں اور دل ہی دل میں روتی ہیں کہ اب اس کا والی وارث کون ہے۔ مگر وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اپنے بندوں کا پالنے والا ماں باپ سے زیادہ مہربان خوب جانتا تھا کہ یہ غنچہ شگفتہ ہو کر اپنی بھینی بھینی خوشبو سے باغ عالم کو معطر کر دے گا۔

حلیمہ دائی

قریش میں دستور تھا کہ اپنے بچوں کو دائیوں کے سپرد کر دیتے تھے جو جا بجا سے سال میں دو مرتبہ مکہ آتی تھیں اور بچوں کو اپنے اپنے قبیلوں میں لیجا کر پرورش کرتی تھیں اور دودھ پلانے کی مدت پوری ہونے پر والدین کے حوالے کر کے انعام اکرام لیکر خوش خوش واپس جاتی تھیں۔ معمول کے موافق اس سال بھی دائیاں آئیں اور گھروں میں جا جا کر بچوں کو بانٹ لیا۔ مگر حضرت آمنہ کے یہاں کون آتا یتیم کی پرورش میں نفع کی کیا اُمید تھی۔ مگر یہ کون جانتا تھا کہ یہ معصوم وہ درِّ یتیم ہے جس کی قیمت وہی خوب جانتا ہے جس کے دست غیب میں زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ یہ دولت بنی سعد کے قبیلے کی ایک غریب بدوی عورت کے نصیب کی تھی جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس خوش نصیب کو جب کوئی نہ ملا خالی ہاتھ گھر جانا گوارا نہوا۔ حضرت آمنہ کے گھر آئی اور اس درِّ یتیم کو گود میں اٹھا لیا اور پیار کرتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس قافلے میں لے آئی۔

حلیمہ کو جس وقت سے یہ خداداد دولت ملی گھر بھر گیا۔ رحمت اپنے سائے میں برکت کو ساتھ لائی اور نعمت کا دسترخوان چن دیا۔ وسعت کا دروازہ کھل گیا اور سعادت نے مبارک باد دی اور اُن قدموں کی برکت سے نعمتوں کا مینہ برس گیا۔

جب رضاعت کی مدت پوری ہوئی حلیمہ کو مکے آنا پڑا۔ مگر دل کسی طرح سے نہیں چاہتا تھا کہ اُس پیارے معصوم کو جدا کرے۔ خدا نے آپ کی صورت ہی ایسی دلکش بنائی تھی کہ جس نے ایک نظر دیکھا "صل علی" پڑھنے لگا۔ راستہ بھر حلیمہ یہی دعا مانگتی آئی کہ الٰہی یہ لعل بے بہا مجھ سے ابھی نہ چھنے۔ کچھ دن تو اور اس پارۂ جگر کو کلیجے سے لگائے رہوں حلیمہ نے یہ الفاظ کچھ ایسے درد اور بے بسی سے ادا کئے کہ اُس کی دعا قبول ہو گئی۔ انسان جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اسباب کا سہارا ٹوٹ جاتا ہے عقل کی طاقت جواب دیدیتی ہے۔ نا اُمیدی دل پر چھا جاتی ہے اُس وقت قلب بس اسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو اسباب کا مسبب عقول کا خالق اور مضطر کی دعا کا مجیب ہے۔

حلیمہ مکہ پہونچی اور حضرت آمنہ کے گھر گئی کہ اس امانت الٰہی کو سونپ دے مگر کس طرح۔ بس ایسے ہی جس طرح نزع کے وقت نقد جان سپرد کرتے ہیں حضرت آمنہ نے دایہ کی یہ محبت دیکھکر اور یہ سنکر کہ مکہ کی آب و ہوا اس وقت خراب ہے اپنے دل پر جبر کر کے کچھ دن اور اپنے نور نظر کی مفارقت گوارا کرنا مناسب جانا حلیمہ اجازت پا کر پھولی نہ سمائی اور ہنسی خوشی اس روح رواں کو جس کی جان[1] کی قسم خالق انس و جان نے کھائی ہے پھر ساتھ لیکر گھر آئی اور گویا دوبارہ زندگی پائی۔ پانچ برس کے سن تک وہ نور مجسم حلیمہ کے گھر کا چراغ رہا جس کی روشنی سے آنکھوں کو نور اور سینہ کو سرور ملتا تھا۔ آخر وہ دن آگیا جب حلیمہ کو اس جان عزیز کی جدائی گوارا ہی کرنا پڑی اور حضرت آمنہ کی مشتاق آنکھیں اپنے قرۃ العین کے دیدار سے روشن ہو گئیں۔ ماں کی محبت کا کیا پوچھنا۔ جو چین ماں کی گود میں ملتا ہے اُس پر دنیا کی تمام راحتیں قربان۔ دامانِ مادر خدا کی رحمت کا سائبان ہے۔ اسکی الفت کا جوش خالقِ کائنات کے حکیم و رحیم ہونے کی سچی دلیل ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جس کے شکر بجا لانے کے صلے میں جنت نصیب ہوتی ہے۔ بیشک بہشت ماں کے قدم کے نیچے ہے۔

حضرت آمنہ اور حضرت عبد المطلب کی وفات

ایک ہی سال گذرنے پایا تھا کہ اُس معصوم پر دوسری اور سخت مصیبت ٹوٹ پڑی۔ حضرت آمنہ اپنے لخت جگر کو لیکر اپنے عزیزوں سے ملنے کو مکہ سے یثرب گئیں ایک مہینہ رہ کر

---

[1] سورۂ حجر پارہ ۱۴ ع ۱۲

واپس آرہی تھیں کہ مقام ابوا میں رحلت فرمائی۔ اللہ اللہ اس مقدس یتیم کی اس وقت کیا حالت ہوئی بس وہی سمجھ سکتے ہیں جنھیں اس لا دوا درد سے آشنا ہونا پڑا ہے۔ انھیں کے شکستہ دلوں سے فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ کی دل ہلا دینے والی تفسیر سننا چاہیے۔ حضرت عبد المطلب نے جس وقت یہ جانکاہ حادثہ سنا نہایت مغموم ہوئے۔ اس معصوم یتیم کو کلیجے سے لگایا اور نہایت شفقت سے پرورش کرنے لگے۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ہر گھڑی دلجوئی کی فکر میں رہتے تھے۔ جوانمرگ بیٹے کا نام و نشاں بس یہی ایک معصوم تھا جس کے سر سے بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ اب جو کچھ تھی جد امجد ہی کی شفقت تھی مگر وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ رہی۔ ابھی نویں ہی برس میں قدم رکھا تھا کہ دادا نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ اور داغ پر داغ نصیب ہوا۔ وہ پاک دل شکستہ تھا ہی اور بھی چور ہو گیا۔

حضرت ابو طالب کی کفالت

حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد وصیت کے موافق حضرت ابو طالب اس در یتیم کی پرورش کے کفیل ہوئے۔ ایک تو حقیقی چچا ہونے کی محبت دوسرے وصیت کی تعمیل اور تیسرے واجب الرحم بھتیجے کے پسندیدہ حرکات و سکنات کے اثر نے ان کو ہمہ تن اس کار خیر میں مصروف کر دیا۔ مگر اس زمانے میں پڑھنے لکھنے کا چرچا عرب میں بہت ہی کم تھا۔ شہسواری نیزہ بازی شعر و شاعری کا مشغلہ رہتا تھا۔ ایک دوسرے پر فخر کرنے کی غرض سے اپنے خاندان کے شجرے اور کارنامے یاد کیے جاتے تھے۔ خوابوں کے تعبیر دینے اور ستاروں کی چال سے غیب کا حال بتانے کا بھی چرچا تھا اور اس طرح علم انساب کے ساتھ کہانت کا بھی زور تھا۔ حضرت ابو طالب نے اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش بہت شفقت سے کی مگر لکھنا پڑھنا کیا ہو سکتا تھا۔ ان پڑھ قوم میں نشو و نما ہوئی تھی لیکن اگر اس مقدس یتیم کی تعلیم[1] نہ ہوئی کیا حرج تھا۔ عالم الغیب نے کتاب عالم آنکھوں کے سامنے کھول دی تھی۔ قلب سلیم مطالعہ میں مشغول تھا اور سینہ علم لدنی سے معمور۔

عہد جاہلیت کی تعلیم

آنحضرت امی رہے

---

[1] سورۂ العنکبوت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (اور نہ تھا تو پڑھتا پہلے اس سے کتاب اور نہ لکھتا تھا تو اسے داہنے ہاتھ سے اپنے تو شک کرتے جھوٹے)۔

سفرِ شام

دنیا بھی عجب کارواں سرا ہی جہاں قافلوں کی ہر وقت آمد و رفت لگی رہتی ہی۔ اس کے دونوں در کسی گھڑی بند نہیں ہوتے۔ ملک عدم سے آنے والے جب چاہتے ہیں منھ اُٹھائے بے تکان چلے آتے ہیں! اور اسی طرح شہر خموشاں کو جانے والے جب دم اُبھا لدے پھندے آنکھ بند کئے چل کھڑے ہوئے کچھ روک ٹوک نہیں۔ قافلے والے بھی عجب لوگ ہیں کہ نہ اپنا حال بیان کرتے ہیں نہ اپنے ملک کی کیفیت۔ آنے والوں سے پوچھئے کیوں جناب کہاں سے آنا ہوا؟ اسم شریف؟ مزاج مبارک؟ مگر حضرت کا مزاج ہی نہیں ملتا۔ کچھ جواب ہی نہیں دیتے۔ بلک بلک کر رو رہے ہیں خدا جانے کس کی یاد تڑپاتی ہے۔ جانے والوں سے اگر دریافت کیجئے قبلہ کدھر کا عزم ہی کس نے طلب فرمایا ہی؟ پھر کبھی تشریف لائیے گا؟ مگر صدائے بر نخاست گویا دیواروں سے باتیں کر رہے ہیں۔ خیر یہ لوگ نہ بتائیں نہ سہی مگر تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ لوگ خود ہی نہیں جانتے کہیں کیا۔ آنے والے خود فراموش کیا بتائیں مگر انداز کہے دیتا ہی کہ ع

عدم سے جانبِ ہستی تلاش یار میں آئے

جانے والے دم بخود کہ معاملہ کیا ہی مگر بیچارے حق بجانب ؎

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

ملکِ عدم اور شہر خموشاں کا کچّا چٹّھا اگر معلوم نہوا نہ سہی یہ دنیا کا دائرہ عاقبت اندیشوں کے نزدیک تجارت کی منڈی تو ضرور ہی جہان فانی اور باقی دونوں قسم کا بیوپار ہوتا ہی۔ کھوٹا اور کھرا مال ساتھ ساتھ بکتا ہی مگر اس کی پہچان آسان نہیں۔ کسی کو نفس امّارہ کا دلال، متاعِ غرور دلا کر ٹھگا دیتا ہی اور خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کا مصداق بنا دیتا ہی اور کسی کو عقل معاد کی ساکھ حیاتِ طیبۃ[1] سے مالا مال کر دیتی ہی جس کے سبب سے وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ[2] کی بشارت ملتی ہی

[1] فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (پارہ ۱۴ سورہ نحل ۱۲) [2] یعنی آخرت دنیا سے کہیں بہتر اور زیادہ پائدار ہی (سورہ اعلیٰ پ ۳۰)

اہل عرب کی تجارت

اہل عرب نے دنیا کی اس تجارتی منڈی میں ہر حیثیت سے بہت کم فروغ حاصل کیا تھا۔ ان کا لین دین محدود تھا۔ "شداد کی جنت" کی سرزمین سے ادیم اور برد۔ طائف اور نخلہ سے غلہ اور میوے ارض تہامہ اور میدان نجد سے سنا، اذخر اور بخور یہ سب چیزیں اونٹوں پر لد کر ملک شام کو جاتی تھیں، جہاں سے روم اور عجم کے نفیس ریشمی کپڑے عمدہ عمدہ ظروف اور نادر اشیا لائی جاتی تھیں۔ شہر مکہ مذہبی اور تجارتی دونوں حیثیت سے مرکز تھا۔ قافلوں کی آمد و رفت اسی طرف سے ہوتی تھی یہاں کے باشندے خود بڑے بڑے تاجر تھے۔ ان کے کارندے دور دور پھرتے تھے اور ان کا گھر بھر دیتے تھے۔ خشکی کے سفر میں یہ لوگ بہت مشاق تھے مگر سمندر کے نام سے کانپتے تھے۔ مشہور فاتح مصر عمرو ابن العاص نے سمندر کی عجیب و غریب تعریف جس سے خالص عربی طبائع کی جھلک پائی جاتی ہے بیان کی ہے کہ "سمندر ایک بڑا بھاری حیوان ہے جس پر احمق آدمی اسی طرح سوار ہو کر چلتے ہیں جس طرح لکڑی کے بڑے کندوں پر کیڑے" ان کا سمندر جو کچھ تھا ریگستان تھا جس میں باد صرصر کے طوفان قیامت بپا کرتے تھے ریگ رواں کے بھنور ہلاک کرتے تھے۔ ان کا جہاز ان کا پیارا اونٹ تھا جو اس ہولناک متلاطم سمندر میں ان کے واسطے سفینۂ نجات تھا اسی کی پشت پر ان کو سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کے عجائبات نظر آتے تھے اور اسی کے سہارے پر ان کا بیڑا پار لگتا تھا۔

بازار عکاظ

اس محدود بیرونی تجارت کے علاوہ ملک میں چار بڑے بازار تھے عکاظ، ذوالمجاز، مجنہ اور حباشہ جس میں سب سے زیادہ مشہور سوق عکاظ تھا جو نخلہ اور طائف کے درمیان فتق کے لق و دق میدان میں ذیقعدہ کی پہلی سے بیسویں تاریخ تک لگا رہتا تھا۔ یہ گویا عرب کا اولمپیا[1] تھا۔ ایک طرف لین دین ہوتا تھا، ایک طرف کھیل تماشے، شاعری کی لطیف فن میں نام پیدا کرنے والے اپنا زور سخن ہیں دکھاتے تھے۔ جس کے واسطے یہاں شور مرحبا بلند ہوا اس کی سارے ملک میں دھوم مچ گئی۔ جس نے یہاں ٹھوکر کھائی وہ گویا گمنامی کے گڑھے میں گر گیا۔ یہاں ہر بوالہوس کا حسن پرستی شعار

---

[1] قدیم یونانیوں میں ایک مشہور سالانہ میلہ ہوتا تھا جہاں ہر فن کے لوگ جمع ہو کر اپنے اپنے جوہر دکھاتے تھے ۱۲

نہ تھا بلکہ صرف "اہل نظر" کی آبرو ہوتی تھی۔ اسی سبب سے ان کا نام اب تک مشہور ہے۔ یہ لوگ وجدانی کیفیتوں کے سچے مصور تھے۔ ان کی مدح اور ذم ایک مصفا آئینہ تھا جس میں حسن و قبح کا پورا عکس صاف نظر آتا تھا۔ ان کے معرکہ آرا رجز، دلگداز مرثیے، بلند اور پُر معنے قصیدے سچی شاعری کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں سبعہ معلقہ جن پر قبولیت عام کی مہر لگ گئی تھی آسمان سخن کے سبعہ سیارے تھے جو بس اسی وقت غروب ہوئے جب ایسا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا جس کا نور تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1] کی روشن آیت سے چمکتا ہے۔

غرض کہ ایک طرف شعرا کا بازار گرم رہتا تھا اور ایک طرف کاہنوں کا ہنگامہ بپا ہوتا تھا ایک اپنی مقفے نظمیں سنا کر خوشی اور غم کا سین کھینچ دیتا تھا اور دوسرا اپنی مسجع عبارتیں پڑھ کر امید اور بیم کا مرقع پیش کر دیتا تھا۔ کسی طرف گانے بجانے کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں جہاں لولیان عجم اور مہ وشانِ روم اپنے عیش پرست ملکوں کی تہذیب کا سین کھینچ دیتی تھیں۔ کہیں عشق کے نابینا دیوتا کے پوجاری بتان سنگ دل کی پرستش کرتے تھے اور کہیں عقل کے اندھے پتھر کی مورتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ بازار کیا تھا ایک طوفان تھا جہاں ان بدمستیوں کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خون کی ندیاں بہ جاتی تھیں۔ اگرچہ یہ مجمع شہر حرام میں ہوتا تھا جس میں جنگ و جدال کی سخت ممانعت تھی لیکن چونکہ طبیعتیں جنگ جو واقع ہوئی تھیں بات بات پر بگڑ جاتے تھے۔ انکی زبانیں ان کے قابو میں نہ تھیں جس کے زخم ایسے گہرے ہوتے تھے کہ بھرنا مشکل تھا سچ ہے ؎

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

نیزے کے زخم بھر آتے ہیں مگر زبان کے زخم نہیں بھرتے۔

فجار کی چار خونخوار لڑائیاں

فجار کی چار خونخوار لڑائیاں جو اس بازار عکاظ میں ہوئیں اسی زبان کی بدولت تھیں قریش اور بنی کنانہ ایک جانب تھے اور بنی ہوازن دوسرے جانب۔

پہلی لڑائی بس اس بات پر ہوئی کہ بدر بن معشر غفاری نے اس بازار میں ایک محفل ترتیب

[1] جس کو پروردگار عالم نے اتارا ہے۔ سورہ واقعہ پارہ ۲۷

دی جس میں اپنے قبیلے کے کارنامے بڑے فخر کے ساتھ بیان کرنا شروع کئے۔ اثنائے تقریر میں اُس نے جوش میں آکر اپنا ایک پاؤں پھیلایا اور پکار کر کہا اَنَا اَعَزُّ العَرَبِ جس کو اس میں شک ہو وہ میرے سامنے آکے اور میرے اس پاؤں پر تلوار مارے۔ اس تفاخر کو سُنکر ایک منچلے بہادر کو تاب نہ رہی جھٹ اپنی جگہ سے کود کر اس کے زانو پر تلوار مار کر زخمی کر دیا۔ اس پر بدر کے عزیز جو ستاروں کی طرح اس کے گرد تھے مارنے والے پر ٹوٹ پڑے اور اس کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ مقتول کی قوم یہ سُنکر غفاریوں پر چڑھ دوڑی پھر کیا تھا جس کا جس سے سلسلہ تھا وہ دوڑ پڑا اور سخت معرکہ ہوا ہزاروں کا کھیت رہا سارا بازار خون سے لالہ زار ہو گیا۔

دوسری لڑائی یوں ہوئی کہ ایک عورت بنی عامر کی اسی بازار میں بیٹھی تھی۔ ایک قریشی جوان نے اس سے دل لگی کی۔ بیچاری عورت نے اپنی قوم کو پکارا۔ بنی عامر ہتیار لیکر دوڑ پڑے اس جوان نے جب یہ رنگ دیکھا سمجھا کہ اب جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ جھٹ اپنی قوم کو آواز دی اور آناً فاناً دونوں گروہ رفع شر کے عوض دست و گریبان ہو کر تلوار سے لڑنے لگے اور جانیں عزیز جنس اس بازار میں مفت کھونے لگے۔

تیسری لڑائی کی وجہ یہ ہوئی کہ بنی کنانہ کا ایک مرد بنی عامر کے ایک شخص کا قرضدار تھا مگر کسی طرح ادا نہیں کرتا تھا۔ آخر اس بازار میں عامری نے مقروض کو سخت پکڑا اور گالی گلوج ہونے لگی۔ بڑھتے بڑھتے یہ نوبت پہونچی کہ دونوں آدمیوں کی قومیں آپس میں گتھ گئیں اور جی توڑ کر لڑیں جب بیشمار جانوں کی نقدی خوب کھو چکے تب عبد اللہ بن جدعان جو اس وقت قریش کا سردار تھا سامنے آیا اور قرضہ اپنے ذمے اُتار کر جنگ کا خاتمہ کیا۔

چوتھی لڑائی اس بنا پر ہوئی کہ نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ جو ساسانی سلطنت کے سایہ میں سرسبز ہوا تھا ہر سال تجارت کی غرض سے اپنا کارواں کسی مقتدر سردار عرب کی حمایت میں اس بازار میں بھیجا کرتا تھا۔ ایک سال قافلے کی روانگی کے وقت اس کے دربار میں کنانہ کی قوم کا ایک شخص براض نام اور ہوازن کے قبیلے کا ایک آدمی مسمی عروۃ الرجال دونوں موجود

تھے۔ براض نے کہا کہ میں بنی کنانہ کا ذمہ دار ہوں کہ اس کارروان کو امن وامان کے ساتھ گذرجانے دینگے بادشاہ نے کہا کہ مجھے ایسا شخص چاہیئے جو اہل نجد اور باشندگانِ تہامہ دونوں کا ذمہ دار ہو۔ اس پر عروہ بول اُٹھا کہ حاکم کی خاطر سے میں دونوں قوموں کا ذمہ لیتا ہوں۔ براض نے اپنی کسرشان کے لحاظ سے عروہ سے پوچھا کہ کیا تو میری قوم کا بھی جو تہامہ میں آباد ہے ذمہ لیتا ہے۔ عروہ نے مفاخرت کے طور پر جواب دیا کیوں نہیں بلکہ اہل بادیہ کا بھی ذمہ دار ہوں۔ براض اب بدلہ لینے کے جوش میں کارواں کے پیچھے پیچھے چلا اور تاک میں لگا تھا کہ موقع پاکر اپنے ذلیل کرنے والے کو خاک میں ملادے۔ ایک منزل میں عروہ شراب پیکر غافل ہوگیا۔ براض موقع پاکر اس کے سر پر تلوار لیکر پہونچ گیا۔ عروہ نے یہ حال دیکھکر قسم دلائی کہ مجھے چھوڑ دے میں نے صرف غلطی سے وہ بات کہدی تھی اب میری خطا معاف کر۔ مگر براض نے ایک نہ مانی اور اس کا سر کاٹ ڈالا۔ یہ خبر جب بازار عکاظ میں پہونچی ہوازن جوش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور بنی کنانہ پر چڑھ دوڑے۔ بنی کنانہ بھی کسی سے دبنے والے نہ تھے لڑنے مرنے کو طیار ہوگئے اور ان کے ساتھ قومی حمیت کے لحاظ سے شریک ہوگئے اور چھ دن تک سخت معرکہ رہا۔ ایک خون کے عوض جس کا بدلہ قصاص یا دیت سے لے سکتے تھے ہزاروں آدمی جہالت کے ہاتھوں تلوار کے گھاٹ اتر گئے اور کسی نے اُف نہ کی مگر ایک چودہ برس کے "ماہ نیم ماہ" نے جو آیندہ رحمۃ للعالمین کے پیارے لقب سے دنیا میں مشہور ہونے والا تھا۔ آپ اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ساتھ اس بازار میں تشریف لائے تھے اور اس خونخوار معرکہ کو دیکھکر عرب کی ابتر حالت سے متاثر ہوئے۔[۱]

مکہ کی حکومت کا طرز

عبدالمطلب کی وفات کے بعد مکہ کی امارت بنی ہاشم کے ہاتھوں سے نکلکر انکی بنی اعمام اور دوسرے قریش کے گروہوں میں منتقل ہوگئی تھی۔ قصی بن کلاب قریشی کی اولاد سے دس سردار منتخب ہوتے تھے جن کو "شریف" کا لقب ملتا تھا۔ سردار وہی لوگ ہوتے تھے جن کا ان کے گروہ میں عمر اور اقتدار کے لحاظ سے زیادہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس منتخب جماعت کے فرائض ہر ایک

[۱] ماخوذ از "سرور المحزون"

کے واسطے جداگانہ تھے۔

رفادہ۔یعنی صدقات سے حاجتمندوں کی امداد۔ یہ خدمت حضرت ابوطالب کے سپرد تھی۔

دیت۔یعنی خوں بہا۔اس کا انتظام آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے سپرد تھا۔

سقایہ۔یعنی چاہ زمزم کی تولیت۔یہ خدمت حضرت عباسؓ عم رسول اللہ کے سپرد تھی

لوا۔یعنی علم برداری۔اس کا تعلق حضرت ابوسفیان سے تھا۔

سفارت۔یعنی خارجی اور باہمی قضیوں کا فیصل کرنا۔یہ کام حضرت عمرؓ کے سپرد تھا۔

حجابہ۔یعنی خانہ کعبہ کی کنجیوں کی داروغگی۔ یہ خدمت فتح مکہ کے وقت حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے سپرد تھی اور اسی خاندان میں رہی۔

ازلام۔یعنی تیروں سے فال نکالنا جب کسی کو کچھ مہم پیش آتی خادم ازلام کے پاس سو درہم لیکر جاتا اور اپنی حاجت بیان کرتا۔خادم سات بے پر کے تیروں کے ذریعہ سے ہبل بت کا نام لیکر فال دیکھ دیتا۔ یہ کام بنی امیہ کی سپرد تھا۔ وغیرہ

عبدالمطلب کے بعد ان کی اولاد کا وہ اقتدار نہ رہا جو ان کی حیات میں تھا۔ایک تو بنی ہاشم کی فیاضی اور سخاوت مشہور تھی دوسرے سقایہ اور رفادہ کی ایسی خدمات تھیں جن میں غریبوں مسکینوں زائروں اور مسافروں کی خدمت کرنا پڑتی تھی خلقی مروت اور فراخ حوصلگی کے باعث آمدنی سے زائد خرچ ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت ابوطالب کو عسرت محسوس ہونے لگی۔آب زر پرست طبیعتیں ان سے کھنچنے لگیں اور بنی امیہ کی جو پہلے سے بنی ہاشم کے رقیب تھے بن آئی۔ حضرت ابوطالب کو دقتوں سے سامنا پڑنے لگا، مگر اپنے یتیم بھتیجے کی دلجوئی میں کمی نہ کی۔تیرہ برس اسی طرح گذر گئے۔اس درمیان میں اس برگزیدۂ الٰہی نے اپنے اوصاف حمیدہ سے یگانہ اور بیگانے سب کے دلوں میں گھر کر لیا۔آپ کے تقویٰ و طہارت نے لوگوں کو گرویدہ کر لیا اور ہر شخص یہی کہنے لگا کہ جس کسی کو جوان صالح دیکھنا ہو وہ ابن عبداللہ کو دیکھے۔

حضرت ابوطالب نے آپ کو اب تجارت میں لگانا چاہا مگر سرمایہ کی کمی سے متفکر تھے کہ خیال آیا کہ اس شہر میں ایک متمول شریف بیوہ متدین آدمیوں کو اپنا مال دیکر تجارت کرنے کو بھیجا کرتی ہے جو کچھ نفع ہو اس میں نصف نصف ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ آمادہ ہوگئے اور حضرت خدیجہ بنت خویلد سے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ ان نیکبخت بی بی نے جنھیں سرکارِ احدیت سے "ام المومنین" کا لقب ملنے والا تھا بطیب خاطر قبول کیا اور مال تجارت حاضر کرکے اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ہمراہ کردیا۔

سفر شام

یہ پہلا موقع تھا کہ آپ سفر کو نکلے۔ قدرت کی کتاب آنکھوں کے سامنے کھل گئی اور دیدۂ خدابین نے آرض اللہ واسعۃ کی نورانی تحریر جو خط غبار میں لکھی ہوئی تھی ملاحظہ فرمائی وہ رات کا سفر جس میں ستاروں کی قیامت تک چلنے والی گھڑی وقت بتانے کو پیش نظر رہتی تھی وہ ساربانوں کی خوش آہنگ حدی جو اونٹوں کو مست کرکے مشکل آسان کردیتی تھی وہ چاندنی رات کی بہاریں وہ نسیم سحر کی مستانہ ادائیں وہ سپیدۂ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی وہ "خاتون عرب" کی مشرق کے حجلہ سے رونمائی وہ لق ودق میدان وہ چمکدار ریگستان وہ سراب کے دھوکے بازیاں وہ "ام غیلان" کی بے مہریاں وہ دوپہر کی گرمی سے بھوبھکنا وہ دونوں وقتوں کا ملنا اور گلابی شفق کا پھولنا ایسا نظارہ تھا جس نے آنکھوں آنکھوں میں بہت کچھ کہدیا اور جلوۂ قدرت کا تماشا دکھادیا۔ خوب ؎

اے تماشا گاہ عالم روے تو
تو کجا بہر تماشا میروی

الغرض آپ نے اس کام کو ایسی عمدگی سے سرانجام دیا کہ لوگوں میں آپ کی اخلاقی خوبیوں کے

لہ قصہ بحیرا راہب اور آنحضرت کا حضرت ابوطالب کے ہمراہ شام کو جانا بخاری اور مسلم میں مذکور نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کتاب سے خارج کردیا ہے۔ ترمذی اور بعض محدثین نے اگرچہ یہ روایت نقل کی ہے لیکن وہ معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ابوطالب نے آنحضرت کو ابوبکرؓ اور بلال کے ہمراہ شام سے واپس کردیا حالانکہ بلال اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور ابوبکرؓ دو سال آنحضرت سے چھوٹے تھے ۱۲

ساتھ دنیاوی معاملات میں لیاقت اور خوش سلیقگی کی شہرت ہوگئی۔ آپ کے تقوے اور طہارت کے ساتھ دیانت اور امانت کی تعریف ہونے لگی اور سب وقعت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ بیشک آپ کی ذات بابرکات ہمہ صفت موصوف تھی۔ انسانی کمالات کے آپ جامع تھے۔ دنیا میں رہ کر خلق خدا سے کچھ کام نہ رکھنا اور اپنے قدح کی خیر منانا ہمت والوں کا کام نہیں اور اسی طرح دنیا کے بکھیڑوں میں پھنس جانا اور سامان معاد کی کچھ فکر نہ کرنا عاقبت اندیشوں کا شیوہ نہیں بلکہ اس گہرے دریا میں پھاند کر کسی کو سہارا دینا کسی کو ابھارنا کسی کو ہمت دلانا اور کسی کو ساتھ کھینچ کر اس پار ہو جانا اعلیٰ درجے کی شناوری ہے۔ ایسا پیراک کون ہو سکتا ہے۔ بس وہی جس نے معرفت کے بحر ناپیدا کنار میں غوطے لگا کر "صراط مستقیم" کا انمول موتی نکال لیا ہو۔ جس نے فانی لذتوں پر مٹ جانے والوں کو خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى[1] کی دعوت دی ہو اور ساتھ ہی خشک مزاج زاہدوں کو لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ[2] کا صلائے عام دیا ہو۔ جس نے ایک طرف بندگان خدا کو اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ[3] کے راستہ پر لگا کر اکل حلال کے دروازے کھول دیئے ہوں اور دوسری طرف طالبان مولا کو عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ[4] کی سخت گھاٹی سے پار کر کے رضا و تسلیم کے دار الامن میں پہونچا دیا ہو۔ بیشک ایسی جامعیت بس آپ ہی کی ذات مقدس میں تھی سچ ہے ؎

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرضکہ شام میں آپ نے مال تجارت فروخت کر کے بہت کچھ نفع کمایا اور جلد واپس تشریف لائے۔ جس سفر کی ابتدا اور انتہا نیک ہوتی ہے بیشک وسیلۂ ظفر ہوتا ہے۔ دوپہر کا وقت

---

[1] پرہیزگاری سب سے عمدہ توشہ ہے ۱۲

[2] اسلام میں رہبانیت (جوگ) نہیں

[3] پیشہ ور خدا کا دوست ہے ۱۲

[4] اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے ۱۲

تھا وہ چمکتا ہوا آفتاب جس پر خدا کی رحمت سایہ کئے ہوئے تھی اپنے وطن واپس آرہا تھا۔ اُس وقت حضرت خدیجہ چند عورتوں کے ساتھ اپنے بالاخانے پر جلوہ فرما تھیں۔ اس نئی تجارت کے تذکرے ہو رہے تھے اور آپ ہی کا ذکر خیر تھا کہ ناگاہ آپ کا ناقہ نظر آیا۔ حضرت خدیجہؓ نہایت خوش ہوئیں پھر جس وقت کامیابی سفر اور نفع کثیر کا حال سُنا کمال محظوظ ہوئیں اور ساتھ ہی میسرہ کی زبانی آپ کی کفایت شعاری، امانت داری، خلق، مروّت، جفاکشی اور پاکیزہ رَوِی کی تعریف سُنکر آپ کی گرویدہ ہوگئیں۔ قریش کے سرداروں نے لاکھ چاہا کہ ان شریف متمول بیوہ سے عقد کریں مگر آپ کی نظر میں ایک نہ جچا۔ آپ کی جوہر شناس نگاہ نے اُس دُرِّ یتیم کو پرکھ لیا اور دل میں ٹھان لی کہ بس اسی کو جس کی ظاہری اور باطنی آب و تاب دیدہ و دل کو روشن کرتی ہے اپنا سرتاج بنانا چاہیئے۔ چنانچہ نفیسہ بنت مینہ کو آپ کے حضور میں بھیجا کہ آپ کا عندیہ دریافت کریں۔ نفیسہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور دریافت کیا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔ اس شاہ کونین نے جواب دیا کہ میرے پاس ساز و سامان کچھ نہیں۔ نفیسہ نے جواب دیا کہ اگر کوئی شریف حسین مالدار عورت اپنا جان و مال نذر کرے پھر بھی آپ کو کچھ عذر ہوگا۔ اس محبوب دوجہاں نے فرمایا ایسا کون ہے۔ نفیسہ نے کہا میں خدیجہ بنت خویلد کو راضی کرتی ہوں۔ حضرت خدیجہؓ نے جس وقت یہ حال سنا جوش مسرت سے باغ باغ ہوگئیں اور قبول کرلیا۔ عقد کی تاریخ مقرر ہوئی۔ ابوطالب۔ عباس اور حمزہ رضی اللہ عنہم اس حبیب الٰہی کو اپنے ساتھ لیگئے۔ اِدھر سے حضرت ابوطالب نے اور اُدھر سے ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی نے خطبہ پڑھا اور ساڑھے بارہ اوقیہ[1] سونا مہر بندھا۔ نکاح ہوگیا اور ہر طرف خوشی کی دھوم مچی۔

حضرت خدیجہؓ آپکی خوبیوں پر شیفتہ ہوکر عقد کرنے پر طیار ہوتی ہیں

الامین

یونان کے مشہور حکیم ارسطاطالیس کا قول ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے بیشک

[1] ۱۲½ اوقیہ سونے کی قیمت الف پانسو محمد ۱۲ ہوتے ہیں (کنز الحسنات) ۱۲

عقول عشرہ کے خالق نے اس کے خمیر میں جوہر انسیت داخل کر دیا ہے۔ اس کی صورت واجب الوجود نے اپنی عدیم المثال صورت پر بنائی ہے اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے خلعت سے سرفراز کیا ہے اسی واسطے جس وقت پیشگاہ قدم سے عالم حدوث میں قدم رکھتا ہے خلیفۃ اللہ ہو کر آتا ہے۔ اسکے عالم صغیر میں تکوین و ایجاد کے عجائبات بھرے ہوئے ہیں۔ اگرچہ عناصر کی چار دیواری میں اس کا نفس ناطقہ محصور ہے مگر اس کی سیر و سیاحت کے واسطے راستہ کھلا ہوا ہے۔ اس کے لئے ایک طرف ترقی کا زینہ لگا ہے کہ اگر ہمت باندھے تو توفیق کی مضبوط نورانی رسّی کا سرا پکڑ کر بام آسمان پر پہونچ جاتا ہے اور دوسری طرف تنزل کی کھڑکی لگی ہے کہ اگر شیطانیت نے زور باندھا تو ضلالت کے آہنی پنجہ نے کنڈی کھول دی اور یہ ناعاقبت اندیش لنڈھکتا ہوا سر کے بل تحت الثریٰ میں گر پڑا۔ ایک طرف عقل کا اشراقی حکمت الٰہی کی تعلیم دیتا ہے اور دوسری طرف اپنی جان پر ظلم کرنے والا نفس شیطانی ہتکھنڈے سیکھ کر تباہ کرتا ہے۔ آہ کیا نازک معاملہ ہے غضب کی کشمکش ہے۔ قیامت کا سامنا ہے الٰہی تیری پناہ کیا دشوار راہ ہے کیسی کٹھن منزل ہے۔ کیسا خطرناک سفر ہے۔ بہادروں کے پتّے پانی، عقلا حیران، حکما پریشان، علما لرزان ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

ایسی حالت میں جبکہ دنیا کے چمن میں پھول کم اور کانٹے بہت ہیں مرنجان مرنج زندگی بسر کرنا آسان نہیں۔ اس دریا میں جبکہ سب ایک ہی عمر رواں کی کشتی میں سوار ہیں ایک ہی بادبان نفس پر بھروسہ ہے اور آخر ایک ہی طوفان فنا سے کشتی کا غرق ہونا ہے آپس کی کشمکش، جنس و ناجنس کی صحبت، حادثوں کے تھپیڑوں اور مصیبتوں کے ہچکولوں میں صابر و شاکر رہنا اور ہنسی خوشی کاٹ دینا بڑے ظرف والوں کا کام ہے۔ واقعی حسن معاشرت عجب جوہر ہے یہی حکمت عملی کی روح ہے۔ تہذیب اخلاق کے ساتھ تدبیر منزل اور سیاست مدن میں پورا اترنا کامل حکما کا کام ہے حقیقت یہ ہے ؎

عالم و عابد و صوفی ہمہ طفلان رہند　　مرد اگر ہست بجز عالم ربانی نیست

ایسا عالم ربانی وہی ہو سکتا ہے جس کو حکیم مطلق نے "خَیْرًا کَثِیْرًا" عطا فرمایا ہو۔ جسے معلم الاسماء نے اشیاء کی حقیقت آنکھوں سے دکھادی ہو اور جس کے سامنے مدینۃ الحکما کا معلم اوّل طفل مکتب ہو۔ جس نے عرب کی ایسی جاہل قوم کو "خَیْرَ الْاُمَمِ" بنادیا ہو۔ بیشک آپ کی ذات مقدس حجۃ اللہ ہے۔ آپ کی پاک زندگی اوّل سے آخر تک بتا رہی ہے کہ انسان کامل یہی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ جس وقت سے آپ کے حبالۂ نکاح میں آئیں اپنا سارا مال نقد اور جنس آپ کے سامنے حاضر کر دیا اور سرداران قریش کو بلا کر شاہد کیا کہ اب یہ چیزیں حضور ہی کی ہیں آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں صرف کریں یہ آپ کی کمال امانت داری کا صلہ تھا کہ مالک حقیقی نے فارغ البالی عطا فرمائی۔ اس مبارک عقد کے چند روز بعد آپنے اپنی کوشش سے قریش کے مختلف قبائل کو جن کے جمہوری انتظام میں حضرت عبدالمطلب کے انتقال سے خلل آگیا تھا باہم متفق کر کے اعانت مظلوم پر آمادہ کیا۔ اس تحریک کا سبب یوں ہوا کہ ایک شخص مسمی زبید مکہ میں تجارت کا مال لیکر آیا۔ عاصم بن وائل نے جو ایک شورہ پشت امیر تھا اس کا مال خرید لیا مگر ایک حبہ نہ دیا اور گھر سے نکلوا دیا۔ بیچارہ اس قریشی جماعت کے پاس جن کے سپرد پردیسیوں کا انتظام تھا روتا پیٹتا گیا اور اپنا قصہ بیان کیا مگر ان ناانصافوں نے عاصم کے مقابلہ میں اس غریب کی ایک نہ سُنی۔ مجبور ہو کر زبید جبل ابو قبیس پر چڑھ گیا اور جس وقت مکہ والے کعبہ کا طواف کرنے آئے ہر ہر قبیلے کا نام لیکر فریاد کی اور پُر درد لہجہ میں اپنا دکھڑا رو دیا۔ حاضرین پر بڑا اثر پڑا اور سب عبداللہ ابن جدعان کے دار میں جمع ہوئے۔ یہ سُنکر وہ بنی نوع انسان کا سچا خیرخواہ خود مع تمام بنی ہاشم کے اس گھر میں تشریف فرما ہوا اور سب قبیلوں نے مل کر قسم کھائی کہ ہم مظلوموں کی مدد کرینگے مسافروں کی حمایت کرینگے اور کسی کی حق تلفی نہونے دینگے۔ اس قسم کا نام حلف الفضول رکھا گیا جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں جرہم کی قوم کے تین شخصوں نے باہم مل کر مظلوم

حلف الفضول

کی اعانت پر قسم کھائی تھی اُن تینوں جوانمردوں کا نام اتفاق سے فضل تھا اس لئے ان کے ایک ہی نام کے لحاظ سے حلف الفضول کہنے لگے۔ غرض کہ قریشیوں کے اس باہمی حلف سے شہر کی بدامنی شگئی اور مسافروں اور غریبوں کو ظالموں سے نجات مل گئی۔ جس کسی نے دُہائی دی معاً قسم کھانے والے مدد کرنے کو دوڑ پڑتے تھے اور اس کی حمایت میں جان لڑا دیتے تھے۔ یہ معاہدہ خلفاے راشدین کے مبارک عہد تک باقی رہا آخر بنی امیہ کے زمانے میں جب عہد جاہلیت کا مرض پھر عود کر آیا تھا ظالموں نے اس کو توڑ ڈالا۔

آنحضرتؐ جاہلانہ رسوم اور باطل معبودوں سے بیزار رہے

یہ پہلا موقع تھا کہ اس رحمت عالمیان نے قریشیوں کو اس نیک کام پر آمادہ کیا اور اس میں شرکت کی ورنہ نزول وحی تک جس کے بعد برکات اسلام نے عالم کو معمور کر دیا آپ نے کبھی ان کی جاہلانہ رسموں اور باطل معبودوں کے تیوہاروں میں شرکت نہ کی۔ مکہ کا شہر آشوب اس زمانہ میں بلا کا تھا۔ حرم کی پاک زمین خرابیوں کی بدمستیوں سے خراب ہو رہی تھی اور خانۂ خدا گویا میخانہ تھا۔ سب ہی متوالے تھے مگر ایک باخبر صاف طینت دور سے اس تماشے کو دیکھکر ان کی حالت پر افسوس کرتا تھا۔ وہ ساغرِ چشم جو مئ عرفان سے چھلکتے تھے وہ شیشۂ دل جس میں شراب طہور جھلکتی تھی دونوں بھر آتے تھے۔ ایک آنسوؤں سے دوسرا درد سے۔ کہاں کی مسرت کیسی شرکت مگر ضرورتاً سب سے کمال خلق سے ملنا۔ مصیبتوں میں کام آنا اور پھر با ہمہ و بے ہمہ۔ ظاہر میں شمع کی طرح محفل کی رونق مگر باطن میں "نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے ہر دم لو لگی ہوئی۔ بیشک خلوت در انجمن کے یہی معنی ہیں۔ لوگوں سے الگ کسی گوشہ میں بیٹھکر آنکھ بند کر لینا جنگلوں اور پہاڑوں میں سب چھوڑ چھاڑ کر جوگیوں اور راہبوں کی طرح بیٹھ رہنا اس قدر مشکل نہیں ہے جسقدر کہ عالم رنگ و بو میں رہ کر اللہ ہی کے رنگ میں رنگ جانا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً[1] انھیں مردان خدا کی یہ شان ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ[2]

---

[1] اور کون اچھا ہے اللہ کے رنگ سے (سورۂ بقر پارۂ الم) ۱۲

[2] ایسے جوانمرد جن کو سوداگری اور بیع اللہ کی یاد سے کھیل میں نہیں ڈالتی (سورۂ نور پارہ ۱۸) ۱۲

وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللہِ انھیں کے قلوب مشکوۃ دین ہیں انھیں کی ارواح نورٌ علیٰ نور ہے

مردانِ خدا خدا نہ باشند
لیکن ز خدا جدا نہ باشند

تعمیر قریش اور آنحضرت کی فرزانگی

غرضکہ اسی حالت سے دس برس اور گذر گئے اور آپ کا سن شریف پینتیس برس کا ہوا۔ اس وقت مکہ میں ایک اور قضیہ پیش ہوا جس کو اگر آپ کی عقل سلیم فیصل نہ کرتی تو زمین حرم ہزاروں آدمیوں کے خون سے لال ہو جاتی یہ واقعہ یوں ہوا کہ کعبہ شریف کی عمارت منہدم ہو چلی تھی قریش نے اس کی تعمیر شروع کی۔ اس مذہبی کام میں سب قبیلوں نے شرکت کی اور کام ختم ہو گیا صرف حجر اسود رکھنے کے واسطے مباحثہ ہونے لگا۔ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو اور میرے ہی محلہ کی طرف اس کا رُخ رہے۔ آخر یہ قرار پایا کہ علی الصباح جو شخص پہلے حرم میں داخل ہو اسی کی رائے پر عمل کیا جاوے۔ دوسرے دن فجر کو سب سے پہلے آپ تشریف لائے اور یہ مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر پھیلا دی اور حجر اسود کو اس میں ڈال کر ہر ہر قبیلے کے سردار سے فرمایا کہ چادر کے کنارے تھام لے پھر خود حجر اسود کو دست مبارک میں لیکر نصب کر دیا۔ اس طرح یہ جھگڑا اٹھے ہوا اور بات بات پر کٹ مرنے والے قریشیوں کا ہر شخص راضی ہو گیا اور خوش خوش گھر آیا اور آپ کی فرزانگی اور صلح پسندی کی ہر جگہ تعریف ہونے لگی۔

قحط میں آنحضرت کی فیاضی

انھیں ایام میں ملک میں سخت قحط پڑا۔ باشندگان مکہ نہایت پریشان ہوئے ہزاروں جانیں بے آب و دانہ ضائع ہونے لگیں۔ کوئی کسی کو پوچھتا نہ تھا ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی تھی اس نفسی نفسی کے قیامت خیز زمانے میں رحمۃ للعالمین نے جو میدان حشر میں اُمتی اُمتی پکاریگا لوگوں کی ہمدردی اور اعانت اس درجہ کی کہ ہر ایک کے دل سے دعا نکلنے لگی۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے مال پر آپ کو پورا اختیار دیدیا تھا آپنے اس کو ایسی تجارت میں لگایا جس کا بیعانہ بہشت ہے اور رضائے خدا قیمت ہے۔ عزیز، قریب، یتیم، مسکین، مسافر سب اس چشمۂ فیض سے

سیراب ہونے لگے۔ بیشک خیرات سے مال بڑھتا ہے برکت خود اپنا دست شفقت پھیرتی ہے۔ کفایت خود انتظام کرتی ہے۔ رحمت چھپر پھاڑ کر نازل ہوتی ہے اور سال بھر میں سخی کی فراخ دستی اور بخیل کی تنگ چشمی برابر ہو جاتی ہے۔ یہ عجب حساب ہے کہ بڑے بڑے سیاق و سباق جاننے والے چکراتے ہیں مگر نفس کے سچے محاسب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ صرف اپنی ہی بھول ہے ورنہ دیوان احدیت میں ایک کی جگہ دس لکھتے ہیں اور سات سو لکھ دینے میں بند نہیں پھر جمع خرچ میں اپنا فاضل کیونکر نہ نکلے۔

غرضکہ اس قحط کے زمانے میں آپ کی داد دہش نے بہتوں کی جان بچا لی۔ حضرت خدیجہؓ جنھیں آپ کی صحبت بابرکت میں ایثار کا سبق ملا تھا اس کار خیر میں معین ہو گئیں اور بہت سے بندگان خدا کی مصیبت کٹ گئی۔ حضرت ابو طالب انھیں ایام میں خرچ کی طرف سے تنگ ہو گئے تھے اہل و عیال کے باعث مصارف بڑھ گئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو جو اس وقت بہت ہی صغیر سن تھے اپنی کفالت میں لے لیا اور اپنے چچا حضرت عباسؓ سے سفارش کی کہ حضرت ابو طالب کے دوسرے بیٹے حضرت جعفرؓ کو اپنی کفالت میں لے لیں۔ اس طرح حضرت ابو طالب کا بار ہلکا ہو گیا۔

غلاموں پر شفقت کرنے کا پہلا عملی سبق

انھیں دنوں میں آپ نے لوگوں کو غلاموں پر شفقت کرنے کا پہلا عملی سبق دیا جس سے بکے والوں کے دلوں پر آپ کی محبت کا نقش بیٹھ گیا۔ حکیم بن حزام حضرت خدیجہ کے بھتیجے نے ایک ہونہار لڑکے کو جسے اس کے قبیلے کے دشمن گرفتار کر کے بیچنے لائے تھے بازار عکاظ میں چار سو درہم کے عوض مول لیا اور اپنی چچی کے نذر کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اس لڑکے کو آپ کی خدمت میں دیا۔ آپ نے اس کو اس شفقت سے پرورش کیا اور غلام اور مالک خادم اور مخدوم کا فرق ایسا مٹا دیا کہ لوگ کہتے تھے کہ یہ غلام کیوں ہے آپ کا بیٹا ہے یہ وہی غلام ہے جس کا شمار مومنین اولین میں کیا جاتا ہے اور جس نے آیندہ جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان قربان کر دی اور زندہ جاوید ہو گیا

زید بن حارث

حضرت زید بن حارث انھیں بزرگوار کا نام تھا۔ باپ نے جس وقت سنا کہ بیٹے کو ظالموں نے بیچ ڈالا

ہے کے آیا اور یہ سنکر کہ آنحضرت نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور کمال شفقت سے پیش آرہے ہیں خوش ہو کر حاضر ہوا اور بیٹے سے گھر چلنے کے واسطے کہا مگر وہ سچا فدائی جس کا دل بندۂ کرم ہو چکا تھا جس کو آپکے وسیع اخلاق نے مول لے لیا تھا کسی طرح رفاقت چھوڑنے پر آمادہ نہوا۔ سچ ہے احسان عجب سکہ ہے کہ ہر وقت ہر جگہ چلتا ہے۔ اس میں نہ کبھی بٹہ لگتا ہے نہ ٹکسال باہر ہوتا ہے۔ جو ہر جان جس کی قیمت قارون کے خزانے سے بھی ادا نہیں ہوسکتی اسی سکۂ رواں سے مول لے سکتے ہیں۔ جانی دشمن کے قلب کو کشتہ کرنا اسی کی خاصیت ہے۔ اسی کی دھیمی دھیمی آنچ سے دوستوں کے دل خالص ہو جاتے ہیں واقعی اکسیر اگر ہے تو یہی ہے۔

غرضکہ آنحضرت کا زمانۂ شباب انھیں مساعی جمیلہ اور اکتساب حسنات میں صرف ہوا آپکے محامد اور اوصاف نے آپ کو ہر دلعزیز بنا دیا اور قوم نے آپ کی خوبیوں پر شیفتہ ہو کر آپ کو ایسا خطاب عطا کیا جو اس وقت تک کسی کو نہیں ملا تھا الامین ایسا اعلیٰ اور قابل قدر خطاب تھا جسے قوم کے ہر فرد بشر نے ہم آواز ہو کر دیا تھا۔ بیکسوں کا سہارا آپ ہی کی ذات تھی۔ غریب محتاج آپ ہی کا منہ تکتے تھے۔ بیوہ اور یتیم کی ڈھارس آپ ہی سے بندھتی تھی مظلوم اور مصیبت زدہ آپ ہی کی پناہ ڈھونڈھتے تھے امیر اور شریف۔ رئیس اور حاکم سب ہی کو آپ پر بھروسہ تھا۔ ہر ایک کی نظر آپ ہی پر پڑتی تھی۔ جدھر آپ نکل گئے بیساختہ لوگوں کی زبانوں سے جاءَ الامین جاءَ الامین نکل جاتا تھا۔ واقعی کائنات کے شاہنشاہ نے خلعت رسالت عطا کرنے سے پیشتر آپ کو آپ ہی کے قوم کے ہاتھوں سے ایسا تمغہ پہنایا تھا کہ دوسری قومیں اگر ذرا بھی انصاف کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ سکتی ہیں کہ ایسا بزرگ کہاں تک صادق ہوسکتا ہے۔ جو لوگ آپ کے پورے پورے حالات سے واقف تھے۔ جن کے سامنے آپکا نشو و نما ہوا وہ سب آپ کی خوبیوں کے شیفتہ تھے پھر جنھوں نے آپ کو نہیں دیکھا اور باتیں بنانے لگے ان کا فیصلہ اہل انصاف ہی کرینگے۔ آپ کی پاک زندگی کے حالات اظہر من الشمس ہیں۔ دنیا میں کسی قوم کی ہادی کے حالات اس طرح پورے پورے معلوم نہیں ہیں جس طرح اس

خطاب "الامین"

بجز آنحضرت کے کسی نبی کے حالات تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتے

خاتم الانبیاکے۔ ہنود کے مہاتما اور اوتار زمانے کا جامہ پہنے ہیں۔ پارسیوں کے وخشور و صند ملے نظر آتے ہیں۔ انبیاے بنی اسرائیل تحریف کے قتیل ہیں مگر اس نبی امی کی سیرت **مصرع**

آفتاب آمد دلیل آفتاب

کی مصداق ہے۔ آپکے حالات ایسی کتاب میں درج ہیں جو قیامت تک زمانے کی دست بُرد سے محفوظ رہیگی۔ جس کا خدا خود حافظ ہے۔ سینہ مسلم اس کا مصفا صندوق ہے۔ قلب مومن کی طاہر لوح پر اسکی پاکیزہ عبارت نور کی تحریر سے مرقوم ہے۔ واقعی عالم الغیب نے اس کتاب کی ایسی حفاظت کی کہ صدیاں گذر گئیں اور گذر جائینگی۔ ہزاروں انقلاب ہوئے اور ہوتے رہینگے۔ لاکھوں دشمنوں نے اس کے مٹانے کی کوشش کی اور کرتے رہیں گے مگر یہ آسمانی صحیفہ جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ جبتک دماغ کی مشین چلتی ہے حافظہ کا ٹائپ جما ہوا ہے اور مردم چشم اپنا کام کرتے ہیں تب تک اس کی اشاعت ناممکن ~~خدا~~ برابر جاری رہیگی۔ اور ناظرین محو رہیں گے اصلی اعجاز اسی کو کہتے ہیں۔ اگلے زمانے میں اگر مردے زندہ ہو گئے۔ آفتاب چلتے چلتے رُک گیا۔ زہرہ آسمان پر پہونچکر تارا بنگئی اور ایسے ہی عجیب و غریب کرشمے دور از کار تماشے ہوتے رہے ہوا کریں اب تو کچھ بھی نہیں اور ہمارے کس کام کے۔ ہمارے پاس کلام الٰہی وہ زندہ معجزہ ہے جس کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ اسی کے جان بخش الفاظ سے مردہ دل زندہ ہوئے اور زندہ ہوتے رہیں گے۔ اس کے حقائق اور اس کے معارف کے انوار نے زمین کو روشن کر کے آسمان بنا دیا اور عالم بالا کی سیر دکھا کر حجابات اٹھا دیے اور انسان کو ایک ستارہ بنا دینا کیا معنی عرفان الٰہی کے آسمان کا آفتاب بنا دیا اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم واجعلہ لی اماما و نورا و برھانا۔

کلام مجید زندہ معجزہ

غارِ حرا

زمانہ حال کے مادہ پرست حکما کسی بات کو جبتک مشاہدہ سے ثابت نہو نہیں مانتے بیشک یہ طریق استدلال مفید ہے۔ زمین کے غبار آلود جھونپڑے میں رہکر ہم اسی کی دار دے بیہوشی

سونگھکر آسمان کے جگمگاتے ہوئے محل کا خواب دیکھ سکتے ہیں اسی کی خوردبین کے ذریعے سے عالم اجسام
کا نظارہ کرسکتے ہیں۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ انسانی دماغ میں روز بروز قوت آتی جاتی ہے پہلے اگر یہ ٹمٹماتا
ہوا بجھتا چراغ تھا اب رات کو دن کرنے والی برقی روشنی ہے اور ابھی کیا معلوم کہ آسمان میں چمکتی
لگانے والی سائنس کے آتشی شیشے اس دماغ دار دماغ کی پاپوش میں آفتاب کی کرن لگادیں۔ بیشک
طبیعیات کی عقیلہ خاتون برق و باد کے گھوڑے پر سوار خوب ہی طرارے بھرتی ہے اور بال کی کھال
نکالنا بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتی ہے۔ اس کی طبیعت داری جدت پسندی، سلیقہ شعاری اور دانشمندی نے
ویرانۂ دنیا میں سونے کے محل کھڑے کردیے صحرائے جہاں کو باغ ارم بنادیا اور سارے عالم کو ایسا
سج دیا ہے کہ اب یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا۔ وطن کی یاد بھلادی ہے اور بالکل محو کرلیا ہے۔ بس
اب اسی کے حسن روز افزوں کے شیدائی ہیں۔ اسی کی مستانہ اداؤں کے دیوانے ہیں اور اسی کی ہر
آن پر مرتے ہیں مگر آہ ؎

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ ‌‌ ‌ اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

ہماری محویت بڑھتی جاتی ہے روز بروز محسوسات کے پھندے میں پھنستے جاتے ہیں عالم مادی سے امتزاج
ہوجاتا ہے اور اسقدر غلو ہوگیا کہ سمجھتے ہیں کہ جس مسئلے کی سائنس تصدیق نکرے باطل ہے حالانکہ سائنس
کے مسائل خود ہی مابہ البحث ہیں اور تحقیق کے محتاج۔ اس کا دائرہ محدود ہے اور حسیات سے باہر نہیں
ہوسکتا مشاہدہ اور تجربہ اس کا پرکار ہے جس سے دائرے کی وسعت معلوم ہوسکتی ہے عالم مادی اس کا
موہوم نقطہ ہے جس کی حرکت سے ہزاروں خطوط کھنچکر عجیب و غریب شکلیں بن گئی ہیں اس کے پھندے میں
اس میں غلطاں پیچاں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے یہی ہے مگر "ایاز قدر خویش بشناس" روحانیت
کا مقام محمود اس کی سرحد سے کوسوں دور ہے۔ عالم اجسام کی نہایت عالم ارواح کی بدایت ہے۔
دونوں کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں مگر نظام جداگانہ ادھر حواس کا سفلی کارخانہ ہے ادھر قلب سلیم
کا علوی انتظام ہے۔ یہاں موالید ثلاثہ پر بحث ہے اشیا کی حقیقت دریافت ہوتی ہے۔ عناصر اور ذرات
کی تقسیم اور تجزی ہورہی ہے۔ گرمی، روشنی، حرکت، اور طاقت کے مشکل اور پیچیدہ مسائل حل ہوتے ہیں

سائنس کے مسائل خود ہی مابہ النزاع ہیں

عالم اجسام کی نہایت عالم ارواح کی بدایت ہے

ہیں حیرت انگیز ایجاد اور اختراع کے انجن چل رہے ہیں۔ عقل کی دوربین عجائبات کا عالم دکھا رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے تارے توڑ لائینگے۔ مگر ہاں سب زانو پر سر رکھے سوچ رہے ہیں ہم کیا ہیں۔ کہاں سے آئے۔ کیوں آئے۔ کہاں جائینگے۔ حیرت سے حواس باختہ۔ غور و فکر سے چور چور۔ دہشت سے عرق عرق۔ منہ پر ہوائیاں اُڑتی ہیں۔ آنکھیں بند۔ زبان خشک لیکن افسوس ہزاروں طلبگار اس بحر مواج میں جس کا ایک کنارہ ازل دوسرا ابد ہے ڈوب گئے اور حقیقت کا پتہ نہ چلا مگر پھر بھی جس ذوق شوق سے ان مردانِ خدا نے جان دی ہے جس پاکبازی سے اُنھوں نے بسر کی ہے جیسا کہ ذکر خیر ان کا باقی رہا اس بات پر شاہد ہے کہ اُنھوں نے زندگی کا فرض ادا کیا۔ سچی خوشی اُنھیں کو حاصل ہوئی اور ان کا انجام بخیر ہوا۔ بیشک عاقبت متقیوں کے واسطے ہے۔ حسن مآل اُنہیں کو حاصل ہے۔

مدعیان سائنس نے کہاں تک حقیقت حال دریافت کی

زندگی کا سربستہ راز انسانی بساط کے موافق اُنھیں کے دیدہ دل کے سامنے کھل گیا ہے اور عالم شہود میں رہ کر عالم غیب کا یقین اُنھیں کو حاصل ہے۔ ظاہر بیں اگرچہ عالم غیب کو محض وہم و خیال کا جولانگاہ سمجھتے ہیں۔ طبیعی اگرچہ مابعد الطبیعات کو بچوں کی کہانیاں جانتے ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ خود ان مدعیوں نے کہاں تک حقیقت حال دریافت کر لی ہے۔ مادہ اُمی کے اجزائے بسیطہ کا مشاہدہ کس خوردبین سے ہوا ہے ان کے اجزا کی جن کے اجتماع سے تنوعات کا ظہور ہوا کیا اصلیت ہے ذرات بسیط کی ازلی حرکات کا کس طرح احساس ہوا۔ قانون قدرت کس کونسل میں وضع کیے گئے۔ اُس کونسل کی کیا حقیقت ہے اور خود یہ قوانین کیونکر جاری ہیں۔ نیچر کی پیدائش نشو و نما اور ترتیب کیونکر ہوئی۔ کشش اجسام کی اصلیت کیا ہے۔ غرضکہ ایک نہیں سیکڑوں ایسے اسرار ہیں جنکو فلسفہ اور طبیعات کے ماہر نفس الامر میں نہ سمجھ سکے اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حقیقت اشیا کا علم تو درکنار اب تک یہ بھی معلوم نہوا کہ دماغ انسانی کی کیا کیفیت ہے۔ اشیا کا ادراک بذریعہ حواس کیونکر ہوتا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ وجود خارجی ہے یا ذہنی۔ حیات اور عقل کی اصلیت کیا ہے ایسے بہت سے لاینحل مسائل ہیں جن سے طبیعات کی کتابیں بھری ہیں۔ جن کے جتنے جوابات دئیے گئے تخمینی اور قیاسی ہیں۔ کیوں نہیں ؎

بود اے عالم خود بیں کہ ز چشم من و تو — راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود۔

اسرار قدرت کا غیبی لفافہ سربمہر رہیگا

اگر حکمائے اولین اور آخرین سب یکجا ہوں۔ تھیلس دمقراطیس سے لیکر ل: ڈارون، ہکسلی، اسپنسر تک اور جسقدر ان کے بعد مشہور طبیعی پیدا ہونگے سب مجتمع ہو کر قدرت کے پوشیدہ راز اور اشیا کی حقیقت کماحقہ دریافت کرلیں ممکن نہیں۔ نیوٹن نے کمال انصاف پسندی سے کیا خوب کہا ہی کہ "باین جد و جہد اور ترقی مجھے قوانین قدرت کی ابجد خوانی بھی ابھی نہیں آئی اور میں مثل اُس بچے کے ہوں جو سمندر کے کنارے پر پڑا ہوا گیلی ریت میں ہاتھ پیر پیٹتا ہی"۔ واقعی قوانین قدرت کی پوری ماہیت اس زندگی میں دریافت ہوتی نظر نہیں آتی۔ سائنس نے اسباب اور علل اور فعل اور انفعال کی تحقیق میں بہت کچھ قابل قدر کوشش کی اور کرتی رہیگی مگر اسرار قدرت کا غیبی لفافہ سربمہر رہیگا۔ اس کی مہر اسی دن ٹوٹے گی جب ہمارا نقش برآب خاکی کرہ گردش کرتے کرتے کسی دمدار ستارے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگا۔ اور سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا۔ ہمارا خاکی وجود جس کے اجزا مادی معلوم نہیں ہو سکتی کسی اور رنگ میں جلوہ گر ہوگا۔ حواس خمسہ میں اور حواس اضافہ ہو جائیں گے دماغ کی اور ہی ترکیب ہوگی اور وہ عالم ہی نرالا ہوگا اُسوقت "ترقی یافتہ بندر" کو مشہور مثل کے خلاف ادراک کی لذتیں مزہ چکھائیں گی اور معلوم ہو جائیگا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے کیا معنی تھے اور جو لوگ غیب پر ایمان لائے ان کی کیا حالت ہی۔

عالم غیب اور ملکوت عالم

ایمان بالغیب کے یہ معنی نہیں کہ عالم غیب کے متعلق سب نقلی روایتیں بیچون وچرا مان لی جائیں اور عقل کو دخل بھی نہو اور تحقیق کا دروازہ مسدود ہو جائے بلکہ یہ معنی ہیں کہ فطرت کے سربستہ راز اور اس کی پوشیدہ قوتیں یعنی ملکوت کا عالم تسلیم کیا جائے اور عالم الغیب کے درس گاہ قدرت میں زانوے ادب تہ کیا جائے قوانین قدرت پر شوق سے بحث ہو۔ اسباب و انفعال کی تحقیق کی جائے۔ عالم مادی میں حیرت انگیز ایجاد اور اختراع ہوں۔ معلومات کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا جائے یہ سب کچھ ہو مگر ساتھ ہی زبان اور دل سے سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا[۲] کی تصدیق ہوتی رہے۔

---

[۱] انگلستان کی انیسویں صدی کے مشہور سائنس دان ڈارون کا قول ہی کہ انسان پیشتر بندر تھا مسئلہ ارتقا کے موافق رفتہ رفتہ موجودہ صورت حاصل کی ۔

[۲] پاک ہی تو نہیں ہی علم ہمیں مگر جو سکھایا تو نے (پارہ الم سورۂ بقر

انسان کے معلومات جس وقت وسیع ہوجاتے ہیں، دماغی قوتیں اپنا زور دکھانے لگتی ہیں اور علوم و فنون میں مہارت ہو جاتی ہے اُس وقت عموماً نشۂ کمال بیخود کر دیتا ہے اور اُس فوق بیخودی میں اپنی ہستی بھول جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس کے ماہر جونکہ اپنے فضل و کمال کے باعث خود کو انسانی ترقی کے شہ نشین پر پاتے ہیں زیادہ تر خضوع اور خشوع سے بے بہرہ ہوجاتے ہیں حالانکہ ان سے بڑھکر ہستی موہوم اور عجائبات قدرت کا سمجھنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ وہ علم الافلاک کا دل پر عظمت اور جبروت کا نقش بٹھا دینا وہ علم معدنیات، نباتات اور حیوانات کا کمال قدرت اور حکمت کی تصویر کھینچ دینا اور جلال و جمال کے مظاہر آنکھوں سے دکھا دینا ایسے معارف ہیں جن کا جاننے والا بیساختہ کہہ اُٹھیگا ع

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگارہا

یہ اندھیری راتوں میں چمکتے ہوئے بیشمار چھوٹے چھوٹے تارے جو دیکھنے میں ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کسی محفل میں کروڑوں چراغ روشن کر دیئے گئے ہیں یا کسی شوخ طناز نے چنبیلی اور بیلے کے پھول بکھیر دیئے ہیں۔ یہ گھٹنے بڑھنے والا داغدار چاند جو کبھی مہوشوں کے ابروے خمدار کی طرح اور کبھی اُن کی زلف عنبریں کے واسطے شانہ کی طرح اور کبھی حسن خودبیں کے لیے صاف شفاف گول آئینہ کی طرح نمایاں ہوتا ہے۔ یہ عالم کو روشن کر دینے والا آفتاب جس کا رعب حسن اس بلا کا ہے کہ مجال نہیں کوئی بیباکانہ آنکھ ملا سکے غرضکہ یہ تمام فلکی اجرام سائنس سے ناواقف کی نگاہ میں یا دیو دیوتا ہیں یا چھوٹی بڑی چمکتی ہوئی چیزیں ہیں حالانکہ ماہر طبعیات کے نزدیک نورانی اجرام حیرت انگیز عظیم الشان کرے ہیں کہ عقل حیران ہے۔ یہ آفتاب جو ہمیں سنہری گیند کی طرح نظر آتا ہے اس کا جرم ہماری وسیع زمین کے جرم سے بارہ لاکھ اسٹھ ہزار سات سو گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر آٹھ لاکھ بانوے ہزار پانچ سو اسی میل اور محیط چھبیس لاکھ اکہتر ہزار پانچسو میل ہے۔ تھوڑی دیر کے واسطے آنکھ بند کر کے اگر کوئی شخص خیال کرے کہ یہ فاصلہ کسقدر ہوا تو معلوم ہو جائے کہ سریع السیر خیال بھی ان اعداد کے اندازے سے قاصر ہے اب اگر حرارت آفتاب کی طرف خیال کیا

جائے تو جب زمین پر گرمیوں میں دوپہر کے وقت دھوپ نہیں سہی جاتی اور صحرائے افریقہ میں
تو وہ شدت ہے کہ الامان گویا آتشیں سمندر لہریں لے رہا ہے جب زمین سے نو کروڑ میل دور رہنے
پر یہ حال ہے تو خود جرم آفتاب کی کیا حالت ہوگی جو حرارت زمین تک پہنچتی ہے وہ دو ارب اڑتیس
کروڑ دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اگر کل حرارت آفتاب جمع کی جائے تو وہ اتنی
مقدار برف کے پگھلانے کے لیے کافی ہو سکتی ہے جس سے تمام روئے زمین چھپ جائے
اور اُس برف کی موٹائی گیارہ میل کی ہو۔ عیاذاً باللہ یہ کس کا جگر ہے کہ اس حرارت کا
اندازہ کر سکے۔ جب ہزاروں اجرام سماوی میں سے ایک جرم کی یہ کیفیت ہے پھر اس مع لنا
عالم نار کی جس کی صفت تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۱ ہے کیا حالت ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِي
مِنَ النَّارِ ط۔

ثوابت اور سیاروں کے بھی اسی طرح حیرت انگیز حالات ہیں۔ دیکھنے میں تو بہت ہی چھوٹے
چھوٹے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ہماری زمین سے بہت بڑے ہیں۔ ان میں سے بعض
ہم سے قریب ہیں اور بعض لاکھوں میل کے فاصلے پر۔ بعض کا دن اور سال ہمارے دن
اور سال سے چھوٹا ہے اور بعض کا بہت بڑا حتیٰ کہ زحل کا ایک سال ہمارے یہاں کے
اُنتیس سال کے برابر اور یورینس کا چوراسی سال کے برابر نیپچون کا ایک سو چونسٹھ
اور چند کسور سال کے برابر۔ بعض سیارے بہت ہی جلد حرکت کرتے ہیں حتیٰ کہ مشتری کی
چال تیس ہزار میل فی گھنٹہ ہے پس جتنی دیر میں انسان ایک مرتبہ سانس لیتا ہے وہ نو میل چلا
جاتا ہے اور اس کی محوری گردش کے لحاظ سے اس کے اجزائے سطحیہ کی حرکت کی سرعت
چار سو سٹھ میل ہے۔ ان میں سے بعض کا نور سُرخ بعض کا زرد بعض کا سفید بعض کا اصلی
ہے جیسے آفتاب و ثوابت کا اور بعض کا اکتسابی جیسے چاند اور سیاروں کا۔ ان میں سے بعض
میں بالکل حرارت نہیں اور بعض میں کچھ انتہا نہیں۔ بعض ثوابت بطور خود اپنے عالم کے آفتاب

۱ جو پہنچ جاتی ہے دلوں پر (سورۂ ہمزہ پارہ ۳۰) ۱۲ منہ

ہیں اور شموس کہلاتے ہیں وہ اپنی جگہ پر ثابت نہیں جیسا کہ ان کے نام سے شبہہ ہوتا ہے بلکہ بات صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے چونکہ بہت ہی فاصلہ پر واقع ہیں اس لئے ہم کو ان کی حرکت کا پتہ صرف اُس وقت لگ سکتا ہے جبکہ صدیوں کی صدیاں گذر جائیں اس لئے ان کی دوری کی نسبت وہی باقی رہتی ہے جو پہلے تھی۔ ان میں سے بعض آفتاب سے دور ہیں اور یوماً فیوماً ان کی دوری بڑھتی جاتی ہے اور بعض اُن سے قریب ہیں اور اسی طرح نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ بعض کی حالت بدلتی رہتی ہے کبھی تو ان کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے بعض ان میں وقتی ہوتے ہیں یعنی وہ ایک مخصوص زمانے میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کا نور ہم تک برسوں کے بعد حتیٰ کہ سیکڑوں برس گذر جانے پر پہونچ سکتا ہے اور یہ تمام نورانی اجرام نہایت ہی انضباط اور استحکام کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں طرح طرح کی گردشوں اور حرکتوں کے ساتھ چل رہے ہیں جن سے اوقات اور فصلیں منضبط رہتی ہیں۔ پھر ان میں وہ ترتیب موجود ہے کہ عقل حیران ہے باوجود ان سب باتوں کے ان میں حیوانات نباتات اور معدنیات کے منافع بھی موجود ہیں جن کی پرورش ان کے انوار کی حرکت سے ہوتی ہے[1]"

سائنس داں زیادہ مستحق ہے کہ آثار قدرت دیکھکر سربسجدہ ہوجائے

غرضکہ سائنس جاننے والا زیادہ مستحق ہے کہ ان آثار عظمت وجلال اور قدرت وکمال کو جو کائنات میں عیاں ہیں دیکھکر سربسجدہ ہوجائے۔ مذہب کے حامی اگر سائنس کو اپنا مخالف سمجھیں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس مذہب کی بنیاد مستحکم نہیں اور اسی طرح اگر سائنس کے پیرو سچے مذہب کو مخالف سمجھیں تو یقین کرنا چاہیے کہ انھوں نے سچا سائنس نہیں سیکھا۔ انگلستان کا مشہور سائنس داں ہکسلی اپنے لکچروں کے سلسلے کے اختتام پر کیا خوب کہتا ہے۔ "سچا سائنس اور سچا مذہب توام بھائی ہیں۔ ان کی باہمی جدائی یقیناً دونوں کی موت ہے۔ سائنس میں جس قدر مذہبی روح ہوگی ٹھیک اسی نسبت سے وہ ترقی کریگا اور جہاں تک سائنس کی گہرائی اور مضبوطی پر مذہب کی بنیاد قائم ہوگی ٹھیک اسی مناسبت سے مذہب سرسبز ہوگا۔"

ہکسلی کہتا ہے "سچا سائنس اور سچا مذہب توام بھائی ہیں"

[1] ماخوذ از "سائنس و اسلام" صفحہ ۱۲۴ و ۱۲۵۔ ۱۲

زمانۂ حال کا مشہور حکیم ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب "ایجوکیشن" میں لکھتا ہے "اس میں شک نہیں کہ بہت سا سائنس جو رائج ہے اس میں لامذہبی کی روح غالب ہے مگر نہ اُس سچے سائنس میں جو سطح سے گذر کر تہ تک پہونچ گیا ہے" بیشک انصاف اسی کا نام ہے۔ مگر افسوس ناسمجھی نے تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ حالانکہ سچا مذہب مجموعۂ اوہام نہیں اور اسی طرح سچا سائنس مایۂ الحاد نہیں ہے۔ اگر عدل کی ترازو قائم کی جاوے۔ ایک پلہ میں فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا[۵۱] کو رکھیں اور دوسرے پلے میں اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ[۵۲] کو تو سرِ مو فرق نہوگا۔ کیوں نہیں "سچا مذہب اور سچا سائنس توام ہیں" ان کو تو آسمان حقیقت کا بوز اکہنا چاہیے۔ ان کے دیکھنے کے واسطے اُس نورِ الٰہی کا فیض حاصل کرنا چاہیے جس نے عرب کے تیرہ و تار ملک میں ظاہر ہوکر رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[۵۳] کی بےنظیر تعلیم دی اور فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى کے شرف فائز ہوکر بندگانِ خدا کو حقیقت کا پتہ بتا دیا ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

ہربرٹ اسپنسر کی رائے سائنس اور مذہب کے متعلق

سچا سائنس اسلام کی تصدیق کرتا ہے

آنحضرت کا طرزِ معاشرت سابق کے مضمون "الامین" میں بیان ہوچکا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رفاہِ عام کے کاموں میں اور یگانے اور بیگانے کے ساتھ ہمدردی کرنے میں کس قدر سرگرم تھے اور سیاسی امور میں دماغ کیسا عالی پایا تھا۔ ان تمام خوبیوں کے باعث آپ ہر دل عزیز ہوتے جاتے تھے۔ قوم آپ کی شیفتہ تھی اور ہر کس و ناکس آپ کا ثنا خواں تھا مگر جس قدر آپ کا سن شریف بڑھتا جاتا تھا اُسی قدر ہمت بلند ہوتی جاتی تھی خلق اللہ کی بہبودی جو ہر وقت آپ کے مدنظر تھی اس کا معیار اعلیٰ ہوتا جاتا تھا اور آپ اب زیادہ تر اس فکر میں رہتے تھے کہ کس طریقہ پر یہ معیار حاصل ہو

آنحضرت قوم کی خراب حالت دیکھکر غور فرماتے ہیں

---

۵۱ لازم پکڑ و خلقت اللہ کی ایسی کہ پیدا کیا آدمیوں کو اُس پر (سورۂ روم پارہ ۲۱) ۱۲

۵۲ بیشک دین اللہ کے پاس اسلام ہے ۱۲

۵۳ اے ہمارے پروردگار تونے یہ سب بیکار ہی نہیں پیدا کیا (آل عمران پارہ ۴) ۱۲

آپ ملاحظہ فرماتے تھے کہ قوم کی حالت کیسی ابتر ہے۔ اس کے اوضاع و اطوار کیسے خراب ہیں نہ کوئی اصول ہے نہ قاعدہ۔ حرکات ناشائستہ، طرز معاشرت ناپسندیدہ یہ تمام خرابیاں اور برائیاں آخر کیوں ہیں بس اسی سبب سے کہ ان کے قلوب بگڑ گئے ہیں اگر یہ علاج ہو گیا تو زندۂ جاوید ہو جائینگے ورنہ عمر بھر زندہ درگور رہیں گے۔ سچ ہے جسمانی امراض اس قدر مہلک نہیں جس قدر مرض دل جسمانی امراض میں مبتلا ہو کر اگر کوئی مر بھی جائے گویا زندہ ہو گیا کیونکہ موت کے ساتھ جسمانی آزار کا بھی خاتمہ ہے مگر مریض دل کی جب آنکھیں پتھرا گئیں اور نبضیں چھوٹ گئیں درد لادوا ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے روگ لگ گیا۔ افسوس لوگوں نے اپنے قلب کی طرف توجہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ نہ کبھی گریبان میں سر ڈالتے ہیں نہ تھوڑی دیر کے واسطے آنکھ بند کر کے اپنے نفس کا حساب لیتے ہیں۔ ایک گروہ نے ان باتوں کو بیکار سمجھا ہے۔ ان کی دانست میں انسان کو بس اس قسم کا چلتا پرزہ ہونا چاہیے کہ کبھی پبلک جلسوں میں شریک ہو کر اسپیچ کی ڈاک گاڑی چھوڑ دے۔ کبھی اخباری دنیا میں مضمون کے موٹر کار پر دوڑ جائے۔ کبھی چندے کی گھوڑ دوڑ میں پانچواں سوار بنجاوے اور زندہ دلی کے معنی صرف "فیشن ایبل" بنجانا سمجھ لے۔ دوسرا گروہ برعکس اس کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا ہے نہ رفاہ عام کے کاموں میں شرکت نہ خلق اللہ کی بہبودی سے غرض، امور حسنہ میں فقط ظاہری پابندی کا لحاظ۔ کہیں صرف حال و قال کہیں محض رونا پیٹنا غرضکہ افراط و تفریط نے دونوں گروہ کو محاسبۂ نفس سے غافل کر دیا ہے۔ پہلا گروہ زیادہ تر نام پر مرتا ہے فخر اور مباہات کا شیدائی اور شہرت کا دیوانہ ہے۔ دوسرا گروہ "بدنام کنندۂ نکو نامے چند" ہے آہ اخلاص کی گھاٹی سخت دشوار گذار ہے۔ ایک طرف خود پسندی کا بھیڑیا خون کا پیاسا اور دوسری طرف ریا کا ڈاکو لوٹنے پر آمادہ۔ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے انسان کو چاہیے کہ محاسبے اور مراقبے کی دونالی بندوق بھر کر حَسْبِیَ اللّٰه کہتا ہوا مردانہ قدم رکھے اور اُس ہادی برحق کے نقش قدم پر بیدھڑک چلا جائے جس کی شان میں ارشاد ہوتا ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (ہم نے تجھ کو بھٹکتا ہوا پایا پس راہ پر لائے) یہ مضمون بھی عجیب ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان دلکش الفاظ سے حبیب اور محبوب کے راز و نیاز کا اظہار کیا گیا

ہے۔ اللہ اللہ کسی کی شوریدگی دیکھی نہیں جاتی حسن ازل اپنا جلوہ جمال دکھا کر محو کر لینے پر آمادہ ہے کیوں نہیں ؎

عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود
تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

بیشک یہ حسنِ حقیقی کی کشش تھی کہ وہ خدا کا حبیبؐ شباب ہی میں عالم مجاز کی دلفریبیوں سے کنارہ کرکے الگ ایک گوشہ میں بیٹھکر عالم حقیقت کی سیر کرنے کو متوجہ ہوتا تھا۔ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی تھی جس کو حرا کہتے ہیں۔ اس میں ایک تنگ و تاریک غار ہے جس میں آپ اکثر تشریف لیجا کر ذکر و فکر میں مشغول ہوتے تھے۔ کبھی اہل و عیال کو اپنے ساتھ لاکر عالم تجرید کی سیر دکھاتے تھے اور دنیا میں رہکر دنیا سے الگ اپنے معبود کی یاد میں مشغول ہوتے تھے اور کبھی تنہا کئی کئی دن تک توشہ ساتھ لیکر مراقبہ کرتے تھے۔ غرضکہ جس قدر آپ کا سن شریف بڑھتا تھا اُسی قدر ذکر کا غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ روحانیت زور کرتی تھی اور ہر طرف نور ہی نور نظر آتا تھا۔ ملکوت کا عالم آپؐ کے روشن دیدۂ دل کے سامنے جلوہ گر ہونے لگا اور سوتے جاگتے عالم ارواح سے قرب ہونے لگا۔ حجابات اُٹھنے لگے اور شاہد ازل روزن دل سے اپنی تجلی جمال کی جھلک دکھانے لگا۔ آپ بیخود ہو کر کمال ذوق شوق سے فرش خاک پر سجدے میں گر پڑتے تھے۔ حسن لازوال کے رعب سے جسم مطہر تھراتا تھا۔ قلب صافی پہلو چیر کر نکل جانا چاہتا تھا۔ زمین آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی اور ایسی حالت طاری ہوتی تھی جس کا اظہار صرف زبانِ دل کرسکتی ہے اور دل بھی کون درد آشنا۔ اسی طرح چھ ماہ گذر گئے اور آپ کا سن شریف پورے چالیس برس کا ہو گیا۔ ربیع الاوّل کی آٹھویں تاریخ تھی دو شنبہ کو رات کے وقت جبکہ ہر طرف سناٹا چھایا تھا صاف شفاف نیلگوں آسمان پر تارے نہایت چمک دمک کے ساتھ چھٹکے ہوئے تھے اور زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ دیکھنے میں ہم منتشر ہیں مگر حقیقت میں ہماری ترتیب باقاعدہ حرکت اور حیرت افزا انتظام کا کچھ اور ہی عالم ہے بس اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ہم جبین قدرت کی افشاں ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ تمام عالم غفلت کی نیند میں چور تھا آپ تنہا غارِ حرا

غارِ حرا میں خلوت گزینی

نزولِ وحی

میں تشریف فرما تھے اور ہمہ تن ذکر الٰہی میں مشغول تھے جس کی روشنی سے آپ کا ظاہر اور باطن نور
علیٰ نور ہو رہا تھا اگر قلب منور شمع کی طرح روشن تھا تو جسم مطہر فانوس کی طرح مجلا تھا۔ حجابات اٹھ گئے
عالم قدس سامنے ہو گیا اور نور باطن نے چشم ظاہر کو ایسا نظارہ دکھایا جس کے بیان کے واسطے
انسانی الفاظ کافی نہیں جب دنیا ہی میں ہزاروں ایسی چیزیں ہیں جن کی کیفیت الفاظ سے ادا
نہیں ہو سکتی مثلاً اگر ہم آگ کی صفت بیان کرنا چاہیں تو اگرچہ دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالیں اور سیکڑوں
جگہ "آتش آتش" لکھ ڈالیں مگر پھر بھی کیا اس کی ایک ذراسی چنگاری کی صفت بیان ہو گی ہرگز نہیں
تمام سیاہ کیا ہوا دفتر اس کی ایک چنگاری رکھ دینے سے آناً فاناً خاک سیاہ ہو جائے گا۔ جب دنیادی
اشیا کے بارہ میں ہم اس قدر گویائی کے ساتھ بھی گونگے ہیں تو پھر عالم بالا کا حال بیان کرنا معلوم۔
بیشک ملکوت کا عالم قدرت کاملہ کا پوشیدہ راز ہے اس کا اثر ہوا کی طرح ظاہر مگر صورت آنکھوں سے
غائب یا یوں سمجھ کہ ماہیت مادہ کے اظہار سے عاجز ہے تو ان پوشیدہ جوہروں کی کیفیت کیا بیان
کر سکتا ہے حقیقت میں یہ عالم غیب کا راز ہے جو بلحاظ اپنی ماہیت کے قیامت تک سربستہ رہیگا۔

غرضکہ آپ اُس نورانی نظارہ کے مشاہدہ میں محو تھے کہ یکلخت ایک بے آواز صدا آئی اور آپ
کے سامع باطن نے گوش ظاہر کو صاف سنا دیا کہ اِقْرَأْ آپ چونک پڑے کہ یہ کیا معاملہ ہے
ایک بار عظیم محسوس ہے کہ ناگاہ پھر یہی سنا اور اس مرتبہ جنبش سلب تھی روحانیت جسمانیت پر غالب آئی
من و تو کی گنجائش نہ رہی اور اس عالم وحدت میں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ
الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ کے پاک الفاظ سنائی دیئے اور آپ کے لوح دل پر نقش ہو گئے
صندوق سینہ کھل گیا اور علم لدنی سے معمور ہو گیا۔ یہ پہلی وحی آسمانی تھی جو اُس نبی امی پر نازل ہوئی

(حقیقت وحی حکماء اور علماء کی رائیں)

وحی کے متعلق کتاب مقاصد المراصد کی ایک تمہید پہلے سمجھ لینا چاہیئے جس کو مولانا شبلی نے
اپنی تاریخ علم الکلام حصہ دوم صفحہ (۲۱۳) میں درج کیا ہے
"جاننا چاہیئے کہ انسان میں ایک قوت ہے جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں۔

اس قوت کا نام حس مشترک ہے اس میں محسوسات کی صورت دو طریقے سے منقش ہوتی ہے۔
ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ محسوسات کی صورتیں لیکر حس مشترک کے پاس پہونچا دیتی ہیں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے اس کا کام یہ ہے کہ صورتوں کو ترتیب دیتی ہے اسی قوت کا کام ہے کہ ایک آدمی کے بدن پر دو سر فرض کرتی ہے یہاں تک کہ ایک ایسے انسان کی صورت بن جاتی ہے جس کے دو سر ہیں اور اسی کا کام ہے کہ انسان کے سر کو جدا کر دیتی ہے یہاں تک کہ ایک انسان متشکل ہو جاتا ہے جس کے سر نہیں۔ یہ قوت جب صورتوں کو ترتیب دیکر حس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہے تو وہ صورت نظر آنے لگتی ہے جس طرح کہ خارجی صورتیں نظر آتی ہیں کیونکہ خارجی صورتوں کے نظر آنے کی یہ وجہ نہیں کہ وہ خارج میں موجود ہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ حس مشترک میں منقش ہیں۔ تو یہ صورتیں جن کو قوت متخیلہ نے ترتیب دیا ہے جب حس مشترک کے سامنے آتی ہیں تو نظر آنے لگتی ہیں اور جب یہ ثابت ہوا تو ہم کہتے ہیں (یعنی اب اصل مقصد کو ثابت کرتے ہیں) کہ خواب میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ دو حالت سے خالی نہیں۔ یا خارج میں موجود ہیں یا نہیں۔ پہلا احتمال باطل ہے کیونکہ خارج میں موجود ہوتیں تو ہر صحیح الحواس کو نظر آتیں اس لئے معلوم ہوا کہ خارج میں موجود نہیں بلکہ قوت متخیلہ کا فعل ہے۔ قوت متخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پر رہنے پائے تو یہ فعل ہمیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دو چیزیں مانع ہو جاتی ہیں۔
ایک یہ کہ حس مشترک ان صورتوں کے قبول کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے جو باہر سے آتی رہتی ہیں۔
دوسری یہ کہ نفس ناطقہ قوت متخیلہ کو دبالیتا ہے تو جب یہ دونوں مانع یا ایک زائل ہو جاتا ہے تو قوت متخیلہ سے وہ فعل سرزد ہونے لگتا ہے۔ پہلا مانع نیند کی حالت میں زائل ہو جاتا ہے کیونکہ نیند کی وجہ سے حواس معطل ہو جاتے ہیں تو حس مشترک خارجی صورتوں سے خالی ہو جاتا ہے دوسرا مانع بیماری کی حالت میں زائل ہو جاتا ہے کیونکہ بیماری کی حالت میں نفس مرض

کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس حالت میں قوت متخیلہ صورتوں کو ترکیب دینے لگتی ہے اور یہ صورتیں حس مشترک میں آکر مشاہدہ ہو جاتی ہیں"

اس تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ حکمائے اسلام وحی کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ باوجود اشتغال بدن کے مبادی قدسیہ سے متصل ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ قوت متخیلہ اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ حس مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اس کو غیب کی باتوں کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہے پھر قوت متخیلہ اس کی مشابہ ایک جزئی صورت پیدا کر لیتی ہے یہ صورت حس مشترک میں اُتر کر مشاہدہ اور محسوس ہو جاتی ہے اور بعضوں کو یہ پیش آتا ہے کہ وہ مسلسل کلام سنتے ہیں یا کوئی اچھی صورت دیکھتے ہیں جو ان سے مسلسل الفاظ کے ذریعے سے باتیں کرتی ہے یہ باتیں یا خود انھیں کے متعلق ہوتی ہیں یا ان کے تعلقات کے متعلق۔

امام غزالی نے "فیصل التفرقہ" میں منجملہ وجود کی پانچ قسموں کے ایک وجود حسّی قرار دیا ہے جو صرف صاحب حس کے ساتھ ہے۔ انبیا کو جو ملائکہ کی صورت نظر آتی ہے امام صاحب اسے وجود کے تحت میں داخل کرتے ہیں۔ مضمون بہ علی غیر اہلہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں " زبان حال بطور تمثیل کے مشاہدہ اور محسوس بنجاتی ہے اور یہ انبیا اور رسل کا خاصہ ہے جس طرح کہ خواب کی حالت میں زبان حال عام لوگوں کے لئے متمثل ہو جاتی ہے تو وہ لوگ آوازیں اور باتیں سنتے ہیں انبیا علیہم السلام ان چیزوں کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں اور یہ چیزیں ان سے بیداری کی حالت میں خطاب کرتی ہیں" علوم موجودہ اور فلسفہ حال کی رو سے امام غزالی کی رو "اس تمثل خیالی" پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ خواب کی حالت سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ خواب میں یہ حالت کیوں پیش آتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب میں حواس ظاہری معطل ہوتے ہیں اور روح یا نفس یا قوت متخیلہ تنہا کام کرتی ہے اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق اور محویت کی وجہ سے بیداری میں بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے

امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ان محسوسات کو ہم محسوسات عام نہیں کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ وہ اوروں کو بھی محسوس ہوں بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیا کے حواس کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس صورت میں ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملکات نبوت کا اندازہ مشکل ہے مگر انکار بھی نہیں ہو سکتا، یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدا کی گئیں۔ ذہن و ذکاوت فہم و فراست عقل اور ذہانت مختلف افراد انسانی میں کس قدر مختلف المراتب ہیں ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے ذہین تیسرا اُس سے بھی زیادہ ذہین بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہونچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں۔ جو لوگ شاعری میں قوت تقریر میں صناعی میں ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی کوشش کریں ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ انھیں قوی میں حقائق اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم ہے اور کسی میں زیادہ۔ کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہونچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر اُن کو حقائق اشیا کا ادراک ہوتا ہے۔ اُن کو کسی چیز کا بیرونی علم نہیں ہوتا لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیا کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے اور اسی کو علم الہام اور وحی کہتے ہیں " (معارج القدس امام غزالی)

" نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جب یہ بات بداہتہً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ لکھا پڑھا نہیں ہوتا اور باوجود اس کے اس درجہ کا فصیح و بلیغ شاعر یا خطیب یا صناع یا موجد ہوتا ہے کہ تمام زمانہ میں اس کا جواب نہیں ہوتا تو کیا یہ بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ ان پر بغیر تعلم اور تعلیم کے اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہو جائیں کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اکثر انبیا مثلاً حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت عیسیٰ اور جناب رسالتمآب نے علوم

و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اس کے صرف ہدایت اور تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی اور فلسفۂ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کئے کہ افلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہاں تک نہ پہونچ سکتا تھا۔

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتوں کو سچ سمجھنا خود انسان کی فطرت صحیح کا اقتضا ہے۔ ایک شخص جو حق کا تشنہ ہے جس کا وجدان صحیح ہے جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہے جس کے دل میں سچی بات آپ سے آپ اُتر جاتی ہے وہ جب کسی نبی سے تلقین اور ہدایت سنتا ہے تو بیہودہ کج بحثیوں میں نہیں پڑتا، بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہے کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے۔ مولانا روم نے اس کی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جاوے تو کیا وہ یہ بحث کریگا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ یہ پانی ہے یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لئے بلائے تو بچہ کو شک ہوگا کہ یہ میری ماں ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لئے بلا رہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں [۱]

تشنہ را چوں بگوئی تو شتاب	در قدح آب ست بستان زود آب
ہیچ گوید تشنہ کایں دعوی ست رو	از برم اے مدعی مہجور شو
یا گواہ و حجتے بنما کہ ایں	جنس آب ست و ازاں ماء معین
یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد	کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد
طفل گوید مادرا حجت بیار	تا کہ باشیرت بگیرم من قرار
در دل ہر امتی کز حق مزہ است	روئے و آواز پیمبر معجزہ است
چوں پیمبر از بروں بانگے زند	جان امت در درون سجدہ کند
زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں	از کسے نشنیدہ باشد گوش جاں

انگلستان کا مشہور جادو نگار طامس کارلائل اپنی کتاب "ہیرو اور ہیرو ورشپ" کے لکچر ثانی میں لکھتا ہے "جنھیں ہم روشن دماغ کہتے ہیں وہ حقیقت میں دنیا والوں کے واسطے خدا کا

[۱] ماخوذ از علم الکلام جلد دوم علامہ شبلی مرحوم۔

بے بہا انعام ہیں ان کی پاک روح فی الواقعہ آسمان سے پیغام الٰہی لئے ہوئے نازل ہوتی ہے بیشک ایسے برگزیدہ بندے خدا ہی کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں ان کے قلوب عرش الٰہی ہیں ان کی آواز حی القیوم کی صدائے بازگشت ہے کوئی بزرگ گویا روحانی ہارمونیم ہے اور کوئی برگزیدہ نورانی فونوگراف ہے جس کی شان یہ ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[1] ممکن نہ تھا کہ کوئی کلمہ ایسا نکلتا جس میں ذرا بھی شائبہ نفسانیت ہوتا۔ وہی کار لائل اپنی

کارلائل کی رائے آنحضرت کے متعلق

اُسی کتاب میں آنحضرت کے متعلق کہتا ہے "اُس سیاہ و روشن چشم۔ فراخ حوصلہ۔ کریم النفس معاشرت پسند اور دردبھرے دل والے بادیہ نشین کے خیالات جاہ طلبی سے کوسوں دور تھے۔ اسی شخص کی عظمت میں متانت کی شان نظر آتی تھی اور اُس کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کا شغل سچائی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور جو فطرتاً بے لوث اور سچے ہوتے ہیں دوسرے لوگ تحکمانہ مسائل اور سُنی سُنائی باتوں کو اپنا مسلک قرار دیکر دل کو تسلی دے لیتے ہیں لیکن اس شخص کی تسکین ان باتوں سے نہ ہو سکتی تھی وہ اپنی روح اور عالم شہود کے مظاہر واقعی کے ساتھ عرصہ کائنات میں اکیلا کھڑا ہوا تھا۔ حیات کا عظیم الشان عقدہ کبھی اس کو اپنی ڈراؤنی اور بھیانک صورت دکھاتا تھا اور کبھی اپنے انوار کی جھلک سے اس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتا تھا۔ انا الموجود کی ناقابل اظہار حقیقت کو مظنونات اور مسموعات اس کے ادراک سے مخفی نہ رکھ سکتے تھے۔ اس کی سچائی اور خلوص ایک طرح سے ربانی الاصل معلوم ہوتے تھے ایسی شخص کی بات اُس صدا سے تعبیر کی جاسکتی ہے جو براہ راست خود فطرت کے دل سے نکلی ہو اسی آواز کو انسان سنتا ہے اور لازم ہے کہ سُنے اس ایک آواز کے مقابلہ میں باقی تمام صدائیں بے معنی ہیں"

وحی کے متعلق اب زائد شرح مناسب نہیں اس عالم میں تقریر و تحریر کی گنجائش نہیں مولانا روم فرماتے ہیں ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

[1] اور نہیں بولتا خواہش سے (یعنی ہوائے نفس سے) نہیں یہ مگر وحی جو اتاری گئی (سورہ نجم پارہ ۲۷ ع ۱۴)

در دنیا بدحال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

الغرض آنحضرتؐ پر جب وحی نازل ہو چکی آپ غار حرا سے نبوت کا خلعت پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور گھر کی طرف رُخ کیا مگر مطہر جسم تھر تھرا رہا تھا اور مقدس دل ہاتھوں اچھل رہا تھا۔ ایک طرف سرکار احدیت کا رعب چھایا ہوا تھا جبروت کا نظارہ آنکھوں میں پھر رہا تھا اور دوسری طرف بزم قدس کی مستانہ کیفیت خلوت خاص میں ہمکلامی کی لذت سے دل چور چور اور آنکھیں مخمور تھیں طوطی ہند حضرت امیر خسرو دہلوی نے شاید اسی کیفیت کا سماں ذیل کے شعر میں باندھا ہے کہ دل کھینچے لیتا ہے۔ خوب ؎

تو شبینہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب

کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

آنحضرت گھر تشریف لاتے ہیں اور حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں

گھر پہونچتے پہونچتے آپ بے طاقت ہو گئے اور اوڑھ لپیٹ کر لیٹ رہے جب ذرا سکون ہوا اور روحانیت کا غلبہ کم ہوا آپ اٹھ بیٹھے اور گذشتہ کیفیت یاد کر کے انسانی کمزوری کا خیال گذرا کہ برق تجلی کہیں خرمن دل کو پھونک نہ دے اور مشت خاک کو سیلاب حقیقت بہا نہ لیجائے آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي یعنی تحقیق ڈرا میں اپنی جان پر۔ جس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے جنھیں آنحضرت کے فیض صحبت نے کامل کر دیا تھا عرض کیا کہ اے ابو القاسم آپ کی بلا ڈرے آپ تو سب سے بھلائی کرتے ہیں بیکسوں کے یاور ہیں غریبوں اور محتاجوں کو صدقہ دیتے ہیں یتیموں کی پرورش کرتے ہیں بیواؤں کی مدد کرتے ہیں عزیزوں کے ساتھ احسان کرتے ہیں اور کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ کیا ایسے نیک بندوں کی نیکیاں آڑے نہ آئینگی۔ آپ کی جان سے دور آپ کو اپنی جان کا کیوں خوف ہے۔ ہمارا رب سوائے بہتری کے آپکے ساتھ کچھ نہ کرے گا۔ اور کسی بلا میں نہ ڈالے گا۔ آنحضرتؐ نے یہ سنکر روح القدس کا مشاہدہ اور نزول وحی کا حال بیان فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ حیران ہوئیں کہ یہ کیا معاملہ ہے آخر وہاں سے اٹھکر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے یہاں تشریف لیگئیں اور یہ عجیب واقعہ بیان فرمایا۔ ورقہ نے جو توریت اور انجیل کا عالم

تھا اور بت پرستی چھوڑکر نصرانی ہوگیا تھا یہ سنکر کہنے لگا۔ "قدوس قدوس" جبریل کو اس بت پرستوں کے شہر میں کون یاد کرے وہ تو خدا کا امین اور پیغمبروں کا ہمنشین ہے ایسا مقرب فرشتہ اور پھر یہ مشرکین کی زمین مگر مجھے یقین ہے کہ تمہارے نیک نفس شوہر کبھی جھوٹ نہ بولیں گے آپ کی سچائی اور امانت مشہور ہے اور ساتھ ہی وہم پرست بھی نہیں بلکہ نہایت عاقل اور فرزانہ ہیں اچھا ان کو یہاں بُلا لانا میں خود دریافت کرونگا۔ حضرت خدیجہؓ واپس آئیں اور آنحضرتؐ کو ساتھ لیگئیں ورقہ نے آپ سے حال دریافت کیا آپنے واقعہ بیان فرمایا۔ ورقہ کو اب کچھ شک نہ رہا، حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کے حالات پڑھ چکا تھا روح الامین کے نزول کا یقین تھا سمجھا کہ رب الافواج نے اب عرب کی طرف رخ کیا اور اس صادق القول الامینؐ کو منتخب کرکے اپنا رسول بنایا۔
جس وقت اس تصور کی تصدیق ہوگئی قضیہ منفصل تھا بے اختیار کہہ اٹھا ابشر یا محمد ثم ابشر بشارت ہو آپ کو کہ یہ ناموس اکبر تھا خدا کا مقرب فرشتہ جبرئیل آپ پر نازل ہوا جس طرح حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ خدا نے آپ کو نبوت عطا فرمائی آپ ہدایت پر مامور ہونگے اور افسوس جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے لوگ آپ کو ستائیں گے۔ کاش میں نوجوان اور توانا ہوتا کاش میں زندہ رہتا کہ آپ کی حمایت کرتا اور آپکے سچے حواریوں میں شامل ہوتا۔
یہ کہکر ورقہ نے جوش میں آکر آپکے فرق مبارک کو چوم لیا۔ آنحضرتؐ اس شیدائے حق کی حالت سے متاثر ہوکے اس کے حق میں دعا فرمائی اور اس کی وفات کے بعد جب کبھی ورقہ کا ذکر آیا آپنے اس کے جنتی ہونے کی بشارت دی[لہ]۔ سبحان اللہ وہ لوگ کیسے خوش نصیب تھے جنہوں نے آپکے جمال باکمال کو چشم ظاہر اور دیدۂ باطن دونوں سے ملاحظہ فرمایا اور اُن لب جاں بخش سے ہدایت کے الفاظ

لہ ورقہ نے زمانۂ دعوت اسلام نہیں پایا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد رحلت کی۔ ورقہ کے یہ حالات ہم نے بخاری کی ایک حدیث سے جو باب بدء الوحی میں مذکور ہے نقل کئے ہیں لیکن محققین کو اس حدیث میں کلام ہے کیونکہ اس حدیث کا سلسلہ روایت حضرت عائشہؓ پر ختم ہوتا ہے اور آپ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں علاوہ اس کے حدیث میں "عنعنہ" واقع ہوا ہے اس طور سے کہ لیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ"

سُنکر زندۂ جاوید ہو گئے۔ اب یہ دولت کہاں نصیب۔ خیر اگر دولت دیدار نہ سہی وہ دلفریبیاں وہ بزم آرائیاں نہ سہی مگر سچے شیدائیوں کے کانوں میں اب بھی وہی صدا آتی ہے مگر کیونکر۔ سُننے کمال ادب کے ساتھ نہایت خضوع اور خشوع اور ذوق و شوق سے تلاوت کلام مجید کرنے سے بیشک اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا

منادیِ توحید

آسماں اور نورانی اجرام

جس کرۂ خاک پر ہم آباد ہیں اس کے متعلق عقلی اور نقلی دونوں دلیلوں سے ثابت ہے کہ انسان سے پیشتر یہاں اشیا کا وجود ضرور تھا۔ مادر گیتی نے جس وقت سے اس لعل بے بہا کو اپنی آغوش میں جیتا جاگتا پایا ہوگا پانی اور ہوا کی گھٹی ضرور طیار رکھی ہوگی ورنہ ایک دم اس بچے کا جینا محال تھا۔ ساتھ ہی اس کے بہت سے کھلونے بھی بنا رکھے ہونگے دریا پہاڑ درخت چرند پرند غرض کہ کثرت سے چٹے پٹے اور جھنجھنے طیار ہونگے خیر یہ تو مادر شفقہ کی فطری محبت ہے جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا تھا یہ ہمارا پیر فلک بھی جسے عشاق اور اُن کے مفت کے وکیل شعرا ہمیشہ اپنے خیال کے موافق اس کے جور وجفا سے تنگ آکر بُرا بھلا کہا کرتے ہیں اس وقت اتنا مہربان تو ضرور ہوگا کہ رات کو اس پیارے بچے کے سُلانے کے لئے چاند کی قندیل لٹکا دیتا ہوگا کہ اشاروں اشاروں میں اس سے باتیں کرتے کرتے سو جائے اور ساتھ ہی حفاظت کے خیال سے شب بھر ہزاروں چھوٹے چھوٹے چمکتے ہوئے نورانی چراغ جلاتا ہوگا کہ کوئی بلا پاس نہ پھٹکے۔ نور کے تڑکے اس لحاظ سے کہ کہیں اس معصوم کو سردی کا خلل نہ ہو جائے جلدی سے جاکر ایک مدور دہکتا ہوا آتشدان اُٹھا لاتا ہوگا جو دن بھر روشن رہکر طرح طرح کے نفع پہونچاتا ہوگا۔ غرضکہ ابتدا میں انسان ان قدرتی واقعات خاصکر آسمان اور اُس کے نورانی اجرام کو استعجاب سے دیکھتا ہوگا کبھی ڈرتا ہوگا کبھی خوش ہوتا ہوگا اور رفتہ رفتہ اس کے دل پر ان محسوسات کے سبب سے بیم و اُمید کی کیفیت پیدا ہوتی ہوگی جس قدر اس کا مشاہدہ

ترقی کرتا ہوگا اُسی قدر اس کیفیت میں پائداری ہوتی ہوگی یہاں تک کہ بعض اشیار کو اپنا خیرخواہ
اور مددگار اور بعض کو دشمن اور باعث آزار سمجھنے لگا ہوگا سلسلہ اسٹوری آف دی نیشنز (افسانۂ
اقوام) کی کتاب "کالڈیا" (احوال کلدانیاں) کے صفحہ ۱۴۹ میں مذہب کے ابتدائی جذبات کی خوب
تشریح کی ہے جس کا ترجمہ ذیل میں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

"مادۂ مذہب جسے دینداری کہتے ہیں انسان کی طینت میں داخل ہے اور گویائی کی قوت
کی طرح تمام حیوانات کے مقابلہ میں صرف انسان ہی کو عطا ہوا ہے۔ یہ امر یہاں تک مسلمہ ہے کہ موجودہ
سائنس بھی تسلیم کرنے لگا ہے کہ انسان انھیں دو قوتوں (دینداری اور گویائی) کی وجہ سے تمام
مخلوقات سے ممیز ہے۔ قدما نے موجودات کی تین قسمیں کی ہیں عالم جمادات، عالم نباتات اور عالم حیوانات
آخر الذکر قسم میں انسان بھی داخل ہے مگر اب اس سبب انسان کا عالم ہی جدا ہونا چاہیئے کہ اگرچہ
اس میں تمام قوائے حیوانی موجود ہیں مگر دو چیزیں ان کے علاوہ ہیں یعنی گویائی اور دینداری جس کے
معنی یہ ہیں کہ جزیات سے کلیات کا ادراک کرتا ہے اور پھر نتائج استخراج کرتا ہے یہی دونوں
صفتیں صرف انسان میں خاص طور سے پائی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے مشاہدہ کے رو سے انسان کے
قلب پر دو متضاد خیالوں یعنی قوت اور کمزوری کا لابدی اثر پیدا ہوا ہوگا۔ وہ بہت کچھ کرسکتا
ہے اگرچہ قد میں چھوٹا جسمانی طاقت کم نہ قدرتی لباس ہے نہ ہتھیار ہیں۔ تکلیف اور آب و ہوا
کی سختی کی مصیبت مثل اور اعلیٰ طبائع کے زیادہ محسوس کرتا ہے مگر بایں ہمہ وہ گرانڈیل اور طاقت
جانوروں کو قتل کرسکتا ہے اور رام بھی کرسکتا ہے اگرچہ اُن کو مذکورۂ بالا چیزوں میں اس پر فوقیت
ہے اور ان کی کثرت اور خونخواری سے اس کو ہر وقت اپنی جان کا کھٹکا لگا رہتا ہے جس کے
بچاؤ کے واسطے بیچارہ کونے کونے چھپتا پھرتا ہے۔ جانوروں پر قابو پاکر اب یہ زمین کو بھی مسخر کرتا
ہے اور دیگر مخلوقات کے مقابلے میں جو قدرتی پیداوار پر بسر کرتے ہیں یہ عمدہ غذا حاصل کرتا ہے اور
آگ ایسی ہولناک شے کو اپنا خادم بنالیتا ہے۔ اس طرح مہمات پر فتح پاکر اس کا دائرۂ حکومت
وسیع ہوتا جاتا ہے اور ایجاد و اختراع کے میدان میں قدم رکھتا ہے اور ہمچو من دیگرے نیست"

مذہب کے ابتدائی جذبات

پڑھکر خود ہی جھومتا ہے بیشک اس کا یہ ناز بیجا نہیں۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ساتھ ہی اس کے اس نے
دیکھا کہ مجھے ایسی چیزیں بھی گھیرے ہوئے ہیں جن کو نہیں سمجھ سکتا ہوں اور نہ قابو میں لا سکتا ہوں
اس پر طرہ یہ ہے کہ ان کو میرے نفع اور نقصان پر قدرت حاصل ہے حیران ہوں کہ کیا کروں کیا
نہ کروں، آفتاب میرے کھیت کو کبھی پکا دیتا ہے اور کبھی جھلسا ڈالتا ہے بارش سے میری کھیتی
کبھی ہری بھری ہو جاتی ہے اور کبھی سڑ جاتی ہے غضب یہ ہے کہ جب گرم ہوا کے جھونکے چلتے
ہیں مجھے اور میرے مویشیوں کو لو لگ جاتی ہے اور دلدلوں میں تو بیماری اور موت تاک
لگائے بیٹھی ہے۔ یہ سب کون چیزیں ہیں۔ یہ تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہاں اب میں سمجھا یہ حضرات
اپنی جانب سے بھی زبردست ہیں۔ خوش ہوئے تو نہال کر دیا بگڑے تو ستیاناس ہو گیا اور میں نہ ان کا
کچھ بنا سکتا ہوں نہ بگاڑ سکتا ہوں۔ بیشک ان زبردستوں کا وجود ثابت ہے اور چونکہ ہر روز
ان کے فعل کا ایک نہ ایک اثر ہوتا رہتا ہے لہذا میری طرح یہ بھی جاندار ہیں اور اچھائی اور برائی
پر قادر ہیں غرضکہ ابتدا میں انسان کو اشیائے قدرت ذی روح اشخاص نظر آتے ہیں جس طرح اگر
کوئی بچہ کسی کرسی سے ٹکرا کر چوٹ کھا جاوے تو پھر اس کی ہمت نہ پڑے گی کہ اس کو مارے
بلکہ دوست بن جانے کے لئے اس کو پیار کرے گا۔ کیا بچہ کی یہ حرکت اس بات کا ثبوت نہیں ہے
کہ اس کے نزدیک کرسی بھی اسی کی طرح ایک بچہ ہے۔ اس طرح انسان کا پہلا نشہ غرور اپنی اس
بے بسی کے خیال سے کرکرا ہو گیا ہوگا۔ اب وہ سمجھا کہ میں ایسی جگہ پر ہوں جہاں رہنا تو لابدی
ہے مگر حصہ بقدر جثہ اور وہ بھی اپنے اختیار میں نہیں۔ یہ دنیا کیوں ہے روحوں کا جولانگاہ ہے میرے
چاروں طرف اور اوپر اور نیچے غرضکہ شش جہت میں روحوں کا عمل دخل ہے۔ اب کیا کروں بس انکے
سامنے عاجزی کروں اپنی بے بسی کا اقرار کروں اور ہاتھ جوڑ کر عرض کروں کہ مجھ پر نظر عنایات
رہے کیونکہ جب ان زبردست ارواح کا وجود ثابت ہے اور نیز یہ کہ ان کو میرے نفع اور نقصان
سے تعلق ہے تو وہ میری عرض بھی سن لینگی اور میری عاجزی دیکھکر مجھ پر ترس کھائینگی
اس درجہ پر پہونچکر اب انسان کو فرق مراتب کا خیال ہوا بعض روحیں تو ایسی ہیں جو نقصان

پہونچانے پر تلی ہوئی ہیں اور بذاتہ بد ہیں اور بعض عموماً نفع پہونچاتی ہیں مگر کبھی کبھی نقصان بھی کر گذرتی ہیں جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاید کچھ ناراض ہوگئیں جس کے دفیعہ کے لئے ان کو خوش کرنا چاہیئے ارواح خبیثہ کے یقین نے خوف اور نفرت کے خیال پیدا کر دیئے اور ارواح طیبہ نے محبت اور شکر کے جذبات سے دل کو معمور کر دیا،، فقط

مذکورۂ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان نے خارجی اشیا کو کس طرح ارواح تصور کیا اور پھر ارواح پرستی کا شیوہ اختیار کیا۔ یہ تو مذاہب کے ابتدائی جذبات کی ایک مجمل کیفیت ہے مگر اس کی تفصیل بیان کرنے کے قبل یہ دیکھنا ہے کہ کب سے یہ خیالات پیدا ہوئے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں جس قوم نے پہلے پہل نسل انسانی کے حالات ایک حد تک تاریخی حیثیت سے لکھے وہ یہود ہیں دیگر اقوام مثلاً قدیم مصری چینی اور ہنود ابتدائی حالات کے متعلق کچھ اس طرح فسانے کا پل باندھتے ہے کہ عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اُن کے افسانے اعجوبہ پرستی اور شاعرانہ تخیلات پر مبنی ہیں۔ اگرچہ کتب یہود میں بھی بہت سے بے بنیاد قصص اور روایتوں کی تنیں بُن گئی ہیں مگر پھر بھی حقیقت کی جھلک نظر آہی جاتی ہے۔ کیوں نہیں اسی قوم کی شان میں آیہ وَاَنِّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ[۱] نازل ہوئی ہے۔

منقول ہے کہ قابیل حضرت آدم کے بڑے بیٹے نے رقابت کے جوش میں اپنے بیگناہ بھائی ہابیل کو ایک دن پتھر سے مار ڈالا اور اس طرح یہ پہلا قاتل ہوس بازی کے ہاتھوں خون ناحق کا مرتکب ہوا حضرت آدم کو جب یہ حال معلوم ہوا سخت صدمہ ہوا اور مظلوم بیٹے کے غم میں عالم سیاہ نظر آنے لگا قابیل کی صورت سے نفرت ہوگئی اور یا لآخر وہ مردود درگاہ ہو کر نکال دیا گیا ظالم گھر سے کیا نکلا گویا دائرۂ ایمان سے خارج ہوگیا۔ خون بیگناہ کا ایسا دھبہ نہ تھا کہ جھڑائے چھوٹتا اس پر باپ کا عاق کر دینا قیامت ہو گیا قلب سخت ہو کر سیاہ ہو گیا اور غصہ اَلم میں مبتلا ہو گیا۔ مظلوم بھائی کی خون آلود صورت اور اُس کے دم توڑنے کی ہولناک حالت آنکھوں میں پھرنے لگی جنگل جنگل پھرتا تھا مگر اس کے گناہ کی کالی بلا سایہ کی طرح ساتھ تھی اور سوتے

[۱] اور بیشک میں نے تمہیں تمام عالم پر فضیلت دی (سورۂ بقر)

جاگتے بھوت بنکر سر پر سوار رہتی تھی۔ انسان کا دل گویا کاغذ کے ایک سفید پرچہ کی طرح ہے جس پر افعال کے نقش کھنچتے جاتے ہیں نیکی کی گلکاری بھی ہو رہی ہے اور بدی کے دھبّے بھی پڑ رہے ہیں لیکن اگر یہ سیاہ دھبّے ندامت کے تیز چاقو اور استغفار کے ربڑ سے چھیلے نہ جائیں تو سارا کاغذ رفتہ رفتہ کالا ہو جائے گا اور گلکاری پر بھی پانی پھر جائے گا۔ اور آخر سوائے اس کے کہ پارہ پارہ کر کے پھینک دیا جاوے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ قابیل کا حال بھی اسی طرح ہوا۔ بھائی کے خون سے ہاتھوں کو رنگ کر بجائے اس کے کہ توبہ اور استغفار کے پانی سے دھوتا اور اشک حسرت بہاتا اور بھی اکڑنے لگا۔ قلب کی سیاہی بڑھتی گئی۔ مقدس باپ کے فیض صحبت سے محروم ہو گیا۔ توفیق کا دروازہ بند ہو گیا اور گمراہی کے تیرہ و تار جنگل میں بھٹکنے لگا۔ توریت کی کتاب پیدائش باب چہارم میں درج ہے کہ قابیل مردود درگاہ ہو کر مشرق کی طرف روانہ ہوا اور وہیں ڈیرے ڈالدئے اس کی بہت سی اولادیں ہوئیں جن میں سے ایک بیٹے "انوخ" کے نام سے اس نے پہلے پہل ایک چھوٹے سے شہر کی بنیاد ڈالی اور رفتہ رفتہ اس کی نسل بڑھتی گئی یہاں تک کہ پانچویں پشت میں مسمیٰ لمک ایک خونخوار اور شوریدہ پشت شخص پیدا ہوا جس کے ایک بیٹے "ٹوبل کین" نے پہلے پہل لوہے اور تانبے کے اوزار اور ہتھیار ایجاد کئے اور کشت و خون کا بازار گرم ہونے لگا قابیل کا گناہ گویا ایک چنگاری تھی جس سے اس کی ساری نسل بھڑک اٹھی۔ جدھر یہ لوگ گئے دھوئیں اڑا دیئے۔ کسی جگہ ان کو قرار نہ تھا۔ قابیل کو جو بددعا دی گئی تھی کہ تو عالم میں مارا مارا پھرے گا اور کبھی چین سے نہ بیٹھے گا (کتاب پیدائش باب چہارم) اس کا اثر اس کی نسل میں باقی رہا۔ یہ خونخوار گروہ دشت قپچاق۔ میدان گوبی اور کوہستان یورال اور التائی میں چھا گیا۔ اور جب کبھی چھوٹ گیا خون کی ندیاں بہادیں۔ اور عالم کو زیر و زبر کر دیا۔

الغرض قابیل مع اپنی اولاد کے دائرۂ ایمان سے خارج ہو گیا۔ شامت اعمال کا بھوت سر پر سوار تھا۔ گناہ کی تاریکی گھیرے ہوئے تھی۔ دنیا کی ہر چیز اب اس کو خوفناک نظر آتی تھی اور وحشت بڑھتی جاتی تھی۔ یہ کیا حالت تھی، عجائبات قلب کی ایک حیرت انگیز کیفیت تھی جس کے

سمجھنے کے واسطے ایک مثال کی ضرورت ہے۔ ایک طالب علم جس نے اسکول کے سب درجوں کو قابل تعریف کامیابی کے ساتھ طے کرلیا ہو اور اب کالج میں ذوق شوق سے تکمیل علم کے واسطے قدم رکھا ہو، ذرا اس کی حالت دیکھنا۔ کلاس میں داخل ہوکر کس قدر مسرور نظر آتا ہے۔ کس محویت سے لکچر سن رہا ہے اور کس جوش سے "نوٹس" لکھ رہا ہے۔ گھر آکر رات کے وقت خوشی خوشی کس محویت سے کل کا کام کر رہا ہے اور مطالعہ میں مشغول ہے۔ سب سو رہے ہیں اور یہ لیمپ کے سامنے بیٹھا ہوا مطالب پر غور کر رہا ہے۔ غرضکہ ہر وقت طلب علم کے نشہ میں سرشار ہے جہاں علمی مذاکرہ سنا دوڑا جا رہا ہے اور بحث مباحثہ سے حظ حاصل کرتا ہے اور اس طرح اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے کہ یکایک ایک دن سیر کرتے کرتے کسی زہرہ جبین سے آنکھیں چار ہوگئیں نگاہوں کا جادو چل گیا اور دل ہاتھوں سے نکل کر محبت کے چاہ بابل میں قید ہوگیا اب اس کی حالت دیکھنا شام کو گھر آیا ہے مگر دل وہیں چھوڑ آیا ہے۔ کل کا سبق یاد کرنا ہے چند سوالات حل کرنا ہیں لیمپ لیکر بیٹھا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دماغ چکر کھا رہا ہے۔ ہوش بجا نہیں درد دل درد سر ہوگیا اور یہ وہیں دراز ہوگیا مگر نیند کہاں آخر خدا خدا کرکے صبح ہوئی یہ کالج چلا مگر بالکل کھویا ہوا نہ لکچر سمجھ میں آتا ہے نہ نوٹس لکھ سکتا ہے۔ چہرے سے پریشانی اور وحشت برستی ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ پڑھنا لکھنا سب بالائے طاق علمی مذاکروں سے کوسوں دور امتحان کا زمانہ آگیا۔ یہ شریک تو ہوا مگر حضرت کی غیرت "شرکت غم" بھی نہیں چاہتی تھی انجام یہ ہوا کہ گزٹ میں نام ندارد مگر بدنامی کا سارٹیفکٹ مل گیا والدین کی نگاہوں سے گرگیا اور ہر طرف ذلیل خوار پھرنے لگا سچ ہے معرفت کی راہ میں بھی انسان کے قلب پر ایسی ہی کیفیتیں گذرتی ہیں۔ کبھی طاعات و عبادات کا ذوق شوق ہوتا ہے ذکر فکر میں مزہ آتا ہے شب بیداری اور سحر خیزی آسان ہوجاتی ہے۔ ایک عجب سرور ہوتا ہے اور ہر طرف نور ہی نور نظر آتا ہے۔ فیض کا دریا جوش مارتا ہے اور لطیفوں کی نہریں جاری ہوجاتی ہیں لیکن معاذاللہ اگر کسی سخت گناہ میں مبتلا ہوگیا ظلمت چھاجاتی ہے۔

انقباضی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے نہ وہ انبساط ہے نہ وہ سرور نہ وہ ذوق شوق ہے نہ وہ جوش وخروش
اگر اس حالت میں توبہ اور استغفار نہ کی اور خضوع اور خشوع کے ساتھ متوجہ نہ ہوا تو قلب سخت ہو جاتا
ہے۔ لطیفے بند فیض مسدود اور نسبت سلب اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

بیشک قابیل کی وہ حالت ہو گئی تھی جس کو صوفیہ کرام سلب نسبت کہتے ہیں اس کی
اولاد میں بھی وہی فاسد مادہ اُچھلتا رہا اور اسی کے ایسے حرکات پیدا ہو کر وہم پرست ہو گئے۔
دیو بھوتوں کو ماننے لگے اور باطل معبودوں کی پوجا ہونے لگی مگر اس کریم کارساز نے جس کی رحمت
اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے "ظلوم وجہول" انسان کی نسل کو برباد ہونے نہ دیا حضرت
شیث جو اپنے باپ کے سچے جانشین تھے سیدھی سادھی خدا پرستی کی جو ایک گلہ بان کی مرنج
مرنجاں زندگی کا جذبہ تھی لوگوں کو تعلیم دینے لگے۔ خدا نے ان کی اولاد میں برکت دی۔ رحمت
کا دروازہ کھل گیا اور فیض نازل ہونے لگا۔ اس طرح حضرت آدمؑ کی وفات کے بعد ان کی اولاد
دو مختلف طریقوں کی پابند ہو گئی جو ان کی جدا گانہ طرز معاشرت کے نتیجے تھے ایک سلیم الطبع
چوپان دوسرا خونخوار شکاری ایک حریم سینہ میں ذوق شوق کے ساتھ آیا ہو کے نعرے لگاتا تھا
اور دوسرا بیابان وحشت میں ہو ہو کرتا پھرتا تھا۔ خوب ؎

حضرت شیث اور خدا پرستی

دیر وحرم کا جب کہ جہاں میں نشاں نہ تھا
عاشق کے دل سوا کوئی اُس کا مکاں نہ تھا

انسان اگر غور سے دیکھے تو معلوم ہو جائے کہ مقصود اصل میں ایک ہے مگر وہاں تک پہونچنے
کے واسطے مختلف راہیں پیدا ہو گئی ہیں اور کچھ ایسی پیچدار ہوتی گئیں ہیں کہ سالک اس بھول
بھلیاں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور رشتہ مقصود ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے لیکن جس طرح تلاش
مقصود انسان میں ودیعت ہے اُسی طرح مختلف راہیں پیدا ہونا فطری امر ہے۔ جب اختلاف
فطری ٹھہرا تو ہدایت لابدی ہوئی ورنہ یوں بے سروپا چھوڑ دینا اور پھر اپنی طرف بلانا انصاف
نہیں ہے۔ بیشک اسی سبب سے ہادیوں کی اشد ضرورت ہے اور ابتدا ہی سے ایسا انتظام

شروع ہوگیا۔

حضرت ادریسؑ

حضرت شیثؑ کی چھٹی پشت میں حضرت ادریس علیہ السلام پیدا ہوئے اس زمانہ میں نسل انسانی کا چشمہ بڑھتے بڑھتے ایک دریائے مواج ہوگیا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں میں بہنے لگا تھا۔ قابیل کی اولاد نے ہر جگہ طوفان مچا دیا تھا خود بھی گمراہ تھی اور اپنے ساتھ حضرت شیثؑ کی اولاد کو بھی مل جل کر خراب کر دیا تھا حضرت ادریسؑ ان گمراہوں کے ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے منقول ہے کہ لکھنا اور سینا پہلے پہل آپ ہی نے لوگوں کو سکھایا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹوں نے خاصکر متوشلح نے آپ کی تعلیم کو زندہ رکھا مگر تھوڑی ہی دنوں میں بُت پرستی کا ظہور ہوا۔ جس کی ابتدا حسب ذیل طریقہ سے ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ اپنے ہمجنسوں میں جس کو خوبیوں سے آراستہ پاتا ہے اس کی طرف ایک قدرتی میلان پیدا ہو جاتا ہے اور دل میں اس کی عظمت کا نقش بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی نہایت تعظیم اور توقیر کرنے لگتا ہے یہ جذبات اس قدر پختہ ہو جاتے ہیں کہ اس بزرگ کے مرنے کے بعد بھی نہیں مٹتے۔ اس کی تصویر ہر وقت آنکھوں میں پھرتی ہے اور اس کی یاد بےچین کرتی رہتی ہے مگر خیالی تصویر کے چھینٹے سے آتش فراق نہیں بجھتی آخر شوق نظارہ کے اصرار سے مرحوم کی کوئی نشانی پیش کرنا ہوتی ہے کہ کسی قدر سکون تو ہو۔ یہ نشانی مختلف اقوام کے مذاق کے موافق ہوتی ہے کہیں تماثیل اور تصاویر کے رنگ میں کہیں تبرکات کے طرز میں اور کہیں بتوں کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ نشانیاں بطور خود واجب التعظیم ہو جاتی ہیں ان کے متعلق کہانیاں گڑھ لی جاتی ہیں حقیقت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور انسان کہیں سے کہیں ہو رہتا ہے اور اپنے ایک قدرتی جذبہ دل کے ہاتھوں آپ ہی خراب ہوتا ہے۔ حضرت ادریسؑ کے ہونہار بیٹوں نے لوگوں کو بہت سے دینی اور دنیاوی نفع پہونچائے تھے ملک میں امن و امان پھیلایا تھا۔ وحشی جانوروں اور خونخوار انسانوں کا شر دفع کیا تھا اور لوگوں کو نیک راہ بتائی تھی۔ ان کی وقعت ان کی عظمت ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں کیونکر نہ ہوتی۔ ان بزرگوں کی وفات کے بعد لوگوں نے

بت پرستی کی ابتدا

لہ چین اور جاپان میں اس طرح بزرگوں کی پرستش شروع ہوئی ۱۲

ان کی تصویریں بنائیں اور ایک پاک جگہ میں رکھیں اور پوجنے لگے اور رفتہ رفتہ صنم پرستی تک نوبت پہونچ گئی۔ قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی دل لگتی بات نکلے سب لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اور پھر وہی بات رسم ہو جاتی ہے اور ہر جگہ جاری ہو جاتی ہے اس طرح اس طریقہ نے عام قبولیت کا لباس پہنا اور نئے نئے رنگ میں ظاہر ہونے لگا اور عالم میں بتوں کا عمل ہو گیا سچ پوچھئے تو لکڑی تانبے اور پتھر کے بت کوئی چیز نہیں اگر بت ہے تو خود ہمارا النفس ہے جس کو ہم نے حریم سینہ میں چھپا رکھا ہے لاکھوں مورتیں پاش پاش ہو جائیں ہزاروں مندر مسمار کر دیئے جائیں کیا ہوتا ہے جبتک کہ یہ بڑا بت نہ لوٹے سارا کرشمہ اسی کا ہے اسی کے شعبدے نظر بندی کرتے ہیں۔ ایک چھٹے ہوئے بہروپئے کی طرح یہی بھیس بدل بدل کر آتا ہے اور اچھے اچھوں کو دھوکہ دیجاتا ہے۔ آجکل زندقہ اور دہریت کے لباس میں ظاہر ہو کر بہت سے بندگانِ خدا کی راہ مارتی ہے درحقیقت راہ معرفت میں ہمارا النفس ہی سنگ راہ ہے۔

غرض کہ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ جس قدر لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی اسی قدر ان کے معبود پیدا ہوتے گئے اور نئی نئی رسمیں جاری ہونے لگیں ہر طرف طوفان بے تمیزی بپا ہو گیا۔ اس وقت حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے۔ آپ متوشلخ ابن ادریسؑ کے پوتے تھے اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ مورخین میں اختلاف ہے کہ آیا آپ تمام عالم کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے تھے یا کسی ایک قوم کے واسطے۔ جو لوگ تمام عالم میں طوفان آنے کے قائل ہیں وہ قول اول کو ترجیح دیتے ہیں مگر ایک گروہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ کی شہادت پر قول ثانی کو مانتا ہے اگرچہ آپکی درازی عمر کے خیال سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی ہدایت کی آواز دور دور پہونچ گئی ہو گی لیکن کلام مجید اور نسل انسانی کے ابتدائی حالات کو مدنظر رکھکر قیاس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ خاص قوم کون تھی؟ طبری نے ایک گروہ کا قول نقل کیا ہے جس کے نزدیک اس قوم سے بابل اور اس کے توابع کے رہنے والے مراد ہیں۔ مگر اس گروہ کا قول مقبول عام نہ ہوا یہاں تک

کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں جب محققین کا وجود عنقا ہونے لگا متاخرین نے اس مسئلہ پر بحث کرنا
کیا یعنی اختلاف رائے کا حوالہ تک تحریرات سے نظر انداز کردیا اور یہ نوبت پہونچگئی کہ مثلاً
اگر کوئی شخص اس واقعہ کی روایتوں کے متعلق چون وچرا کرے تو آجکل کے ظاہر پرست متعصبین
جھٹ اس کو کافر کہدینگے۔ ایسی صورت میں تحقیق وتدقیق کی کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ مگر ایک قوم
کے خیالات محدود ہوجانے سے تحقیقات علمی کا دروازہ بند نہیں ہوسکتا۔ زمانہ ترقی کرتا جاتا
ہے اور انسانی معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ قدیم قوموں کی تاریخ میں اصلاحیں ہوتی
جاتی ہیں اور اُن کے حالات روز بروز آئینہ ہوتے جاتے ہیں۔ مدفون شہر کھدرہے ہیں اور
"در و دیوار شکستہ" کے "نقش ونگار" سے "آثار قدیمہ" کا پتہ لگایا جاتا ہے اور پھر روایات
پر بحث ہوتی ہے۔ گذشتہ صدی کی ابتدا میں اہل یورپ مدفون شہروں کی طرف متوجہ ہوئے
ابھی تک قدما کے حالات کے متعلق ان کی نگاہیں یونان وروم کی تاریخوں تک محدود تھیں
اور انھیں کو مہذب قوم جانتے تھے مگر اب ذوق طلب دامنگیر ہوا۔ توریت میں بابل اور نینوا
کی گذشتہ عظمت وجلال دیکھکر سمجھتے تھے کہ یہ ایشیائی مبالغہ ہے مگر اب فرات ودجلہ کے
کناروں پر عظیم الشان تودوں اور بلند میناروں کو دیکھکر خیال گذرا کہ نہیں معلوم ان کے
سینوں میں کن حسرت نصیبوں کی تمنائیں دبی ہوئی ہیں۔

آخر ۱۸۴۲ء میں مسٹر بوٹا جو موصل کا فرانسیسی قونصل تھا اس طرف متوجہ ہوا اور
قویُنجق کے تودے کے بعض حصوں کو کمال جانفشانی اور عرق ریزی سے کھدوانا شروع کیا
اس کی محنت رائگاں نہ گئی اور یکایک اُس کو ایک عظیم الشان محلسرا کے نشانات ملے جس میں
پتھروں پر بہت سے کتبے کندہ پائے گئے جس وقت اس کی خبر یورپ پہونچی شائقین علوم
کے دلوں میں جوش خروش پیدا ہوا۔ اور ایک نوجوان ہونہار انگریز مسمی لیارڈ اسی سال
موصل روانہ ہوا۔ اس شخص نے اپنی زندگی اسی کام میں وقف کردی اور اگرچہ طرح طرح
کی دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا ہوا مگر یہ جوانمرد ہمت نہ ہارا اور آخر قویُنجق اور ایک

مسٹر لیارڈ اور نینوا کا قدیم
مدفون سنگی کتبخانہ

دوسرے مشہور تودے کو جس کا نام "تل نمرود" ہے کھود کر کثرت سے ایسی چیزوں کو ڈھونڈ
نکالا جن سے قدیم اسیریا اور بابل والوں کے حالات بہت کچھ معلوم ہو گئے۔ ان تودوں
کے نیچے ٹوٹے پھوٹے پختہ مکانوں کے نشانات پائے گئے جن کی اینٹوں پر قدیم بادشاہوں
کے نام کندہ تھے اور دو بڑے دربار عام کا پتہ لگا۔ ایک کو اسیریا کے مشہور بادشاہ "سناخیرب"
نے جو آٹھ سو برس قبل حضرت مسیح کے حکمراں تھا بنوایا تھا۔ اور دوسرا اسکے پوتے "اسور بنی پال"
کا تھا۔ آخر الذکر دربار کے ایک کمرے میں بیشمار سنگین کتبے مرتب پائے گئے جو کمال احتیاط
سے لندن کے عجائب خانہ میں بھیج دیئے گئے۔ ان کتبوں کی تعداد دس ہزار تک پہونچ گئی۔
اور قدیم زبانوں کے جاننے والوں نے نہایت محنت سے ان تحریرات کو حل کیا۔ لوگوں کو
حیرت ہوگئی جس وقت یہ دریافت ہوا کہ دنیا کا یہ پہلا سنگی کتب خانہ تھا جس کو اسیریا کے
بادشاہ "اسور بنی پال" نے چھ سو پچاس برس قبل حضرت مسیح کے جمع کیا تھا۔ ان کتابوں سے
سنگی مرتب کتبے مراد ہیں جن کے حروف تیر کی گانسی کی شکل ہیں۔ اس وجہ سے ان نقوش
کو "کنی فارم" یعنی خط پیکانی[1] کہتے ہیں۔ اس کتب خانہ میں نجوم اور رمل کی کتابیں۔ مذہبی
عقاید۔ دعاؤں۔ وظیفوں۔ گنڈے اور تعویذوں کے مجموعے۔ شاہی فرمان قاعدے اور قانون
اور ساتھ ہی کلدانیوں کی قدیم زبان کی لغت صرف و نحو اور ادب کی کتابیں اور ایک نظم رزمیہ
جس میں ایک طوفان عظیم کا حال درج ہے پائی گئیں۔ ان کتبوں کے علاوہ بہت سے تراشے
ہوئے بت ملے۔ کسی کا سر آدمی کا ایسا اور جسم شیر کی طرح۔ کسی کا جسم بیل کی طرح اور سر
آدمی کا ایسا اور کوئی مجسم مرد اور عورت کی طرح۔ ایک پتھر پر ایک عجب نقش کھنچا ہے۔ ایک
مرد ایک عورت آمنے سامنے بیٹھے ہیں بیچ میں ایک درخت ہے اور عورت کے پیچھے ایک
سانپ کھڑا ہے گویا بہشت میں شیطان کے بہکانے کا سماں باندھا ہے۔ غرضکہ ایسے
کثرت سے بت ملے جو اب لندن کے عجائب خانہ میں رکھے ہیں مذکورۂ بالا کتب خانہ کے

[1] اب اصطلاح میں خط میخی کہتے ہیں ۱۲

ذریعہ سے ہم کو کلدانیوں کے قدیم حالات معلوم ہوئے جو اسیریا اور بابل والوں کے مورث اعلیٰ تھے اور "شومیر اور عقاد" کی سرزمین میں جسے اب عراق عرب کہتے ہیں آباد تھے سنہ ۱۸۸۱ء میں ایک فرانسیسی مسمی "ڈی سارزک" نے قدیم بابل کے ایک تودے کو جسے اب "تل بوہ" کہتے ہیں کھود کر ایک پرانے بتخانہ کا پتہ لگایا جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ کلدانیوں کا قدیم متبرک بتخانہ "سرغولہ" ہے۔ اس بت خانہ میں کلدانیوں کی بہت سی مورتیں ملیں دیواروں پر بیا بجا کتبے تھے جن کے ذریعہ سے اس قوم کے حالات کچھ کچھ معلوم ہوئے۔ اس بت خانہ کے علاوہ بہت سے قدیم مقابر کا پتہ چلا جس میں کثرت سے زیور اور ہتھیار اور مٹی کے پختہ برتن پائے گئے جن میں آدمی اور جانوروں کی شکلیں بنی تھیں اور میخائی حروف منقوش تھے۔ ان سب باتوں سے یہ استدلال کیا گیا کہ دنیا کی یہ نہایت قدیم قوم تھی جو حضرت مسیح سے چار ساڑھے چار ہزار برس پیشتر فرات و دجلہ کے جنوبی دوآبہ میں آباد تھی[1]۔

مذکورہ بالا مشاہدات کو اگر کوئی شخص پیش نظر رکھکر کلام مجید کے سورہ نوح (پارہ ۲۹) کی تلاوت کرے تو غور کرنے سے معلوم ہوجائے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ سے کس کی طرف اشارہ ہے پھر اسی سورت کے رکوع ۲ میں کفار کی زبان سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (ترجمہ) اور کہا ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ۔ سُوَاع۔ یَغُوث۔ یَعُوق اور نَسر کی پرستش کو یہ پانچ بتوں کے نام ہیں۔ وَدّ مرد کی شکل کا سواع عورت کی شکل کا یغوث گھوڑے اور یعوق شیر کی شکل کا اور نسر گدھ کی شکل کا (سراج المنیر جلد چہارم صفحہ ۳۹۳) زمانہ کے لحاظ سے بھی بعثت حضرت نوحؑ اور قدیم کلدانیوں کے وجود میں مطابقت پائی جاتی ہے کلدانیوں کی نظم رزمیہ میں جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے ایک طوفان عظیم کا ذکر ہے جو طوفان نوحؑ کی روایت سے بہت

---

[1] ماخوذ از کتاب "کالڈیا" ۱۲

کچھ ملتا جلتا ہے (کتاب کالڈیا صفحہ ۱۴-۳۱ و ۳۱۵)

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ اہل شمیر یعنی قدیم کلدانیوں (جن کو طبری نے بابل اور اس کے توابع کے رہنے والے بیان کیا ہے) کی طرف مبعوث ہوئے۔ دنیا میں کوئی نبی یا رسول بجز ہمارے خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام عالم کے واسطے مبعوث نہیں ہوا جس کی وجہ اس کتاب کے آخری مضمون "تکمیل دین" میں بیان ہوگی یہاں صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ کلام مجید میں جتنے رسولوں کا ذکر ہے ان کے واسطے صاف تحریر ہے کہ وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے مثلاً وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا وحضرت عیسیٰ کے واسطے وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ علیٰ ہذا القیاس۔ مگر آنحضرتؐ کی بعثت کے واسطے ارشاد ہوتا ہے کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا[1]۔ بیشک آپ ہی کا لقب رحمۃ للعالمین ہے بجز آپ کے اور کسی نبی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

حضرت نوحؑ اگرچہ اولوالعزم پیغمبروں میں ہیں اور آپ کو آدم ثانی کا لقب دیا گیا ہے مگر صرف اسی بنا پر علی العموم یہ خیال پھیل گیا کہ دنیا میں طوفان کے بعد کوئی متنفس بجز حضرت نوحؑ اور آپ کے تین بیٹوں کے باقی نہ رہا اور پھر دنیا کی آبادی حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہوئی۔ اس قول کے مطابق گویا طوفان عالمگیر تھا مگر آپ ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ (یعنی ڈرا اپنی قوم کو پارہ ۲۹ سورۂ نوح) کے مطابق اسی کی ہدایت میں مشغول تھے۔ جب ان لوگوں نے آپ کی اطاعت نہ کی اور روحوں اور بتوں کی پرستش میں مصروف رہے اور کسی طرح خدا پرستی کی طرف متوجہ نہ ہوئے حضرت نوحؑ نے ان کے واسطے بددعا کی اور جوش و جلال میں آکر کہہ اٹھے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (اے رب نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر بسنے والا) مگر آپ تمام عالم کے واسطے تو مبعوث تھے ہی نہیں ساری دنیا میں عذاب کیوں آنے لگا بس صرف آپ کی قوم کی

[1] تمام آدمیوں کے لئے خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا (سورۂ سبا پارہ ۲۲) ۱۲

سرزمین میں (جس کی طرف الارض کا صاف اشارہ ہے) آپ کی دعا کے مطابق ایک کافر بھی نہ بچا یعنی دجلہ اور فرات اُبل پڑے خلیج فارس کا سمندر جوش میں آیا آسمان سے موسلا دھار پانی برسنے لگا ہر طرف عالم آب نظر آنے لگا اور سارے کلدانی غرق ہوگئے۔ سورۂ انبیا پارہ ۱۷ رکوع ۶ میں صاف صاف ارشاد ہوتا ہے اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ (یہ قوم بدکار تھی پس ہم نے سب کو ڈبو دیا) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم یعنی قوم نوحؑ کے سارے کافر غرق ہوئے نہ کہ تمام عالم کے لوگ۔ عالمگیر طوفان کے قائل وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ کی آیت پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کے تین بیٹے جو طوفان سے بچ گئے انھیں سے ساری دنیا پھر آباد ہوئی مگر اس کا جواب یہ ہے کہ کشتی نوح میں اسّی مرد اور عورتیں بھی جو ایمان لائے تھے آپ کے اہلبیت کے علاوہ موجود تھے ان ایمان والوں کی جماعت کشتی سے صحیح و سالم اُتری اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ سب لوگ کیا ہوئے یا تو یکایک سب مر گئے یا کسی کے اولاد ہی نہیں ہوئی مگر معاذ اللہ خداوند کریم ایسا جابر نہیں اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے ان مومنین کا فنا کردینا قیاس میں نہیں آتا۔ بیشک یہ لوگ زندہ رہے اُن کی اولاد ہوئی مگر ان کا شمار الگ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ یہ سب ذرّیت نوحؑ کے لواحق تھے ان کا فنا و بقا اولاد نوحؑ کے تابع تھا۔ سام و حام و یافث حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں سے پھر "خدا پرستی کی اشاعت" ہوئی یہ تین بزرگ سردار قوم ہوئے انھیں کا نام چلا اور باقی سب متبع اہالی و موالی تھے ان کا ذکر ہی کیا

اصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں اس واقعہ کے متعلق یہود کی روایتیں مشہور ہو کر عام طور سے پھیل گئیں مگر کلام اللہ ان روایات سے مبرا ہے۔ علامہ شبلی اپنی کتاب تاریخ علم کلام کے صفحہ ۱۸۶ لغایتہ صفحہ ۱۹۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ملاحدہ کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہودیوں اور پارسیوں کے یہاں جو دور از کار قصے اور افسانے مشہور تھے قرآن مجید ان سے بھرا پڑا ہے مثلاً ہاروت و ماروت دو فرشتے بابل کے کنوئیں میں معلق ہیں جو لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مفسرین نے

قصص انبیا کا حصہ جو کلام مجید میں درج ہے وہ صحیح ہے مگر روایات یہود کے حاشیے غلط ہیں

ان قصص کے متعلق جو لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ قصص انبیا کا جس قدر حصہ قرآن مجید میں مذکور ہے وہ صحیح ہے لیکن بنی اسرائیل نے واقعات اصلی پر جو حاشیے چڑھائے وہ صحیح نہیں اسی بنا پر قدماے مفسرین میں سے جن لوگوں نے بنی اسرائیل کی روایتیں تفسیروں میں داخل کر دی تھیں محدثین نے ان کی تفسیروں کو ساقط الاعتبار قرار دیا بلکہ خود مفسرین کو بھی۔ قدماے مفسرین میں جو بڑے پائے کے مفسر گذرے ہیں وہ یہ ہیں مجاہد۔ مقاتل بن سلیمان کلبی۔ ضحاک۔ سدے۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں قصص الانبیا کی نسبت جسقدر روایتیں ہیں اور جن کو قرآن مجید کے قصوں میں منضم کر دیا ہے انھیں بزرگوں سے منقول ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ مجاہد حالانکہ بہت بڑے ثقہ اور قابل حجت امام ہیں تاہم ان کی تفسیر کو اس وجہ سے غیر معتبر قرار دیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل سے ماخوذ ہے۔ میزان الاعتدال ذہبی میں ہے کہ کسی نے اعمش سے پوچھا کہ مجاہد کی تفسیر مخالف کیوں ہے انھوں نے کہا کہ بوجہ اس کے کہ اہل کتاب یعنی یہود سے ماخوذ ہے۔"

مقاتل کو علانیہ محدثین نے کاذب اور مفتری کہا حالانکہ ان کا جو کچھ جرم تھا وہ یہی تھا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتے تھے اسیطرح کلبی۔ سدے۔ ضحاک کی روایتیں عموماً ناقابل اعتبار قرار دی گئیں۔ چنانچہ میزان الاعتدال ذہبی میں ہر ایک کے حال سے مفصل بحث کی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اس بحث پر ایک نہایت لطیف مضمون لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے

"متقدمین نے اس بات میں نہایت استیعاب کیا لیکن ان کی تصنیفات میں رطب ویابس مقبول و مردود سب کچھ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب لکھی پڑھی قوم نہ تھی ان کا خمیر بدویت اور امیت تھا اور جب ان کو اس قسم کی چیزوں کے دریافت کا شوق ہوتا تھا جن کا شوق اکثر انسانوں کو فطرتاً ہوتا ہے مثلاً دنیا کی ایجاد کے اسباب۔ آفرینش کا آغاز وجود کے اسرار۔ تو وہ ان باتوں کو اہل کتاب سے پوچھا کرتے تھے لیکن اس زمانے کے اہل کتاب جو عرب میں موجود تھے خود بدوی تھے اور ان کی جو معلومات تھیں بالکل عامیانہ تھیں

یہ لوگ اکثر قبیلہ حمیر سے تھے جو یہودی ہوگئے تھے جب یہ لوگ اسلام لائے تو احکام شرعیہ کے سوا جن میں بہت احتیاط کی جاتی ہے باقی امور مثلاً اسباب کائنات اور قصص انبیا کے متعلق اُن کے وہی خیالات قایم رہے جو پہلے سے تھے کعب احبار وہب ابن منبہ۔ عبد اللہ ابن سلام وغیرہما انھیں لوگوں میں سے ہیں ان لوگوں کو جو روایات و حکایات محفوظ تھیں تمام مفسرین کی کتابوں میں داخل ہوگئیں اور چونکہ ان روایتوں کو احکام شرعیہ سے تعلق نہ تھا اس لئے ان کے متعلق مفسرین نے احتیاط نہیں کی چنانچہ تمام تفسیریں انھیں روایتوں سے بھر گئیں۔

حالانکہ ان روایتوں کے ماخذ وہی صحرا نشین یہود تھے جن کو کسی قسم کی تحقیق حاصل نہ تھی لیکن چونکہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے مشہور و معروف تھے اور لوگ ان کا احترام کرتے تھے اس لئے ان کی روایتوں کو قبول عام حاصل ہوگیا۔"

ایمۂ فن نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خاص خاص قصص کو بہ تصریح غلط اور موضوع بتایا۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اکثر جگہ ان قصوں کی تکذیب کی ہے۔ اس کے علاوہ محققین نے اس پہلو پر بحث کی کہ قرآن مجید میں جو قصے منقول ہیں وہ تاریخی حیثیت سے منقول ہیں یا پند و عبرت کے لحاظ سے۔ شاہ ولی اللہ صاحب "فوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: "اور ایام اللہ یعنی واقعات جن کا خدا نے ذکر فرمایا ہے نیکوں پر کرم کرنے اور بدوں پر عذاب نازل ہونے کے طور پر مذکور ہیں مثلاً قوم نوحؑ اور عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ داداؤں سے سنتے چلے آتے تھے اور مجملاً ان کا ذکر ان کے کانوں تک پہونچا تھا اور مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور انبیاے بنی اسرائیل کے قصے جو یہودیوں کے میل جول سے عربوں کے کانوں میں مدتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان مشہور قصص سے تذکرہ کے طور پر چند قصے علٰحدہ کر لئے گئے نہ یہ کہ پورے پورے قصے تمام خصوصیات کے ساتھ چھیڑ دیئے گئے ہوں۔ پس ان قصص کا یہ مقصد نہیں کہ ان کی نفس حقیقت پہچانی جائے بلکہ یہ مقصود ہے کہ سننے والے کا ذہن شرک اور گناہوں کی برائی اور عذاب الٰہی کی طرف منتقل ہو اور ساتھ ہی اس کے امداد الٰہی پر مطمئن ہو"

ایام اللہ ترغیب اور ترہیب کے باعث ہیں

(ماخوذ از علم الکلام حصہ اول مولنا شبلی مدظلہ)

درحقیقت کلام مجید میں انبیاے کرام اور ان کی اُمتوں کے حالات بار بار اسی واسطے بیان فرمائے گئے ہیں کہ ہم عبرت حاصل کریں اور سعید کہلانے کے مصداق ہوں۔ ہمیں اپنی حالت کی درستی۔ تہذیب نفس اور ترقی مدارج کا خیال ہو اور کمر ہمت چست باندھکر نیکوں کی پیروی کرنے پر آمادہ ہوجائیں۔ علم تاریخ کا بہت بڑا فائدہ یہی ہے کہ مختلف قوموں کی ترقی اور تنزل۔ زبردست سلطنتوں کا عروج و زوال عظیم الشان جنگوں کی ہیبت ناک تصویر پُرلطف محفلوں کا دلکش سماں۔ حکما اور عقلا کی حیرت انگیز دماغی اور روحانی ترقیاں۔ جہلا اور سفہا کی مضحکہ خیز نادانیاں۔ نیکوں کا حسن خاتمہ بُروں کا بُرا انجام غرضکہ یہ تمام واقعات جو مختلف زمانوں میں پیش آچکے ہیں ایک ہی وقت میں ہمارے سامنے آئینہ ہوجاتے ہیں اور اس طرح جو جو نتایج مختلف انقلابات سے پیدا ہوچکے ہیں اور ان کی تصدیق واقعات سے ہوچکی ہے ہمارے سامنے کلیہ کی شکل میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور ہماری ترغیب اور ترہیب کے باعث ہوتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کی تعلیم

ناظرین! مذاہب کے ابتدائی جذبات کا ذکر ہو رہا تھا کہ بیچ میں قصہ طوفان چھڑ گیا۔ مشکل یہ ہے کہ آجکل مسلمانوں کی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ انبیاے سلف یا بزرگان دین کا جس وقت ذکر آتا ہے طبیعت فوراً قصص اور خرق عادات کی طرف منتقل ہوجاتی ہے مگر افسوس ان بزرگوں کے نفس تعلیم کی طرف ہم مشکل سے متوجہ ہوتے ہیں حالانکہ کلام مجید میں جہاں کہیں انبیا کا ذکر خیر آیا ہے اُن کی تعلیم اور تلقین پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت نوحؑ دنیا میں پہلے نبی مرسل تھے جن کی تعلیمات کی مشرح کیفیت پارہ ۲۹ سورہ نوح میں کیسے سچے اور موثر طریقے سے درج ہے ارشاد ہوتا ہے قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً وَّنَهَاراً الآیۃ

(ترجمہ) نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کے وقت بھی بُلایا اور دن کو بھی تو میرے بلانے کا یہی اثر ہوا کہ جتنا زیادہ بُلایا اتنا ہی زیادہ بھاگے اور جب میں نے ان کو بُلایا کہ (یہ تیری طرف رجوع ہوں) تو ان کے گناہ معاف فرمائے اُنہوں نے

اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر کپڑے اوڑھ لئے (کہ نہ میری آواز سنیں نہ صورت دیکھیں) اور ضد کی اور شیخی میں آکر اکڑ بیٹھے۔ پھر میں نے اُن کو پکار کر بلایا ظاہر میں بھی سمجھایا اور پوشیدہ بھی اور بار بار ان سے کہا کہ اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو کہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ (تمہارے قصور بھی معاف کریگا) اور تم پر آسمان سے موسلادھار پانی برسائیگا اور مال و اولاد سے تمہاری مدد کریگا اور تمہارے لئے باغ اگائیگا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔ تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم نے بالکل خدا کا وقر دل سے اُٹھا دیا حالانکہ اُس نے تم کو طرح طرح کا پیدا کیا (کوئی کیسا کوئی کیسا) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کیسے تہ پر تہ سات آسمان بنائے اور اس میں چاند کو بھی بنایا ہے کہ وہ ایک نور ہے اور سورج کو بنایا کہ وہ ایک روشن مشعل ہے اور اللہ ہی نے تم کو (ایک طرح پر) زمین سے اُگایا۔ پھر دوبارہ لٹاکر اسی مٹی میں تم کو ملا دے گا اور (قیامت میں) تم کو پھر اسی مٹی سے نکال کر کھڑا کریگا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارا فرش بنایا ہے) کہ اس کے کھلے رستوں میں جدھر چاہو چلو پھرو)

قدیم کلدانی جن کی ہدایت کے واسطے حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تھے فرات و دجلہ کے دوآبہ کی سرسبز اور مسطح سرزمین میں آباد تھے جس کی زرخیزی کا بڑا سبب ان دریاؤں سے مختلف نہروں کا کاٹ کر نکالنا تھا۔ برسات میں موسلادھار پانی برستا تھا اور گرمی سے تپتی ہوئی زمین یکایک لہلہا اُٹھتی تھی اور ہر طرف زمردین فرش بچھ جاتا تھا۔ کھیتیاں ہری بھری ہو جاتی تھیں اور پیداوار کی کثرت سے لوگ خوش و خرم نظر آتے تھے۔ اس جوش سرور میں رات کو نیلگوں آسمان پر چاند کے نورانی چہرے کا نظر آنا اور دن کو کمال آب و تاب کے ساتھ سورج کو چمکتے دیکھنا عجب لطف دیتا تھا۔ انھیں آثار قدیمہ کی طرف جو نگارنگ صورتوں میں جلوہ گر تھے حضرت نوحؑ نے اِن کے خیالات کو متوجہ کر کے صانع حقیقی کی یاد دلائی مگر ان لوگوں نے اپنے باطل معبودوں کو جنھیں ان کی قوت متخیلہ نے محسوسات کے اثر سے مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا تھا نہ چھوڑا اور آخر غارت ہو گئے۔ بیشک ہر سرزمین کی قدرتی ساخت اُس کی

آب و ہوا اور اس کی جداگانہ خصوصیتوں نے قلب انسانی کو اپنے اپنے رنگ سے متاثر کر کے خیالات کا جولانگاہ بنا دیا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان خیالات نے جس قدر قالب بدلے اُسی قدر اختلافات کی بنیادیں پڑتی گئیں یہاں تک کہ رسم و رواج کے شکنجے نے انسانی قبائل کو جکڑ کر ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور آخر میں یہ نوبت پہونچی کہ عرفان وحقیقت سے کوسوں دور پڑ گئے۔ مذہب محض ظاہری پابندیوں اور دل خوش کن فسانوں کے مجموعے کا نام رہ گیا اور حقانیت سلب ہو گئی۔

مذہب کیا ہے؟ وجدان سلیم کا نام ہے قلب انسانی کی نامتناہی تمنائیں حیات جاوید اور راحت ابدی کی آرزوئیں اپنی بےبسی اور شکستگی کا غمگین خیال اور پھر فطرتاً عالم بالا کی طرف اعانت اور حفاظت کی امیدیں۔ میلان غضب کا خوف رحمت کی رجا غرضکہ یہ سارے جذبات اصل مذہب اور اس کی روح ہیں لیکن جس وقت تخیل نے اپنی رنگ آمیزی شروع کر دی اور محسوسات کی گلکاری ہونے لگی مذہب افسانے کی صورت میں مسخ ہو کر کچھ سے کچھ ہو گیا۔ آسمان اور اُس کے علوی اجرام زمین اور اس کے سفلی اجسام۔ عناصر اربعہ۔ موالید ثلاثہ غرضکہ تمام آثار قدرت اور عجائبات آفرینش رفتہ رفتہ مذکر اور مونث دیوتا بن گئے پھر قوت متخیلہ نے ان کے علیٰحدہ علیٰحدہ جسم تصور کر کے انسانوں کی طرح ان کو شہوی اور غضبی قوتوں کا پابند کر دیا اور قصے کہانیوں کا انبار لگ گیا۔ ان کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے وحشیانہ رسومات پرستش اور عجیب و غریب طریق عبادت پیدا ہو گئے اور اس سارے طوفان بےتمیزی کا نام مذہب رکھ لیا گیا۔ مگر یہ کلیہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کے جس قدر مشاہدات بڑھتے گئے اُسی قدر جزئیات سے کلیات کی طرف ذہن منتقل ہونے لگا اور جس طرح یہ قاعدہ اس کے دماغی ترقی کے واسطے جاری رہا۔ اسی طرح اس کی روحانی ترقی پر بھی نافذ رہا۔ کہتے ہیں کہ فرات و دجلہ کی سرزمین قدیم طاقتور سلطنتوں کا گہوارہ تھی۔ اسی جگہ سے اسیریا اور بابل کے زبردست بادشاہ اور با اقبال فاتح پیدا ہوئے جن کا سکہ دور دور تک بیٹھ گیا۔ اسی جگہ سے ایک گروہ مصر پہونچا اور فراعنہ کی طاقتور سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ دوسرا گروہ جنوبی عرب میں آباد ہوا اور یمن کی قدیم تہذیب کی بنیاد ڈالی جس کی

مٹی مٹی نشانیاں بھوے بھٹکے صحرا نورد کو پردۂ ریگ سے پکار رہی ہیں کہ "اے ناقہ سوار ذرا ٹھہر جا آثار سلف کے شائقین سے کہدے کہ تم نے بابل ونینوا کی عظمت کو دوبارہ زندہ کیا خوب کیا مگر ایک نظر ادھر بھی اور پھر تم کو یہ دریافت کرکے حیرت ہوجائیگی کہ سہیل یمن اہرام مصر سے پیشتر چمک رہا تھا اور اسی کے ادیم پر ممفس کا خوان نعمت چنا گیا تھا۔

غرضکہ جس طرح یہ سر زمین سلطنتوں کا گھوارہ تھی اسی طرح اس کے آغوش میں مذاہب نے بھی پرورش پائی ملک کی سرسبزی کے سبب سے مختلف قبیلوں کے آباد ہو جانے سے اس کی آبادی مخلوط ہوگئی تھی۔ خیالات بھی آپس کے میل جول سے طرفہ معجون بن گئے تھے اس طرح مذہب صابئین یعنی کواکب پرستی کی بنیاد پڑی آسمان اور اس کے نورانی اجرام نے انسان کے قلب کو پیشتر ہی سے متاثر کردیا تھا اب اس اثر نے باضابطہ پرستش کی صورت اختیار کی آفتاب ماہتاب ثوابت اور سیارے مجسم دیوتا مان لئے گئے سب سے بڑا نیر شمس ہے بس اسی کو آسمان کا حاکم بالادست تصور کیا اور باقی اجرام اس کے اہل وعیال اور خانہ زاد۔ ملک کے بڑے بڑے شہر جو دریاے فرات کے کنارے پر آباد تھے مثلاً سپار۔ سرغولہ۔ ایرق (جسے اب ورقہ کہتے ہیں) اور کلدانیان (زمانہ حال کا مغیر) میں شمس اور دوسرے سبعہ سیارے خاص کر قمر اور زہرہ کے واسطے مندر تیار ہوئے اور جاتریوں کا تانتا لگ گیا۔ پجاریوں کی بن آئی۔ انھیں کے ذریعہ سے درشن ہوتا تھا۔ انھیں سے دیوتاؤں کے حالات پوچھے جاتے تھے جس کے باعث سے دیوتاؤں کے قصے گڑھے جاتے تھے اور ساتھ ہی اپنا تقدس اور تشخص جتایا جاتا تھا۔ نئی نئی رسمیں نکلتی تھیں کرشمے اور شعبدے دکھائے جاتے تھے اور گویا عوام کے دلوں پر جادو ڈالتے تھے اس طرح یہ مہنت گرو گھنٹال بن بیٹھے اور "پٹی سشی" یعنی مذہبی پیشوا کے لقب سے یاد کئے جانے لگے انکا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ ملک کے حاکم بھی یہی لوگ ہونے لگے اور ارض شنیار میں جس کو اب عراق عرب کہتے ہیں پہلی سلطنت قایم ہوئی جس کا دارالحکومت "اور کلدانیان" قرار پایا اور مذہب صابئین کو فروغ ہونے لگا مشہور شہروں میں رصد گاہیں جن کو زغوزات

مذہب صابئین یعنی کواکب پرستی

اور کلدانیان

(بمعنی قلۂ کوہ) کہتے تھے تعمیر ہوئیں ان کی ساخت زینہ دار مثلث کے شکل کی ہوتی تھی اور سبعہ سیارے کی مناسبت سے سات کھنڈ بنائے جاتے تھے جس کی چوٹی پر شوالہ تعمیر ہوتا تھا جہاں مذہبی پیشوا کواکب کے حالات بھی دریافت کرتے تھے اور اُن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہوتے تھے اس طرح پہلے پہل علم ہیئت اور حساب کا آغاز ہوا۔ ہفتہ کے سات دن سبعہ سیارہ کے لحاظ سے اور سال کے بارہ مہینے دوازدہ بروج کی مناسبت سے قرار دیئے گئے مگر ساتھ ہی اُس کے تاثیرات نجوم کا بھی عقیدہ مضبوط ہوتا گیا۔ انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے یہی کواکب قرار دیئے گئے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم ہونے لگا۔ نذر بھینٹ چڑھائی جانے لگی۔ یہاں تک کہ ان کی خوشنودی کے واسطے انسانی قربانی بھی ہونے لگی۔ شوالے ان کے نام سے منسوب ہوئے اور پتھر کی مورتیں ان کی مظاہر تصور کی گئیں جن کے سامنے خاص و عام جھکنے لگے مرادیں ماننے لگے اور خبیث روحوں اور بھوتوں سے جن کو ان کے واہمہ نے عجیب و غریب خوفناک صورتوں میں تصور کیا تھا پناہ مانگنے لگے۔

حضرت خلیلؑ

جس زمانہ میں انسان کا دل و دماغ وہم اور شرک کی دست بُرد سے پراگندہ ہو رہا تھا دار الحکومت اُور کے بتخانہ کے ایک پجاری آذر (جس کو بقول طبری عبرانی میں تارح کہتے ہیں) کے یہاں ایک فرزند سعید پیدا ہوا جو بعد کو خلیل اللہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ بچپن ہی سے حضرت ابراہیمؑ میں آثار رشد پائے جاتے تھے مبدأ فیاض نے آپ کو ایسا ذوق سلیم عطا فرمایا تھا کہ شروع ہی سے آپ نے اپنے آبائی مذہب سے بیزاری ظاہر کی اور روشن دلیلوں سے مشرکین کو قائل کر کے ایک نئے اور معقول مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اس واقعہ کا کلام مجید میں نہایت دلکش طریقے سے ذکر ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید کی بنیاد کیونکر قائم ہوئی۔ چونکہ یہ اچھوتا مضمون کسی کتب سماوی میں بجز کلام مجید کے بیان نہیں کیا گیا اس لئے اس موقع پر اس کا ذکر ضروری ہے۔

بُت پرستی کی بُرائی

حضرت ابراہیمؑ نے جس وقت ہوش سنبھالا دیکھا کہ بُت خانوں میں ہر وقت جمگھٹا رہتا ہے خلقت ہے کہ اُمڈی آتی ہے نذر بھینٹ چڑھاتی ہے اور مرادیں مانگتی ہے مگر "یہ مورتیں جن کو معبود کا سب سے اعلیٰ اور اشرف لقب دیا جاتا ہے ہیں کون؟ بس وہی جنھیں میرا باپ گھر میں بیٹھا گڑھا کرتا ہے"

عجب تماشا ہے وہی بے قدر پتھر جو میرے یہاں ذلیل و خوار اور بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے جن کی
کرتے وقعت نہ تعظیم و تکریم نہ کچھ احتیاط ہوتی تھی آج کس شان سے مندر میں جلوہ گر ہیں اور لوگوں نے
ان کو قاضی الحاجات یقین کر لیا ہے۔ ایسی سمجھ پر پتھر پڑیں میری نگاہ میں ان کی کچھ وقعت نہیں اور
ہو کیونکر مریحاً دیکھ رہا ہوں کہ یہ محض کنکر پتھر ہیں مگر خلقت ہے کہ اُس نے ان کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔"
جس وقت ان خیالات نے آپ کے قلب صافی میں ہجوم کیا آپ نے اپنے باپ سے کہا وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ
لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (ترجمہ
اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود مانتے ہو میں تو تم کو اور تمھاری قوم
کو صریح گمراہی میں مبتلا پاتا ہوں۔ سورۂ انعام پارہ ۷) آذر نے جواب دیا" بیٹا میں اور تو کچھ نہیں
جانتا مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے باپ داداؤں سے ان کی پوجا ہوتی آئی ہے کیا وہ بزرگ بیوقوف
تھے جو ایسا کرتے تھے ہرگز نہیں ہم تو انھیں کے مقلد ہیں" حضرت ابراہیم کو اس جواب سے تسکین نہ ہوئی
آپ نے اب دوسرے پہلو سے غور کرنا شروع کیا اور دل میں کہا ان مورتوں کی تو قلعی کھل گئی اب یہ
دیکھنا ہے کہ میری قوم کے عقلا کہتے ہیں کہ یہ مورتیں ہمارے آسمانی دیوتاؤں کی جنھیں ہم شب و روز
چمکتے ہوئے دیکھتے ہیں قایم مقام او رمظاہر ہیں اس وجہ سے ان کی پوجا ہوتی ہے۔ مگر یہ تاویل بھی اس
طالب حق کو جس کا سینہ انوار الٰہی سے معمور ہو رہا تھا دھوکا نہ دے سکی۔ تائید ایزدی خضر راہ بن گئی
مدارج عرفان طے ہونے لگے اور ایقان کامل کے مرتبہ پر پہونچ گئے خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے:

حضرت ابراہیم و اجرام فلکی

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۝
فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ
الْاٰفِلِیْنَ [1] یعنی آپ نے ایک شب کو آسمان کی طرف دیکھکر دل میں کہا کہ میری قوم فلکی اجرام
کو آسمانی دیوتا مانتی ہے اچھا یوں ہی سہی۔ یہ چمکتے ہوئے تارے خاص کر زہرہ جو سب میں روشن
ہے ہمارا دیوتا ہے۔ مگر نہیں ماہ تاباں نکلا اور اُس کی روشنی ماند پڑ گئی بھلا جو خود ہی مغلوب ہو

---

[1] سورۂ انعام پارہ ۷..

اس سے کیا اُمید۔ اچھا تو یہ چاند جو دیکھنے میں کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے اور پھر نفع بھی پہونچاتا ہے۔ ہمارا دیوتا ہے مگر واہ سورج کی کیل پھوٹی اور اُس کی محفل درہم برہم خود بے نور اور نظروں سے غائب بھلا جس کی بھری محفل میں ایسی رسوائی ہو جس کا حسن عارضی اور زوال پذیر ہو اور جو خود مجبور ہو، اس کو ہمارے دل پر کیا اختیار۔ خیر نہ سہی۔ اچھا تو یہ آفتاب جو کس آب و تاب سے چمک رہا ہے اور کس قدر پُر جلال ہے ہمارا دیوتا ہے اور دیوتا بھی کیسا سب سے بڑا اور طاقتور مگر آہ شام ہوئی اور اس کا سارا جاہ و جلال خاک میں مل گیا۔ رات کی تاریکی نے اس کی ساری رونق پر پانی پھیر کر ہماری نظروں سے گرا دیا۔ بھلا جس زبردست کی ایسی کرکری ہو جاوے اس کو کب قادرِ مطلق مان سکتے ہیں بیشک یہ آسمان اور اُس کے اجرام مجبور اور عاجز ہیں اور کسی اور کے محکوم معلوم ہوتے ہیں۔ واقعی ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ایسا معشوق کون ہے؟ بس وہی جس کا حسن لازوال ہے جس کا پرتو ان نورانی اجرام پر پڑتا ہے اور جس کی شعاعِ جمال سے سارا عالم جگمگا رہا ہے۔ وہی ذات پاک قادرِ مطلق اور حاضر و ناظر ہے بس اسی سے دل لگانا چاہئے اسی کو ”الوہیم“ (رب الارباب) کے نام سے پکارنا چاہیئے۔ جس وقت ان جذبات سے آپ کا قلبِ طاہر متاثر ہو گیا سینہ کھل گیا اور دیدۂ دل روشن ہو گئے آپ نے اپنی قوم کے سامنے ان خیالات کا برملا اظہار کیا اور وجد میں آکر ارشاد فرمایا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (ترجمہ) [میں نے تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رُخ اُسی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں]

دنیا میں پہلے تاریخی موحد حضرت ابراہیمؑ ہیں جس وقت تمام قومیں طرح طرح کے شرک میں مبتلا تھیں آپ نے پہلے پہل سن مسیحی سے دو ہزار برس پیشتر سب سے الگ ہو کر توحیدِ خدا پر استدلال قائم کیا اور دین حنیفی (یعنی ایک خدا کا ماننے والا) کی بنیاد ڈالی۔ اور لوگوں کے خیالات کی

اصلاح شروع کی مگر جہالت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ کی قوم کسی طرح سمجھتی ہی نہ تھی۔ اب آپنے حجت قائم کرنے کا ایک دوسرا پہلو اختیار کیا کہ اپنے مُنہ سے آپ قائل ہو جائیں۔ ایک تیوہار کے دن جبکہ سب لوگ باہر میدان میں جمع ہوکر عید منانے نکلے حضرت ابراہیمؑ سے بھی ساتھ چلنے کے واسطے اصرار کیا گیا۔ آپنے اس خیال سے کہ آج مندر میں سناٹا ہو جائیگا بس یہی موقع ہے ان کے عقیدے کے موافق جواب دیا کہ "بھئی میں کیسے چلوں ستارہ موافق نہیں نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے"۔ غرضکہ اس طرح آپ تنہا رہ گئے مندر کو خالی پاکر اندر گھسے۔ دیکھا تو قسم قسم کے لذیذ کھانے بتوں کے سامنے چنے ہیں یہ دیکھکر دنیا کے اس پہلے بت شکن نے ذات واحد کی محبت کے جوش میں بتوں کو پاش پاش کرڈالا مگر بڑے بت کو کورا چھوڑکر تبر اُس کے کاندھے پر رکھدیا اور باہر چلے آئے۔ جس وقت لوگ میدان سے واپس آکر مندر میں جمع ہوئے دیکھا تو بتوں کی گت بنی ہوئی ہے سمجھے ہونہو یہ ابراہیمؑ کی دست درازیاں ہیں آپسے بُلاکر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ آپنے طنز کے طور پر کہا تعجب ہے مجھ سے پوچھتے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ بڑے بت کے کاندھے پر تبر رکھا ہے۔ اُسی سے پوچھو۔ یہ الزامی جواب سُنکر لوگ سٹ پٹا گئے اور بغلیں جھانکنے لگے اور جب کچھ بن نہ پڑا سر جھکا کر کہنے لگے "تم جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں ہم ان سے پوچھیں کیا"۔ اتنا سُننا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو جلال آگیا فرمانے لگے [أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۝ [(ترجمہ) کہا کیا تم خدا کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تم کو کچھ فائدہ ہی پہونچائیں اور نہ نقصان بیزار ہوں میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ پارہ ۱۷ سورۂ انبیا]

اس کا جواب ہی کیا تھا۔ بدبختوں نے جہالت سے ہٹ دھرمی ہٹ دھرمی سے عداوت۔ عداوت سے اذیت دینے پر آمادہ ہوکر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جھونک دینا چاہا مگر آپ کا نور نار پر غالب آگیا۔ حافظ حقیقی نے اس بلا سے نجات دی جس کے بعد اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہوکر آپنے راہ خدا میں مہاجرت اختیار فرمائی اور دریائے فرات کو عبور کر کے ملک شام

کی راہ لی۔ پھر وہاں سے مصر پہونچے اور آخر کار ارض کنعان میں بمقام حبرون سکونت اختیار فرمائی (توریت کتاب پیدائش باب ۱۲) جس سرزمین میں آپنے قیام فرمایا اس میں کثرت سے بت پرست آباد تھے مگر آپنے اپنے قبیلہ کو جس میں آپکے بال بچے نوکر چاکر سب ملاکر تریب سوا تین سو کے مرد اور عورتیں تھیں توحید پر راسخ کر دیا اور سب سے پہلے مکہ معظمہ میں خدائے واحد کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں آپکے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل مقیم ہو گئے جن کی اولاد میں کچھ عرصہ تک دین حنیفی قائم رہا مگر آخر کو بت پرستی غالب آگئی۔ دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق اپنے باپ کے گھر میں رہے اور وہیں آپ کی اولاد پھلی پھولی۔ حضرت ابراہیم پہلے بزرگ ہیں جن کے مبارک عہد میں انسانی قربانی کی وحشیانہ رسم موقوف ہوئی ورنہ آپسے پیشتر اور بعد بھی بابل۔ مصر۔ یونان اور ہند کی قدیم مہذب قوموں میں یہ خونخوار رسم جاری رہی۔

انسانی قربانی موقوف

قدیم مصریوں کے عادات اور اُن کا مذہب

حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل (اولاد یعقوبؑ) مصر میں آباد ہوئے مگر آپ کی وفات کے بعد مصریوں کے خلط ملط سے "الوہیم" کی پرستش کرنے والی جماعت میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ زمانۂ حال کی تحقیقات کے رو سے کہا جا سکتا ہے کہ مصریوں کے آباو اجداد سرزمین کالڈیا سے قلت اراضی یا باہمی خانہ جنگیوں کے باعث نکل کر خاکنائے سویز طے کرتے ہوئے وادی نیل میں پہونچے۔ یہ قطعۂ زمین اس دریا کی طغیانی کے باعث نہایت زرخیز ہے۔ یہیں یہ لوگ جنھیں "آل مزرائم" کہتے تھے آباد ہو گئے۔ زمین کی سرسبزی نے خانہ بدوشی کے عادات چھوڑا کر مستقل کاشتکاری کا پیشہ سکھایا۔ پھر اس پیشہ نے حیثیت کے خیالات پیدا کئے اور افسر خاندان حقوق کے نگراں قرار پائے اس طرح چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہوئے پھر جس قدر انسانی ضروریں بڑھتی گئیں اسی قدر ایجاد اور اختراعات میں ترقی ہوتی گئی اور ساتھ ہی انسانی دماغ بھی روشن ہوتا گیا قواعد منضبط ہوئے اور کام تقسیم ہو کر جماعت بندی ہو گئی ہر ایک کا علحدہ علحدہ پیشہ اور الگ الگ پنچایت۔ اس طرح گاؤں سے قصبے اور قصبے سے رفتہ رفتہ شہر آباد ہوئے مگر یہ وسعت ویسی ہی تھی جیسے کہ ایک دائرہ کی وسعت جس میں دائرہ در دائرہ ہوں مگر مرکز سب کا ایک یعنی ایک ہی قوم پھیل کر ملک

پر حاوی ہوگئی اور آخر وادیٔ نیل میں ایک زبردست شخصی سلطنت قائم ہوگئی۔ مصریوں کے آباؤ اجداد بُت پرستی اور اجرام پرستی کو کالڈیا سے اپنے ساتھ لائے تھے یہاں آکر مرزو بوم اور واقعات کے اثر سے ان میں حیوان پرستی کا ظہور ہوا۔ ایک طرف گائے بیل جو ایک کسان کی روح رواں ہیں مقدس مانے گئے ان کی پوجا ہونے لگی اور ان کی پتھر کی مورتیں مندر میں نصب کی گئیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ایپیس کا مندر تھا۔ دوسری طرف شخصی سلطنت کے قائم ہونے سے فراعنہ[1] یعنی ان کے بادشاہوں کا رعب و داب لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا اور ان کی پرستش کا خیال یوں پیدا ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ ایک شخص کے سامنے لاکھوں آدمی سر جھکائے ہیں اور چوں نہیں کر سکتے۔ ان کی روزی اور زندگی قید اور موت اس کے لطف و غضب پر منحصر ہے۔ جس وقت اپنی مسلح فوج کے جھرمٹ میں نکلتا ہے عجب پرہیبت نظارہ ہوتا ہے۔ پھر جس وقت اپنے دشمنوں کے ٹکڑے اڑا کر بہتوں کو مار کر بہتوں کو باندھ کر لاتا ہے اُس وقت عظمت و جلال کی مجسم تصویر بن جاتا ہے۔ بیشک یہ محض انسان نہیں معلوم ہوتا اس کی شان اعلیٰ ہے دیوتاؤں کا اُس پر سایہ ہے نہیں نہیں خود مجسم دیوتا ہے تو پھر اس کی پوجا ہونا چاہیئے ادھر رعایا کے دلوں میں اس طرح رعب بیٹھا ادھر خود حاکم نشۂ حکومت سے چور ہو کر انانیت کا دم بھرنے لگا وہ دیکھتا تھا کہ ”ہمچو من دیگرے نیست“ کا مصداق میں ہی ہوں۔ لوگوں کو میری اطاعت دل و جان سے کرنا چاہیے۔ اطاعت کیسی۔ میں ہی اَن داتا۔ میں ہی مارنے جلانے والا۔ میری تو پوجا ہونا چاہیئے میں زمین کا دیوتا ہوں۔ جس وقت ان تاریک خیالات نے دماغ کو تیرہ و تار کر دیا آنکھوں پر پردے پڑ گئے کبر و نخوت کا سودا سمایا اور برملا انا ربکم الاعلیٰ کا ڈنکا بجایا لوگ اس حیوان ناطق کو پوجنے لگے اس طرح مصر میں بت پرستی کو ایک پرستی

حیوان پرستی

---

[1] مصری زبان میں فرعون کے معنی آفتاب کے ہیں۔ ان کے نزدیک جس طرح آسمان کا حاکم آفتاب تھا، اسی طرح زمین کا بادشاہ فرعون تھا (تاریخ عالم ص ۱۱۵)

اور حیوان پرستی نے خوب زور باندھا[1] مصریوں کے ان مذہبی خیالات نے بنی اسرائیل کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا۔ اس پر فراعنہ کے جور و ستم سے غلامانہ زندگی بسر کرنے سے ہمتیں پست ہوگئیں طبیعت میں رذالت پیدا ہوگئی اور کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا کے مصداق ہوگئے اگرچہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم رسول نے تخمیناً سولہ سو برس قبل مسیح ان کی دینی اور دنیوی اصلاح اور تعلیم و تلقین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر اُن کے قلوب پر چنداں اثر نہوا ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی گئی۔ کبھی کہتے تھے کہ جب تک خدا کو ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لینگے ہرگز ایمان نہ لائیں گے کبھی احکام الٰہی کے بجا لانے میں جی چراتے تھے کبھی اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ کی حیات ہی میں جب آپ کوہ طور پر توریت کے واسطے تشریف لے گئے سامری کے اغوا سے اس سرکش گروہ نے گوسالہ پرستی شروع کردی اتنا ہی نہیں بلکہ ارض کنعان اور فلسطین پر قبضہ پاکر بنی اسرائیل مفتوحہ قوموں کے میل جول سے بُت پرستی کی طرف مائل ہوگئے اگرچہ ان خرابیوں کی اصلاح انبیاے بنی اسرائیل جو وقتاً فوقتاً ان میں پیدا ہوتے رہے کرتے رہے مگر پھر بھی

حضرت موسیٰ

---

[1] بایں ہمہ مصریوں نے حیات بعد الموت کے عظیم الشان مسئلے پر پہلے پہل غور کیا اور ذیل کی تشبیہ سے ایک حد تک عمدہ روشنی ڈالی۔ یہ کلیجہ میں ناسور ڈالنے والی موت جو ہمیشہ کے واسطے عزیز کو عزیز سے جدا کر دیتی ہے اگر فناے محض ہے تو نخل تمنا کی جڑ ہی کٹ گئی امیدوں کا خون ہوگیا مگر نہیں کیا عجب یہ انتقال مکانی ہو۔ وہ دیکھئے آفتاب جو کس آب و تاب سے دن کو چمکتا ہے شام کے قریب زرد ہوتے ہوتے غائب ہو جاتا ہے اور رات بھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا فنا ہوگیا مگر صبح ہوئی پھر اسی طرح اس کی گرم بازاری ہے۔ ہر روز یہی واقعہ پیش آتا ہے مگر شمس تاباں کی گرمی ہنگامہ وہی ہے یہی حال انسان کا ہے زندگی میں آفتاب کی طرح چمکتا ہے مرتے وقت آفتاب لب بام ہو جاتا ہے قبر میں جاتا گویا پردہ شب میں منہ چھپاتا ہے اور صبح کو شاہ خاور کی طرح پھر تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس نیر اعظم کے ساتھ نورانی زندگی بسر کرتا ہے۔ حیات بعد الموت کا مسئلہ طے کرنے کے بعد مصریوں کا ذہن عذاب و ثواب کی طرف منتقل ہوا۔ مرنے کے بعد انسان کے اعمال کا فیصلہ ان کے دیوتا "اسائیرس"، اور اس کے ۴۲ ماتحتوں کے دربار میں ہوتا تھا۔ نیک بندے آسمان پر آفتاب کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے اور بد دنیا میں موذی جانوروں کے جسموں میں حلول کرکے اذیت پاتے ہیں ۱۲

مسئلہ حیات بعد الموت

ان کی یہ حالت تھی کہ کبھی ان برگزیدگان الٰہی کو شہید کر کے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور پاک نوشتوں کو
جلا دیتے تھے اور کبھی پھر توبہ و استغفار کر کے یہوا پرست ہو جاتے تھے۔ ان کی بداعمالیوں ہی کا نتیجہ
تھا کہ پہلے اسیریا والے ان پر غالب آئے اور بہتوں کو قید کر کے نینوا لے گئے بعد ازاں بخت نصر

تباہی بیت المقدس

فرماں روائے بابل نے ۵۸۶ برس قبل مسیح ان کی بیخ و بنیاد اکھاڑ ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا
نہ رکھا ہیکل سلیمانی جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا توریت و زبور کے اصلی صحیفے یک قلم فنا کر دئے گئے
اور تمام بنی اسرائیل قید ہو کر بابل پہونچے جہاں تخمیناً پچاس برس تک دریائے فرات کے کنارے
اپنی حالت زار پر آنسو بہاتے رہے آخر رب الافواج کے دریائے رحمت نے پھر جوش مارا۔ خورس

خورس (کیخسرو) شاہ ایران

(کیخسرو) شاہ ایران نے بابل پر چڑھائی کی اور آناً فاناً اس کی ساری عظمت کو خاک میں ملا دیا
(۵۳۸ قبل مسیح) جس وقت غریب الوطن خانماں برباد یہود کا معائنہ کیا اور انکا حال دریافت
کیا با اقبال فاتح کا دل درد سے بھر آیا اور ساتھ ہی اس کے یہ معلوم کر کے کہ میرے اور اُن کے
مذہبی اصول بہت کچھ ملتے جلتے ہیں یہود کو شاہانہ عنایتوں سے سرفراز کیا قید سے آزادی بخشی اور
بیت المقدس کے تعمیر کی اجازت دی۔ اس مقام پر شاہ خورس کا مذہب جو یہود سے ملتا جلتا تھا۔
بیان کرنا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

آریوں کا حال

قدیم زمانہ میں جبکہ وسط ایشیا سے مختلف گروہ نکل کر جا بجا آباد ہو رہے تھے۔ ایک قبیلے
نے جو بعد کو آریہ کے نام سے مشہور ہوا، مدت تک اپنے وطن مالوف کو نہ چھوڑا جہاں ان کی دینی
اور دنیاوی ترقی کا نشو و نما دوسری قوموں سے بالکل علیحدہ ہوتا رہا۔ فرات دجلہ اور نیل کے
کنارے کنارے مشہور شہر آباد ہو رہے تھے۔ اسیریا اور فراعنہ کی زبردست سلطنتیں قائم ہو گئی
تھیں مذاہب کی بنیادیں پڑ رہی تھیں مگر قدیم آریہ اپنے مویشیوں کو لئے ہوئے اپنے پیارے سے
سرسبز وطن "آریانہ ویجا"[۱] میں پڑے ہوئے تھے آخر قلت اراضی کے باعث ان میں سے

[۱] "وندداد" جو پارسیوں کی مقدس کتاب ہے اس میں یہ نام درج ہے حال کے مورخین کے نزدیک یہ مقام
بحر خضر کے مشرق کی طرف تھا۔ ۱۲

ایک بڑا گروہ علیحدہ ہو کر جنوب کی طرف آباد ہوا۔ بہت عرصہ تک یہ گروہ جسے یورپین مورخ "اندو ایرانین" کے لقب سے یاد کرتے ہیں ایک ہی خطہ میں آباد رہکر اور رفتہ رفتہ گلہ بانی چھوڑ کر زراعت کرنے لگا۔ جس کے سبب سے گاؤں اور قصبے آباد ہونے لگے اور آخر چھوٹے چھوٹے رجواڑے قائم ہو گئے جس طرح ان کی دنیاوی حالت میں رفتہ رفتہ انقلاب ہوا اسیطرح ان کے دینی خیالات میں بھی

قدرت پرستی

تغیر ہوتا گیا۔ آسمان اور اُس کے روشن اجرام فطرت اور اس کے عجائبات نے جو انسان کے قلب کو متاثر کرتے ہیں آریوں کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا۔ پھر زراعت کے پیشہ نے ابر و باراں کی طرف اُمیدیں وابستہ کر دیں انکا سب سے بڑا دیوتا "دئیس" تھا جو بعد کو رگ وید میں ورنا (بمعنی آسمان) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس دیوتا کو اُنھوں نے مجسم تصور کیا۔ آفتاب اسکی روشن آنکھ بجلی اس کا لخت جگر اور سطح فلک جس پر تارے چھٹکے ہیں اس کی زرتار عبا قرار پائی (کتاب میڈیا ۳۹) اس دیوتا کے بہت سے شریک بھی تھے جو انتظام عالم میں اُس کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ مینہ کا دیوتا اندر بہت ہی ہر دلعزیز تھا اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ زراعت کا دار و مدار پانی پر ہے۔ وہ کالی کالی گھٹاؤں کا اُمنڈ اُمنڈ کر آنا وہ بادل کا گرجنا وہ بجلی کا چمکنا وہ موسلا دھار پانی کا برسنا جس سے تپتی ہوئی زمین سیراب ہو جاتی تھی کھیتاں ہری بھری ہو جاتی تھیں اور ہر ذی روح تازہ دم

عرصۂ کائنات میدان جنگ ہے

ہو جاتا تھا ان کی نگاہوں میں آسمانی جنگ کا سماں باندھ دیتا تھا۔ ان کے نزدیک بادلوں کے ٹکڑے جو عجیب و غریب شکلوں میں ہر غور کرنے والے کی نظروں میں جلوہ گر ہوتے ہیں گایوں کے گلّے تھے جن کا دودھ (یعنی پانی) زمین والوں کی جان تھا۔ یہ گئو ماتا دیوتاؤں کی استریاں تھیں جن کے سبب سے دیوتاؤں اور دیودں میں جنگ رہتی تھی۔ آریوں کا خیال تھا کہ منتر اور بھجن سے دیوتاوں کے دل بڑھتے ہیں۔ نذر بھینٹ لیکر موٹے تازے ہوتے ہیں اور سوما کا عرق پیکر چاق چوبند ہو کر دیوؤں پر فتح پاتے ہیں۔ ورترا اور آہی دو زبردست عفریت اور اسی طرح ان کے ذریات بانیٔ فساد تھے جن کے قتل کے واسطے اندر دیوتا بجلی کا بان لیکر دوڑتا تھا اور گئو ماتا کو ان کے پنجہ سے چھڑا کر عالم کو اُن کے شیر سے سیراب کرتا تھا سچ ہے ؎ فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست

اس طرح قدیم آریہ عرصۂ کائنات کو میدان جنگ سمجھے جہاں دیوتاؤں اور دیووں کی ہمیشہ لڑائی ٹھنی رہتی تھی یہ خیالات رفتہ رفتہ وسیع ہوتے گئے اور عجائبات عالم کی مختلف حالتوں اور نور اور ظلمت کی متضاد کیفیتوں سے قلوب متاثر ہوگئے۔ اس طرح قدرت پرستی کا رواج ہوا اور آریوں کے گروہ کے گروہ سیکڑوں دیوتاؤں کو قادر اور مختار مان کر دیو پرست ہوگئے آخر ان کی اصلاح کے واسطے ایزد برحق نے ایک زرتشت اسپیتما ہادی کو پیدا کیا جس نے دیوتاؤں کی پرستش کو دیو[1] یعنی شیطان پرستی قرار دیکر "مزدیستانی" مذہب (یعنی ایک خدا "اہورامزدا" کی عبادت) کی بنیاد ڈالی۔

اسپیتما زرتشترا اور مزدیستانی مذہب

اس پیمبر کے حالات اگرچہ اس درجہ تاریکی میں پڑے ہیں کہ اس کے زمانہ کا بھی ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ بعضے اس کے وجود کے منکر بعضے یہ کہتے ہیں کہ وہ اسفندیار کے باپ گشتاسپ کے زمانہ میں تھا۔ مگر زمانۂ حال کی مغربی تحقیق خصوصاً ڈاکٹر وسٹ اور جیکسن کی تحریرات سے آجکل کے پارسیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا پیمبر تخمیناً تیرہ سو برس قبل مسیح شہر رے یا آرمیاہ میں پیدا ہوا آن کا نام زرتشترا تھا جو اسپیتما کے خاندان اور منوچہر کی نسل سے تھا۔ آریوں میں سب سے پہلے زرتشترا نے دیو پرستی کی مخالفت کی اور ایک خدا "اہورامزدا" کی جو نور اور ظلمت نیکی اور بدی کا خالق ہے پرستش سکھائی۔ پارسیوں کی مقدس کتاب "ژنداوستا" میں (جس کے اصلی نسخے اسکندر رومی نے ۳۳۱ برس قبل مسیح جلا دیئے) صرف حصہ یاسنا کے پانچ "گتھا" زرتشترا کا الہامی کلام مانے جاتے ہیں (کتاب زردشت اور اس کا دین صفحہ ۹ مصنفہ آر۔ ایچ مستری چھاپہ بمبئی سنہ ۱۹۱۶ء) اور واقعی ان پانچوں گتھا میں جو زردشت کی مناجات کا مجموعہ ہیں موحدانہ مضمون کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"میں اس لفظ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں جو افضل ترین ذات نے مجھے خطاب فرمایا ہے۔ آدمی اگر اس کو سنے تو اس کے سننے کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں جو شخص میرے اس کلام کو سنے گا وہ درجۂ کمال کو پہونچکر بقاے دوام حاصل کریگا۔ نیک اندیشوں کے نزدیک مزدا

---

[1] جنہیں ہندو "دیوتا" مانتے ہیں ان کو پارسی اپنی زبان میں "دیو" یعنی شیطان کہتے ہیں ۱۲

مالک ہر دو جہاں ہے۔ جو لوگ بتوں کے خیال میں منہمک رہتے ہیں یا وہ جو ہمیشہ شرارت اور بدنفسی ہی کی دُھن میں لگے رہتے ہیں رذیل اور کمینے ہیں ....."

"اسپیتما زرتشترا" کی اس موحدانہ تعلیم نے آریوں میں ایک بڑا انقلاب پیدا کر دیا اور مذہبی مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ ان کے دو گروہ ہو گئے۔ دیوپرست اور ارمزد پرست۔ دیوپرست ہندوستان کے شمال و مغرب کے کونے سے پنجاب میں داخل ہو کر آباد ہو گئے اور ارمزد پرست جنوبی ایران کی طرف بڑھے۔ رگ وید اور پارسیوں کے گتھا کے مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی مخالفت ہی جُدائی کا باعث تھی۔ ورنہ اس سے پیشتر دونوں ایک تھے۔

دیوپرست ہندوستان میں آ گئے

ہندی آریہ یہاں پہونچکر محض تخیلات کے پابند ہو گئے۔ شاعرانہ طبیعتوں نے دل خوش کن فسانوں کی بھرمار کر دی۔ ویدکی سیدھی سادھی تعلیم بالکل خلط ملط ہو گئی دیو و دیوتاؤں کی کہانیاں مقبول عام ہو گئیں۔ ان کی متاثر طبیعتوں نے رفتہ رفتہ کسی چیز کی پرستش نہ چھوڑی۔ بت پرستی عناصر پرستی، وہم پرستی غرضکہ شرک کا کوئی پہلو نہ چھوٹا۔

عقلاے ہند نے روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کئے

اگرچہ درمیان میں عقلاے ہند نے حکماے یونان کی طرح فلسفہ میں نہایت ترقی کی اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر کے ایک وجود مطلق "پرم برہما" کی ہستی تسلیم کی مگر یہ اعتقاد خاص خاص لوگوں کا تھا اور اُنہوں نے اپنے ہی تک محدود رکھا ورنہ علی العموم سیکڑوں دیوتا اور دیبیوں نے انسانی دل و دماغ کو مسخر کر لیا۔

مزدیستانی اور یہودی مذہب

دوسرا گروہ یعنی ایرانی آریہ عرصہ تک مزدیستانی مذہب پر قایم رہا یہ لوگ ایک خدا "اہورا مزدا" (جس کے معنی رب العلم کے ہیں) کی پرستش کرتے رہے۔ اسی کو دونوں جہان کا مالک اور کائنات کا خالق مانتے رہے۔ عالم کا انتظام امیشا اسپنتا یعنی چھ نیک ارواح یا ملائکہ مقربین کے سپرد تھا۔ جن کے متعلق زرتشت نے صاف سمجھا دیا تھا کہ یہ ملائکہ اہورا مزدا کے مخلوق ہیں (کتاب اوستا حصہ لیٹ اوّل ۱۹۱۳ء) اسی طرح تمام اجرام سماوی اور فطرت کی پوشیدہ قوتوں کے نگہبان یزتا یعنی فرشتے مانے جاتے تھے جن کا مسکن عالم بالا تھا اور جو اہورا مزدا

کے حکم کے متبع تھے۔ یہی وہ موحدانہ مذہب تھا جس کا شاہ خورس پابند تھا۔ یہود کا خدا "یہواہ" اور زردشتیوں کا "اہورامزدا" گویا ایک تھے مگر بعد کو جس وقت شاہ خورس نے شمالی ایران جس کو "میڈیا" کہتے تھے فتح کرلیا فاتح اور مفتوح ایک ہوکر ایک ہی قوم بن گئے۔ آخر رفتہ رفتہ میڈیا والوں کی عناصر پرستی اور خاصکر آتش پرستی مزدیستانی مذہب پر غالب آگئی توحید کے خیالات سلب ہوگئے اور عالم ایزد اور اہرمن دو خداؤں کے درمیان تقسیم ہوگیا اور مذہب ثنویہ کی بنیاد پڑی جس کے ماننے والے علی العموم مجوس کے نام سے مشہور ہوئے۔

الغرض یہود نے جس وقت بابل کی اسیری سے نجات پائی اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کیا۔ ان کے مذہبی خیالات میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہوگیا۔ اصل نسخہ توراۃ کا ضائع ہوگیا تھا اب ان کے علما نے اپنی یاد کے طور پر پھر کچھ ذخیرہ جمع کیا اور حضرت عزیرؑ اس کے مہتمم ہوئے[1] مگر قیام بابل میں مشرکین کے میل جول سے ان لوگوں کے خیالات بھی رفتہ رفتہ ابتر ہوگئے توراۃ کی تعلیم کے عوض اب جادو منتر وغیرہ بیہودہ خیالات میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے اور سحر کو حضرت سلیمانؑ کی تعلیم اور اُن کے عروج کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ خداے واحد کی ذات اور صفات میں تشبیہ کے قائل ہوگئے یعنی اس کو جسمانی جانکر اُس کے لئے حقیقتاً جسم اور مکان اور اعضا ثابت کرتے تھے اور اس کے لئے متناہی قدرت اور طاقت ماننے لگے یعنی یہ کہ وہ آسمان اور زمین پیدا کرکے تھک گیا اور ہفتہ کے روز آرام لیا۔ علاوہ اس کے حضرت عزیرؑ کو اس کا بیٹا ماننے لگے اور انبیاؤں کے نسبت فاسد گمان رکھنے لگے۔ ربیّوں اور احبار یعنی عالموں اور فقیہوں کا زور ہوگیا اور لوگوں نے آنکھ بند کرکے ان کے خود غرضانہ فتووں پر عمل کرنا شروع کیا۔ ایک طرف کبر ونخوت حسد اور نفسانیت نے فریسیوں اور صدوقیوں کے قلوب کو گندہ کردیا۔ دوسری طرف

---

[1] حضرت عزیرؑ کا نسخۂ توراۃ بھی شاہ انٹوکیس کے زمانہ میں ایک سو اکسٹھ (۱۶۱) برس قبل مسیح ضائع ہوگیا۔ اس ظالم بادشاہ نے تمام کتب یہود کو جلادیا اور حکم دیا کہ جس کسی کے پاس یہ کتابیں نکلیں یا جو کوئی شریعتِ یہود کی رسم بجالائے گا قتل کیا جائیگا۔ ہر ماہ میں تین بار خانہ تلاشی ہوتی۔ یہود پر یہ ظلم ساڑھے تین برس تک رہا۔ (دیکھو کتاب اول مقابی باب اول)

جہالت اور تعصب نے عوام کی آنکھوں پر پردے ڈال دئیے۔ مذہب محض راہ و رسم کا نام رہ گیا اور ظاہر پرستی کا عام رواج ہوگیا۔ اسی پر آشوب زمانہ میں جبکہ یہود کی دینی اور دنیاوی حالت ابتر ہوگئی تھی۔ خداوند کریم نے حضرت مسیحؑ کو مبعوث فرمایا۔ آپ کی پاک تعلیم بہ مقتضائے وقت محض صوفیانہ تھی جب کہ عام اور خاص سب ہی رسمیات کے پابند ہوگئے تھے۔ تعصب حد سے بڑھ گیا تھا اور جزوی مخالفتیں عداوت کے انتہائی درجہ تک پہونچ گئی تھیں، نہ علما میں خلوص تھا نہ امرا کو خوفِ خدا اور ماوشما کا کیا ذکر وہ تو پرانی لکیر کے فقیر تھے۔ ایسی عالمگیر بلا میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم کے ہر طبقے کے لوگوں کو ہیکل سلیمانی میں راہِ حق کی طرف بلانا شروع کیا مگر کسی نے بھی آپ کی نصیحتوں کو نہ سنا۔ ہر طرف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی اور ناحق شناس قسی القلب یہود جنھوں نے آپ کے ہم عصر نبی حضرت یحییٰؑ کو بے گناہ شہید کر ڈالا تھا آپ کے بھی خون کے پیاسے ہوگئے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ آپ ہی کے بارہ حواریوں میں سے جو گلیلی کے ماہی گیر تھے ایک شخص مسمی یہودا نے یہودیوں سے مخبری کر کے آپ کو گرفتار کرادیا اور دوسرے حواری پطرس نے (جن کے نام کا عالی شان کلیسا شہر روما میں اہل نظر کو یقین دلا رہا ہے کہ دیکھو جس طرح پطرس نے اپنے آقا کے رفیق ہونے سے تین مرتبہ انکار کیا اس طرح میں بھی دین عیسوی کے سچے کلیسا ہونے سے اپنی تثلیث کی زبان سے انکار کرتا ہوں) اپنے ہادی برحق کا ساتھ چھوڑ دیا اور باقی حواری فرار ہوگئے۔ آخر وہ معصوم نبی اللہ بے کسی کی حالت میں طرح طرح کی اذیتیں سہہ کر عالمِ بالا کو رخصت ہوگیا۔

حضرت عیسیٰؑ کا زمانۂ رسالت صرف ڈھائی تین برس تک رہا[1]۔ ایسی قلیل مدت میں آپ رسالت کے فرائض کیونکر ادا کرسکتے تھے۔ تاریخ ارض مقدس کا مصنف کہتا ہے "جس دین اور جن اصول کی تکمیل کے لئے حواریین آمادہ ہوئے تھے وہ بظاہر اسباب ابھی تک بالکل نامکمل نظر آتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کو تبلیغ ہدایت خلق اللہ کی بہت کم مہلت ملی تھی، صرف تین سال کے اندر بعثت، نبوت، تبلیغ اور شہادت یا غیبت جو سمجھئے سب باتیں ختم ہوگئیں۔ سوا ان چند موقعوں کے جب آپ نے مقتدایان یہود

حضرت مسیح کی تعلیم بمقتضائے وقت محض صوفیانہ تھی

حضرت مسیحؑ دین کو نا تمام چھوڑ گئے

[1] "حیات مسیح" مصنفہ اڈورڈ کلاڈ د موسیو رنیان ۱۲-

سے مباحثہ کیا یا اُن خاص اوقات کے جب آپنے کسی مجمع میں کھڑے ہوکے پند اور نصائح کا دروازہ کھول دیا اور کوئی ایسا دستور العمل ہی نہیں مل سکتا تھا جس کی پابندی میں کوئی خاص شریعتِ عیسوی قائم کی جاسکتی۔ اُس دین کو حضرت مسیحؑ یہاں تک ناتمام چھوڑ گئے تھے کہ کوئی خاص طریقۂ عبادت ہی آپ نہیں تعلیم کرنے پائے تھے۔ چونکہ آپ کی نبوت کی زندگی صرف مروجہ اور حد سے گذرے ہوئے رسوم اور قیود کے توڑنے ہی میں مصروف رہی لہذا ابتدائی عہد کے مسیحیوں نے جب آپ سے چھوٹنے کے بعد غور کیا تو اُن کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اُس خدائے واحدِ ذوالجلال کی پرستش کرنا چاہیں تو کیونکر کریں"

واقعی حضرت عیسیٰؑ کے بعد حواریوں کو ناخدا ترس یہود کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں پہنچنے کے علاوہ یہ اور مصیبت پیش آئی کہ خاص شریعت عیسوی کیونکر قائم کی جاوے۔ یہی سبب تھا کہ دین عیسوی ابتدا ہی سے بدعتوں کی خلل اندازی سے مسخ ہوگیا۔ سب سے پہلے جس شخص نے یہ فتنہ بپا کیا وہ پولوس تھا۔ جس کو مسیحی دنیا "سینٹ پال" کے نام سے یاد کرتی ہے اور مذہبی اصول میں اپنا امام مانتی ہے۔ بیت المقدس میں یہ شخص اپنے آپ کو یہودی ظاہر کرکے ذلیلوں کی جماعت میں ملگیا، حالانکہ رومی الاصل تھا (کتاب اعمال ۲۲ آیت ۵ لغایۃ ۲۸) یہودی بنکر اس شخص نے حواریوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ان کو مارا باندھا، قید کیا، یہاں تک کہ سچے دین عیسوی کی منادی کرنے والے اسٹیفن حواری کے شہید کرنے میں خود بھی شریک تھا (اعمال ۲۲ آیت ۱۹ و ۲۰) تین برس تک اسیطرح ظلم کرتا رہا آخر کو یہودیوں سے بھی بیزار ہوگیا اور اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرکے ۳۵ء میں حواریوں سے جاملا اور حضرت عیسیٰؑ کے بشارت دینے اور اپنے اوپر روح القدس کے نازل ہونے کی عجیب و غریب کیفیت ایسی آب و تاب سے بیان کی کہ سب دنگ ہوگئے اور سمجھے کہ یہ تائید غیبی ہے کہ ایسا ظالم گمراہ توبہ کرکے راہ راست پر آجائے (اعمال باب ۹ آیات ۱۹ و ۲۶)

پولوس نے اگرچہ دین عیسوی کے اشاعت میں بہت کوشش کی مگر اصول مذہبی بالکل بدل دئیے نامہ گلاتیون کے باب ۱ آیت ۸ لغایت ۱۲ میں آپ لکھتے ہیں "اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ

پولوس یعنی سینٹ پال اور اُس کی بدعتیں

سوائے اس انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی دوسری انجیل تم کو سنائے وہ ملعون ہے۔ اے
بھائیو! میں تم کو جتاتا ہوں کہ وہ انجیل جس کی میں نے خبر دی انسان کے طور پر نہیں، اس لئے کہ
میں نے اس کو کسی آدمی سے نہ پایا نہ کسی نے مجھکو سکھایا۔ پر وہ یسوع مسیح کے الہام سے مجھکو ملی"
اس طرح لوگوں کے دلوں پر اپنے تقدس کا سکہ بٹھا کر پولوس نے حواریوں کو (جنہوں نے حضرت
عیسیٰ کی رفاقت میں آپ کی نفس تعلیم اور "ابن آدم" کی اصل حقیقت اپنی استعداد کے موافق
سمجھی تھی) برا بھلا کہنا شروع کیا اور آخر میں پطرس اور برناباس حواریوں کے متعلق صاف
کہدیا کہ وہ انجیل کی سچائی پر سیدھی چال نہیں چلتے" (نامہ گلاتیون باب ۲ آیت ۱۴)۔ رفتہ رفتہ

دین عیسوی میں ابتدا ہی سے تفرقہ پڑ گیا

پولوس کا اقتدار بڑھتا گیا۔ یونان اور روم کے شہروں میں پھر پھرا کر اس شخص نے دین مسیحی
کو مشرکین کے عقائد کے قالب میں ڈھالکر معتقدین میں اپنی بدعتیانہ تعلیم کی اشاعت کر دی
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد وہ لوگ جو ابھی تک جوپیٹر اور زیوس کی پوجا کرتے تھے اب جناب
مسیح کو ابن اللہ کہنے لگے اور خدائی کارخانہ کا شریک اور منتظم ماننے لگے آپ کی مختصر پر درد زندگی
اس انداز سے ذکر ہونے لگی کہ بنی آدم کی نجات کے واسطے خدا نے اپنے پیارے اکلوتے بیٹے کو
دنیا میں بھیجا جو طرح طرح کی مصیبتیں سہکر اور آخر مصلوب ہو کر مخلوق کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا
معتقدین پولوس انھیں مسائل کے پابند ہو گئے۔ مرقس اور لوقا نے جو اس کے شاگرد رشید تھے
اپنی اپنی انجیلیں لکھیں اور اپنے اوستاد کی تعلیم "جنٹائلز" (یعنی غیر یہود) میں فروغ دیا اور حواریوں
کی سچی تعلیم صرف ناصریوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔ اس طرح دین عیسوی میں ابتدا ہی سے تفرقہ
اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ کثرت سے فرقے پیدا ہو گئے سیکڑوں جھوٹی انجیلیں بن گئیں اور

قسطنطین اعظم اور نیقیہ کی کونسل تثلیث کا عقیدہ

بزرگوں کے نام سے منسوب ہو گئیں۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق نئے نئے مسئلے چھڑنے لگے کوئی الوہیت
کا قائل ہو گیا کسی نے حلول کے طور پر مظہر خدا قرار دیا اور ہر طرف ایک طوفان مچگیا۔ یہاں تک

دین عیسوی بزور شمشیر پھیلا

کہ ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم شہنشاہ روم نے جس نے تین برس پیشتر پولوس کا سکھایا ہوا دین
مسیحی قبول کیا تھا، شہر نیقیہ میں ایک عظیم الشان کونسل قائم کی جہاں ان مختلف فرقوں کے

مسائل پر بحث ہوئی اور آخر تثلیث اور کفارہ کا مسئلہ اصول دین قرار پایا اور صلیب شعار دین۔
قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ "اُسارِس" انکا بڑا دیوتا "آسیس" کنواری دیبی سے پیدا ہوا
اور مر کر پھر جی اُٹھا۔ اور مخلوق کی نجات کا باعث ہوا۔ کونسل نے اس عقیدہ کو حضرت مسیحؑ کے
متعلق بعینہٖ تسلیم کیا اور دین عیسوی مصریوں یونانیوں اور رومیوں کے عقاید سے مل جل کر ایک
طرفہ معجون بن گیا۔ جس کو قسطنطین نے اپنے ممالک محروسہ میں بزور شمشیر پھیلایا۔ ہر طرف تثلیث کی
منادی ہوگئی اور عالم میں توحید کے ماننے والے عنقا ہوگئے۔ مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور جنوبی
یورپ میں باپ بیٹا اور روح القدس کا دور دورہ ہوگیا۔ ایران اور اُس کے توالعات ایزد
اور اہرمن میں تقسیم ہوگئے۔ باقی ممالک خاصکر چین اور ہندوستان میں سیکڑوں دیوتاؤں کے رجواڑے
قائم ہوگئے۔ جس وقت دنیا کی یہ حالت ہوگئی کہ ہر طرف شرک اور کفر کی ظلمت نے خلق خدا کے
دیدۂ دل پر پردہ ڈالدیا مشہور بانیانِ مذاہب کی سچی تعلیم افسانہ ہوگئی اور دین محض راہ و رسم کا
نام رہ گیا اُس وقت رحمت الٰہی (جو ہر زمانہ میں اپنے بندوں کی ہر قوم میں شامل حال رہی تھی)
اب مجموعی حیثیت سے تمام عالم کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئی۔ کیوں نہیں ؎

جب تمام عالم میں توحید کے خیالات سلب ہوگئے اُس وقت آنحضرتؐ تمام عالم کی ہدایت کو مبعوث ہوئے

عمرے باید کہ یار آید بہ کنار

ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

مکہ کی ایک گلی میں ایک مقدس بزرگ جلدی جلدی قدم اُٹھائے جارہا ہے۔ بشرہ سے خوف کے
آثار پائے جاتے ہیں۔ قلب طاہر تھرتھرا رہا ہے۔ ہیبت چھائی ہے خدا ہی خوب جانتا ہے کہ یہ کیا
کیفیت ہے اور وہی خوب سمجھ رہا ہے جس پر یہ حالت طاری ہے۔ گھر پہونچتے پہونچتے طاقت جواب
دیتی ہے زملونی زملونی (مجھے اُڑھادو، مجھے اُڑھادو) کے الفاظ زبان پاک پر جاری
ہیں۔ ایک نیک بخت خاتون لحاف اُڑھا دیتی ہے کہ یکایک تھوڑی دیر کے بعد یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ
قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ (ترجمہ) اے چادر میں لپٹے
ہوئے اُٹھ اور خدا کے عذاب سے ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف

رکھا اور نجاست سے الگ رہ) کی وحی نازل ہوتی ہے اور وہ بزرگوار اُٹھ بیٹھتا ہے۔[1]

آنحضرت نے توحید کو کامل کرکے راسخ کردیا

غارِ حرا میں سورۂ اقرا کے نازل ہونے کے بعد یہ پہلی وحی تھی جو آنحضرتؐ پر چھ ماہ بعد نازل ہوئی جس میں پہلے پہل تبلیغ رسالت کا حکم ہوا۔ سب سے بڑا فرض جس کے ادا کرنے کے واسطے آپ من جانب اللہ مامور ہوئے وہ یہ تھا کہ توحید کی سچی تعلیم انتہاے کمال تک پہونچاویں اور پھر اُس خوبی کے ساتھ راسخ کردیں کہ کبھی کسی قسم کا فتور نہ آئے۔ اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو اُس کو صاف معلوم ہوجائے گا کہ اس مہتم بالشان مسئلہ توحید کے یہی دو امور یعنی توحید کی تکمیل اور پھر اُس کو راسخ کردینا صرف آپ ہی کی ذات پاک پر آلہ رہے تھے۔ اس تحریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں آنحضرتؐ ہی نے پہلے پہل توحید کی تعلیم دی، حالانکہ انبیاے سلف اور ہادیانِ ماسبق اُس مسئلہ کو تلقین کرچکے تھے (جیسا کہ اوپر مشہور بانیان مذاہب کی نسبت ثابت کیا گیا ہے) بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت رسولِ خدا نے کمال وسعت نظر سے ہر قوم کے ہادیوں کی تعلیم کو جو اُس زمانے اور اُن طبیعتوں کے مقتضی تھی وقعت کی نظر سے دیکھکر اور اسکی حقانیت کو تسلیم کرکے بہ حیثیت مجموعی اُسی کی تکمیل اور اصلاح کردی۔ تاریخ شاہد ہے کہ خدا کے وجود کا یقین مہذب اور وحشی سب ہی قوموں میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے اور بعض قوموں میں ترقی کرتے کرتے توحید کا خیال بھی پیدا ہوگیا تھا مگر یا تو (۱) تشبیہ کے درجہ تک رہ گیا جیسا کہ یہود نے خدا کو مجسم تصور کیا اور نصاریٰ اتحاد اور حلول کے قائل ہوگئے یا (۲) تنزیہ کے درجہ تک پہونچنے میں راہ بھول گیا۔ جیسا کہ عقلاے ہند نے اُپنشد میں ایک وجود مطلق "پرم برہما" کا تصور کیا اور اُس کو ہر قسم کی صفتوں سے اس طرح بری کردیا کہ حقیقت میں بالکل معطل اور بیکار ہوگیا، تاثیرات عالم کے اسباب سیکڑوں مستقل دیوتا قرار پائے اور اس طرح خاص اور عام شرک فی الصفات میں مبتلا ہوگئے۔ "سکیا سمہا"، جو بعد کو گوتم بودھ کے لقب سے مشہور ہوا اگرچہ اس کے حالات زندگی پارسیوں کے پیمبر اسپیتما زرتشترا کی طرح تاریکی کے پردے میں

یہود اور نصاریٰ تشبیہ اور حلول کے قائل تھے

عقلاے ہند نے "پرم برہما" کی تنزیہ کرتے کرتے اسکو بالکل معطل سمجھ لیا تھا

گوتم بودھ نے دیوتاؤں کی نفی کی مگر ایک ذات واحد کا اثبات نہیں کیا

[1] بخاری باب بدء الوحی ۱۲

پڑے ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ عقلائے ہند میں اسی شخص نے تخمیناً پانچ سو برس قبل مسیح ایک خاص مذہب قائم کیا جس میں پہلے پہل وید کے کلام الٰہی ہونے سے اور برہمنوں کے دیوتاؤں سے انکار کیا اور ذات برادری کی سخت زنجیروں کو توڑ کر برہمن اور شودر سب کو یکساں تعلیم دینے کا حق ثابت کیا مگر مسئلہ توحید ویسا ہی مبہم رہا۔ گوتم نے دیوتاؤں کی نفی کر کے کسی ایک وجود کا اثبات نہیں کیا۔ یعنی اُس کا ذہن رسا صرف ہمارے کلمہ طیبہ کے پہلے جزو لا الٰہ تک محدود رہ گیا۔ ممکن ہے کہ خود گوتم ذات واحد کا قائل ہو مگر اس خیال سے کہ اس ذات پاک کا معما

مسئلہ نروان

محض حکمت اور فلسفہ سے جس میں اس وقت کے عقلائے ہند سرگرداں ہو کر بحث و جدال میں پڑ گئے تھے حل نہیں ہوتا اس لئے یہ بحث چھیڑنا ہی عبث ہے بس نجات کے واسطے یہی کافی ہے کہ اس دار المحن دنیا میں انسان نفس کشی کر کے رنج و راحت کے خیالات چھوڑ دے اور فنائے مطلق یعنی نروان کے مرتبہ تک پہونچ جائے۔ پیروان بودھ میں یہی اخلاقی تعلیم اصل اصول رہی اور وجود باری تعالیٰ کا خیال مٹتے مٹتے بالکل فنا ہو گیا اور الحاد کا دروازہ کھل گیا۔

حکمائے یونان کے خیالات بھی عقلائے ہند کی طرح ناقص ہیں

عقلائے ہند کی طرح حکمائے یونان کا بھی یہی خیال رہا۔ علت العلل عقل اول کو پیدا کر کے الگ ہو گیا پھر کائنات کا سارا کارخانہ مقولات عشرہ کے بل پر چلنے لگا اور انھیں کا عمل دخل ہو گیا۔ گویا واجب الوجود قادر مطلق نہ رہا۔ مسئلہ توحید میں یہی وہ نقائص تھے جن کو آنحضرتؐ نے دور فرمایا

سورۂ اخلاص اور توحید فی الذات، توحید فی الصفات اور توحید فی العبادات

اور نہایت فصیح اور بلیغ اور ساتھ ہی پُر اثر الفاظ میں عالم اور جاہل فلسفی اور عامی سب کو صاف سنا دیا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (ترجمہ) کہدے وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے) واقعی توحید کامل کا سچا فوٹو یہی ہے توحید فی الذات توحید فی الصفات توحید فی العبادت کی جیتی جاگتی تصویر یہی سورۂ اخلاص ہے۔ یہود و نصاریٰ مجوس، فلاسفہ، ملاحدہ غرض کہ ہر ایک مقر اور منکر خدا کے اصلاح خیال اور تکمیل تصور کے واسطے یہ پاک الفاظ جو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے متن کی شرح ہیں سچی دلیل راہ ہیں۔ اس

توحید کامل کے یقین کا جو دل پر اثر پڑتا ہے اس کو مصنف "الکلام" نے کیا خوب ادا کیا ہے وہ لکھتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اطاعت۔ انقیاد۔ خشوع۔ استقلال۔ توکل اور اخلاص کی حالت اسی وقت دل پر طاری ہو سکتی ہے، جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں، تمام ضرورتوں، تمام امیدوں، تمام اغراض، تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے۔ انسان میں استقلال، آزادی، دلیری بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے اس کا سر ہر آستانہ پر جھک جانے کے لئے تیار رہتا ہے (الکلام جلد دوم ص۶۲ مولانا شبلی مدظلہ)

آنحضرتؐ نے توحید کامل کی تعلیم ایسی راسخ کر دی کہ اب غیر قومیں بھی توحید کی معتقد نظر آتی ہیں

دوسری بات یعنی توحید کا راسخ کر دینا کہ پھر کبھی فتور نہ آسکے آنحضرتؐ ہی کا حصہ تھا۔ جس قدر بانیانِ مذاہب گذرے ہیں ان کی تعلیم میں یہ امر خاص طور سے ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا، کہ خود اپنے درجہ کی تشریح کر دیں اور خدا اور رسول کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دیں تاکہ ان کے پیروؤں کو غلط فہمی نہ ہو سکے۔ یہی وہ کمی تھی جس نے توحید میں بعد کو خرابیاں پیدا کر رکھی تھیں۔ اسی وجہ سے یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہنے لگے۔ ہنود رام اور کرشن کو اوتار ماننے لگے۔ مگر آنحضرتؐ نے اپنی امت پر فرض کر دیا کہ ہر روز پنجوقتہ پڑھا کریں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یعنی اس وحدہ لا شریک کے مقابلہ میں تمام انبیا اور رسول خواہ وہ محمد رسول اللہ ہی کیوں نہوں عاجز و ناتوان ہیں اور مجالِ دم زدن نہیں رکھتے۔ یہی عبدیت کا درجہ ہے جس کی تعلیم اور تشریح نے توحید کو راسخ کر دیا۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ مسلمان تو مسلمان آج اگر کسی تعلیم یافتہ ہندو سے پوچھیے تو صاف کہدے گا کہ میں توحید کا قائل ہوں کرشن، برہما مہادیو۔ ذات واحد کے مختلف صفات کے نام ہیں۔ کسی شائستہ پارسی سے دریافت کیجیے جھٹ کہدے گا کہ میں آہرمن اور آیزد دو خداؤں کو نہیں پوجتا۔ مہر تاباں اور آتش سوزاں ہماری مسجد ہیں نہ کہ مسجود۔ اسیطرح یہود اور نصارےٰ صاف کہدینگے کہ ہم سچے موحد ہیں تشبیہ او

اتحاد کیا۔ غرضکہ یہ آنحضرت کا فیض ہے جنہوں نے توحید کو کامل کر کے رائج کر دیا۔ زمانہ لاکھ ترقی کر جائے مگر توحید قرآنی کے درجے سے آگے کوئی درجہ ہی نہیں۔ اسیطرح اگر عالم میں ہزاروں انقلاب پیدا ہوں اور اہل اسلام مغلوب ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر لا الہ الا اللہ کے طیب کلمے جو نفی اور اثبات کے ذریعہ سے تشبیہ اور تنزیہ کے پیچیدہ مسئلہ کو حل کرتے ہیں۔ نوشتۂ ازل کی طرح محو نہیں ہو سکتے اور ساتھ ہی وہ جزو لاینفک جس کی تصدیق کے بغیر توحید کامل کا نتیجہ مترتب ہی نہیں ہو سکتا یعنی محمد الرسول اللہ ابد تک مٹ نہیں سکتا اور کیونکر مٹ سکتا ہے یہ وہ نقش ہے جو توحید کامل کے رائج الوقت سکہ پر کندہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں باقی کھوٹے کھرے سب ٹکسال باہر ہیں۔

اسلامی توحید اور رسالت جزو لاینفک ہیں

حقیقت یہ ہے کہ جس خدائے کامل کے تصور کی اس اُمی نبی نے تعلیم دی اُس کو انسان اپنے خیال سے خود پیدا نہیں کر سکتا بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کرا سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ جو کلام مجید میں مذکور ہیں موصوف ہے۔ فرانس کا مشہور فاضل "کانٹ ہنری دی کاستری" اپنی کتاب اسلام میں لکھتا ہے:-

فرانس کے مشہور فاضل "کانٹ ہنری دی کاستری" کی گواہی

"اُن روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں کے عقاید بالمشافہ حاصل کئے تھے فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ ان سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہاں قرآن اور توراۃ کی آیتیں ہم مضمون ہیں لیکن پھر بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمد میں یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا جو اُنکے جسم اور روح پر بالکل چھا گیا۔ یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد توراۃ اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو۔ اگر محمد نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینک دیا ہوتا کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمد کے زبان سے ادا ہونا اُن کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامور تھے"

سبحان اللہ جب منصف مزاج مخالفین کا یہ حال ہے کہ کس خوبی سے آپکے رسالت کی صداقت کرتے ہیں تو پھر دل دادہ متبعین بساختہ وجد میں آکر کیونکر نہ بول اٹھیں ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مومنین اوّلین

الغرض جس وقت آنحضرتؐ کو تبلیغ رسالت کا حکم ہوا آپنے اپنے گھروالوں کو جو آپکے تمام حالات سے واقف تھے آپ کی خو بو جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ آپ میں خلوص اور صداقت کہاں تک ہے راہ حق کی طرف بلایا۔ سب سے پہلے حضرت ام المومنین خدیجہؓ نے صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھا۔ بعد ازاں حضرت علیؓ مرتضیٰ جن کا سن شریف ابھی دس ہی برس کا تھا اور آنحضرتؐ کے سایہ عاطفت میں پرورش پا رہے تھے راہ حق اختیارؓ فرمائی۔ ساتھ ہی آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جو آپکے ہم سن تھے اور ابتدا ہی سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، دعوتِ اسلام دی۔ حضرت ابو بکر جو آنحضرت کی راستبازی اور راست روی سے خوب واقف تھے پیغام خدا سنتے ہی فوراً ایمان لائے اور جان و دل سے دین حق کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوگئے۔ اور اپنے یاروں اور دوستوں کو راہِ حق اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ ابن وقاص، حضرت عبد الرحمنؓ ابن عوف یہ پانچوں بزرگوار جو عشرہ مبشرہ کے مبارک زمرہ میں داخل ہیں آپکے ساتھ حضرت رسولؐ خدا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ پھر بتدریج حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، حضرت بلالؓ، حضرت اسماؓ بنت ابو بکرؓ اور حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب نے اسلام قبول کیا اور اس طرح بہت جلد ایک مختصر گروہ حضرت خاتم النبیینؐ کے فیض تعلیم سے وحدہ

لہ بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضرت ابو بکرؓ ایمان لائے۔ مگر اصل یہ ہے کہ پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے مگر بہ رعایت جناب ابو طالب اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ آپکے بعد ایمان لائے مگر اپنا اسلام ظاہر کر دیا اس لئے لوگ اشتباہ میں پڑے اور اختلاف روایت پیدا ہوگیا (کتاب استیعاب ابن عبد البر بہ روایت محمد بن کعب قرظی۔ ماخوذ از قرۃ العیون جلد اول صفحہ ۱۷) شیعہ سنی ناحق اس معاملہ میں جھگڑتے ہیں دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں بزرگوں نے اسلام قبول کرکے دین حق اور اوس کے بانی کی کیا کیا خدمتیں کیں ۱۲

لاشریک خدا پر ایمان لایا اور عالم میں توحید کامل کی منادی کی ابتدا شروع ہوگئی اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

جہادِ اکبر

خنجر تسلیم

مسیحی دنیا میں علی العموم یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ خیر اگر اس جملہ کے یہ معنی سمجھے جاتے کہ "اتمام حجت کے بعد اسلام پر جب مفسدوں نے اس کے قلع قمع کرنے کے واسطے حملہ کیا اس نے بھی راہ خدا میں سر بکف مردانہ وار قدم رکھا مگر خوش نصیب تھا کہ اس کی فتح ہوئی اور پھر اسی کا سکہ بیٹھ گیا" تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ تاریخ بھی یہی شہادت دیتی ہے کہ اسلام کا شیریں چشمہ سلامت روی کے ساتھ بہ رہا تھا اور "مردم و مرغ و مور" سب ہی فیضیاب ہو رہے تھے۔ گو چند سنگ دل سدِ راہ ہوئے۔ اس میں بھی جوش پیدا ہوا اور آناً فاناً تیزی کے ساتھ بہ کر دریاے رواں ہوگیا اور کشتِ عالم کو سرسبز کر دیا۔ مگر ستم تو یہ ہے کہ مسیحی دنیا اور اُس کے دیکھا دیکھی اور مخالفین اسلام بھی اس دھوکا دینے والے جملے کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اسلام مذہبِ شمشیر ہے اور خود شارع اسلام نے بجبر اسلام کو پھیلایا۔ مخالفین کہنے کو جو چاہے کہیں لیکن اگر کوئی شخص ذرا بھی انصاف کی نظر سے دیکھے تو معلوم ہو جائے گا کہ نصف سے زائد مدت رسالت مکہ میں گذری شارع اسلام نے وہاں کس تلوار کے زور سے سینکڑوں مسلمان کر لئے۔ ایسے مسلمان جنہوں نے دین حق قبول کرنے کے عوض میں کافروں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں سہیں مصیبتیں اُٹھائیں مگر راہ حق سے منہ نہ موڑا اور اپنے ہادی برحق کا دامن کسی طرح نہ چھوڑا ایسے مسلمان جو صدق، عدل، حلم اور علم کے مجسم یادگار تھے جنہوں نے رسالت کی نورانی مشعل سے اپنے قلوب کے چراغ روشن کر لئے اور بزم جہان کو پُرنور کر دیا ایسے مسلمان کس تلوار کے زور سے ایمان لائے۔ مگر نہیں تلواریں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ظاہر پرستوں نے صرف لوہے کی تلوار دیکھی ہے جو جسم اور روح میں جدائی پیدا کر دیتی ہے وہ تلوار نہیں دیکھی جو دلوں کو گھائل کر دیتی ہے اور جسم صحیح و سالم ہنیں ہنیں جس کے ہر زخم پر ایک

تازہ روح پیدا ہو جاتی ہے کیوں نہیں ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

درد آشنا دل کہاں ہیں "خنجر تسلیم" کے کشتوں کی داستان سُننے کو جگر تھام کر بیٹھیں رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں)

ابتدا میں آنحضرتؐ نے ایک ایک دو دو شخصوں کو اسلام کی دعوت دی یہاں تک کہ تین برس کی مدت میں تین مرد اور عورتوں نے صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھا اور بت پرستی چھوڑکر وحدہ لاشریک خدا کی عبادت میں مشغول ہوئے۔ کفار قریش حیرت سے دیکھتے تھے کہ یہ کیا مذہب ہے کہ سامنے تو کوئی چیز نہیں مگر فرش خاک پر بار بار سجدہ کر رہے ہیں۔ کچھ نہیں اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ اللہ اللہ یہ کلمہ اس کی شان میں استعمال کر رہے ہیں جس کو اسکی دیانت، امانت، لیاقت، فرزانگی اور مروت کے عوض میں کس جوش کے ساتھ الامین کا لقب دیا تھا اور آج اسی کو کوئی مجنون کوئی شاعر کوئی کاہن کہتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ توحید کامل کی تعلیم دیتا ہے "خُلُقٍ عَظِيْمٍ" کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے اور اسرار غیب سے آگاہ کرتا ہے۔ حضرت رسول خدا یہ دل خراش الفاظ سنتے تھے مگر فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ کی تعمیل کرتے تھے۔ تین برس تک یہی حال رہا۔ نبوت کے چوتھے سال آپ کو حکم ہوا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (پس تجھے جو حکم ہوا ہے اُس کو کھول کر سنا دے اور مشرکین کی مطلق پروا نہ کر) آپنے کفار کے طنز اور استہزا کی کچھ پروا نہ کرکے برملا دعوت اسلام شروع کر دی اور ایک دن کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو نام بنام پکارنا شروع کر دیا۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جس وقت قریش کا جس میں آپکے اعزا و اقربا بھی شریک تھے پورا مجمع ہو گیا آپنے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم مجھکو سچا جانتے ہو کہ نہیں قریش نے یک زبان ہو کر ؎

کہا سب نے قول آجتک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھکو ایسا تو باور کروگے اگر میں کہوں گا؟
کہ فوجِ گراں پُشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمھیں گھات پاکر
کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر میری بات یہ دل نشیں ہے تو سُن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنے والا

پھر آپنے اپنے اعزا کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ میری قرابت پر ہرگز نہ بھولنا اپنی اپنی فکر کرو کیونکہ صرف اپنے اپنے اعمال ساتھ جائینگے۔ پس اے اہل قریش میری بات سنو اور صدق دل سے کلمۂ طیبہ پڑھو۔ جس وقت آپ تقریر ختم کر چکے آپ کا چچا ابولھب جس کو بجز دنیا کمانے کے اور کچھ خیال ہی نہ تھا، بول اُٹھا، "بس اسی واسطے آپنے ہم کو سارے دن پریشان کیا"۔ قریش نے یہ سُنکر اپنی اپنی راہ لی۔ مجمع پراگندہ ہوگیا اور وہ ناصح مشفق ان کی حالت زار پر افسوس کرتا ہوا پہاڑ سے اُتر آیا۔

قریش مکہ کی ہجو

آنحضرتؐ نے اب اعلان کے ساتھ بت پرستی کی بُرائیاں بیان کرنا شروع کیں اور ہر ایک کو برملا خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت کی طرف بُلانا شروع کیا۔ مگر جس قدر آپ ان کی اصلاح کے واسطے کوشش فرماتے تھے اُسی قدر یہ ناحق شناس آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے اور اپنی عاقبت خراب کرتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حج کے ایام میں جب کہ دور دور سے لوگ آتے تھے اور آنحضرتؐ ان نو واردوں کو دعوت اسلام دینے جاتے تھے کفار قریش پہلے ہی سے جڑ دیتے تھے کہ ہمارے یہاں ایک ساحر پیدا ہوا ہے خبردار اس کی بات نہ سُننا ورنہ مفت میں خراب ہوگے۔ لوگ یہ سُنکر اُکھڑ جاتے تھے اور کوئی آپ کی بات نہ سُنتا تھا۔ آپ جدھر سے نکلتے تھے کوئی گالیاں دیتا تھا کوئی ڈھیلے مارتا تھا۔ کوئی جسم پاک

پر خاک ڈالتا تھا۔ ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا جس وقت آپ فرماتے تھے "اللہ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ جانو"، تو وہ بول اٹھتا تھا "دیکھو ہرگز اپنے باپ داداؤں کے دین سے نہ پھرنا"۔ ام جمیل ابولہب کی عورت جنگل میں جا کر کانٹے چن لاتی تھی اور آپ کی راہ میں بچھا دیتی تھی تاکہ پائے مبارک لہولہان ہو جائیں۔ آپ کو خدا کی عبادت میں مشغول دیکھکر ان لوگوں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی۔ ایک دن آپ سجدہ میں تھے کہ ایک کافر لپکا اور اپنی پگڑی کا پیچ ڈالکر گلا گھوٹنے لگا حضرت ابوبکر صدیق دوڑے اور اس کافر کا شر دفع کر کے فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے) اسی طرح ایک روز آپ کعبے کے قریب نماز پڑھتے تھے ایک بے ادب اٹھا اور اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپ کی پشت مبارک پر رکھ دی، کفار یہ دیکھکر مارے ہنسی کے لوٹنے لگے[۵۱]۔ یہ تمام اذیتیں آپ سہتے تھے مگر نصیحت کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ کفار کا یہ ظلم آخر حضرت ابوطالب سے دیکھا نہ گیا۔ اگرچہ آپ نے کفار کے طنز کے خیال سے اپنے آبائی دین کو نہ چھوڑا۔ مگر دل میں تصدیق رسالت کا نقش بیٹھ گیا جس کا اظہار آپ کی چند مشہور بیتوں[۵۲] سے جو آنحضرت کے شان میں کہیں ہیں ہوتا ہے۔ آپ نے تمام بنی ہاشم کو جمع کر کے آنحضرت کی حمایت پر

---

۵۱ ماخوذ از ابن ہشام صفحات ۲۷۷ و ۲۸۰ و ابن الاثیر جلد دوم صفحہ ۲۰۔

۵۲ وہ اشعار یہ ہیں:-

ودعوتنی وعلمت انک ناصحی — ولقد صدقت وکنت فیہ امینا

اظہرت دینا قد علمت بانہ — من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃ وحذار مسبۃ — لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

(ترجمہ) اور تو نے مجھے دعوت اسلام دی، اور میں نے جانا کہ بیشک تو میرا خیر خواہ ہے اور بیشک، تو نے سچ کہا اور تو اس میں امانت دار ہے۔ تو نے ایک دین ظاہر کیا اور تحقیق میں نے جانا کہ یہ دین خلق کے دینوں سے بہتر ہے۔ اگر مجھے ملامت کا اندیشہ اور گالی کا خوف نہ ہوتا تو تو مجھے اس میں کھلا ہوا جوانمرد پاتا (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۶۷)

آمادہ کیا اور کفار سے صاف کہدیا کہ اب آیندہ ایذا رسانی کا نتیجہ باہمی جدال کے سوا کچھ نہیں ہے
حضرت ابو طالب کی اس پُر جوش کارروائی سے کچھ عرصہ کے واسطے آنحضرت پر اس قدر سختی کم
ہوگئی۔ مگر کفار نے اب ایک دوسرا طریقہ آزار پہونچانے کا نکالا۔ ان لوگوں نے مل کر باہم
یہ عہد کیا کہ جس کسی کا کوئی عزیز قریب یا لونڈی غلام مسلمان ہوجائے اُس کو چاہئے کہ اُس کی
ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے۔ یہاں تک کہ عاجز ہوکر خود ہی باز آجاوے اور دین کی آیندہ
ترقی محدود ہوجاوے مگر شیدائیان حق کے سامنے جسمانی آزار کیا چیز ہے جس قدر ان پر سختی ہوتی
تھی اسیقدر ان کا استقلال بڑھتا جاتا تھا۔ ان جوانمردوں میں ایک حضرت بلال ؓ تھے جو اُمیہ بن خلف
کے حبشی غلام تھے۔ قریش کے باہمی عہد کے موافق اُمیہ نے جو مکہ کا ایک بڑا دولتمند تاجر اور
با اثر شخص تھا حضرت بلال کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں۔ گرمیوں میں دوپہر کے وقت
بطحاے مکہ کی تپتی ہوئی ریگ پر ہر روز آپ کو ننگی پیٹھ لٹا دیتا تھا اور اوپر سے ایک بھاری
پتھر سینہ پر رکھکر کہتا تھا۔ کہ جبتک دین محمدی سے باز نہ آؤگے اسیطرح اذیت دیتا رہونگا۔ مگر
اس ثابت قدم کو کسی طرح لغزش نہ ہوئی۔ گرمی سے کلیجہ پھکتا تھا زبان سوکھکر کانٹا ہو جاتی
تھی اور نزع کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ مگر اللہ رے ذوق آتش شوق اسیطرح بھڑکتی تھی۔
سینہ پر پتھر تھا مگر دلِ بیتاب ، ہاتھوں اُچھل رہا تھا۔ زبان خشک ہوگئی تھی مگر اَحَدٌ اَحَدٌ کا
وظیفہ جوش و خروش کے ساتھ جاری تھا۔ دن کو اس مصیبت سے سامنا تھا شب کو اُمیہ کا حکم تھا
کہ ایک تنگ و تاریک مکان میں بند کرکے صبح تک کوڑے پڑتے رہیں۔ کچھ عرصہ تک آپ انھیں
مصیبتوں میں مبتلا رہے آخر ایک شب کو حضرت ابوبکر کا اُس طرف گذر ہوا اور اس بیکس
مظلوم کی آہ و زاری سنکر تڑپ گئے۔ صبح کو اُمیہ کے پاس تشریف لے گئے اور چالیس اوقیہ
چاندی اور اپنے ایک کارداں رومی غلام نسطاس کے عوض میں حضرت بلال ؓ کو خرید لیا اور
آنحضرت کی خدمت میں حاضر کرکے خدا کی راہ میں آزاد کردیا[1]۔ اسیطرح چھ اور لونڈی غلاموں

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶

سو جنہیں اُن کے مالکوں نے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے طرح طرح کی اذیتیں دے رکھی تھیں خرید کرکے آزاد کر دیا[۱]۔

یاسرؓ اور سمیہؓ کی شہادت

کفار کی ایذا کچھ انہیں جوانمردوں تک محدود نہ رہی چند ایسے بھی جانباز تھے جن پر اس قدر سختی ہوئی کہ اسی حالت میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت عمارؓ کے والدین یاسرؓ اور سمیہؓ ابوجہل کے ہاتھوں ناگفتہ بہ عذاب میں مبتلا ہوکر خلد بریں کو سدھارے۔ آنحضرتؐ اپنے پیروؤں کی یہ مصیبتیں دیکھ دیکھکر نہایت دلگیر ہوتے تھے۔ مگر مجبوری تھی آخر آپنے نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں مسلمانوں

مسلمانوں کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا

کو ملک حبشہ میں جہاں کا حاکم اصحمہ نجاشی ایک منصف مزاج نیک نہاد عیسائی تھا ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ گیارہ مرد اور چار عورتیں جن میں حضرت عثمانؓ اور آپ کی زوجہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ بھی شامل تھیں پوشیدہ مکہ سے روانہ ہوکر حبشہ پہونچے۔ مگر وطن کی یاد اور دینی بھائیوں کی مصیبت کا خیال بےچین کرتا تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ اور کفار کے درمیان صلح ہو جانیکی ایک جھوٹی خبر یہاں تک پہونچگئی۔ اور یہ لوگ خوش خوش وطن واپس چلے مگر سواد مکہ پہونچکر یہ معلوم ہوا کہ واقعہ صلح بالکل غلط تھا جس کی اصلیت یوں تھی کہ آنحضرتؐ حسب معمول کفار کو نصیحت کیا کرتے تھے اور کلام مجید سنایا کرتے تھے۔ جس وقت سورۂ نجم نازل ہوئی آپنے مجمع قریش میں اس سورۃ کی

سورہ نجم کے متعلق غلط فہمی

تلاوۃ فرمائی۔ چونکہ آپ کلام مجید ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ جس وقت اس آیت پر پہنچے أَفَرَءَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ایک کافر نے یہ خیال کرکے کہ اب اس کے آگے ان بتوں کی ہجو بیان ہوگی معاً کھڑا ہو گیا اور (جیسا کہ اُن کا دستور تھا کہ تلاوت کے وقت غل مچاتے تھے تاکہ لوگوں کی طبیعت منتشر ہو جائے) کہنے لگا "تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَى

[۱] ان میں سے خاص خاص کے یہ نام ہیں۔ عامر بن فہیرہ بنی جدعان کے غلام تھے انکا شمار مہاجرین میں ہے۔ بیرمعونہ کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ ام عبیسؓ۔ نہدیہؓ اور اُن کی بیٹی یہ دونوں عبدالدار کی لونڈیاں تھیں جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے انکو خرید کرکے آزادی کی خوشخبری دی یہ اس وقت آٹا پیس رہی تھیں کہنے لگیں ہم نے مدت سے اس کا نمک کھایا ہے۔ اب اُس کی یہ خدمت پوری کردیں تب حاضر ہوں حضرت ابوبکرؓ نے ان کی اس ہمت پر آفریں کہی۔ ۱۲۔

وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی" (یہ بت بڑے ہیں اور بیشک ان کی سفارش کی امید رکھی جاتی ہے) آنحضرتؐ چونکہ مسلسل سورۃ تلاوت فرما رہے تھے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا اور ختم کرنے کے بعد سجدہ کیا تمام مومنین نے اتباع کیا اور کفار نے بھی اس خیال سے کہ آنحضرتؐ نے اس جملہ "تِلْکَ الْغَرَانِیْق" کا کچھ رد نہیں کیا سجدہ میں شامل ہوئے اور خوش خوش گھر واپس گئے اور مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ نے ہمارے عقیدہ سے اتفاق کیا لہذا ہم نے بھی آپ سے متفق ہو کر اور آزار سے ہاتھ اٹھا کر صلح کر لی۔ جس وقت آنحضرتؐ کو یہ حال معلوم ہوا نہایت رنج ہوا کہ توحید کامل کی تعلیم دینے والے پر یہ اتہام کہ بتوں کی تعریف کرے اور ان کو شفاعت کرنے والا خیال کرے۔ اسی وقت آپ باہر تشریف لائے اور نہایت جوش کے ساتھ ان کی اس غلط فہمی اور فاسد عقیدہ کی تردید کی۔ کفار یہ سنکر نہایت برافروختہ ہوئے اور پھر آپکے ایذا دینے پر آمادہ ہو گئے[1]۔

غرضکہ مہاجرین حبشہ یہ حال دیکھکر پھر وطن سے رخصت ہوئے۔ اس مرتبہ کل تعداد رفتہ رفتہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں تک پہونچگئی۔ ان میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی شریک تھے۔ جس وقت قریش کو یہ حال معلوم ہوا۔ فوراً ایک سفارت تحفہ تحائف کے ساتھ بسر کردگی عمرو بن العاص نجاشی کے پاس روانہ کی کہ ہمارے بنی اعمام کو جنہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور یہاں سے مفرور ہو گئے ہیں ہمارے سپرد کر دے۔ بادشاہ کو برہم کرنے کے واسطے ایک یہ بھی فقرہ جڑ دیا کہ غضب تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ کا دین عیسوی بھی اختیار نہیں کیا بلکہ بالکل لامذہب ہو گئے ہیں۔ نجاشی نے یہ سنکر مہاجرین کو اپنے دربار میں طلب کیا اور قریش کا الزام بیان کرکے حقیقت پوچھی۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کھڑے ہو گئے اور سب کی طرف سے یوں جواب دیا۔ اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے نجاست میں بھرے رہتے تھے۔ مردار کھاتے تھے اور بیہودہ بکتے تھے۔ نہ انسانیت تھی نہ سچی مہمان نوازی۔ نہ ہمسایہ کی رعایت نہ کوئی قاعدہ نہ قانون ایسی حالت میں خدا نے ہمارے درمیان میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب نسب صداقت

[1] تفسیر کبیر اور تفسیر خازن میں اس قصہ کا ابطال معقول دلائل سے کیا گیا ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے ۱۲

دیانت اور تقویٰ طہارت سے ہم خوب واقف تھے۔ اُس نے ہم کو توحید کی طرف بلایا اور یہ سمجھایا کہ اس ذات واحد کا کسی شے کو شریک نہ جانیں۔ اُس نے ہم کو بُت پرستی سے منع کیا اور حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ اپنے وعدے وفا کریں۔ رحم کریں۔ اور ہمسایہ کے حقوق کی رعایت کریں۔ نہ تو عورتوں پر بہتان باندھیں اور نہ یتیموں کا مال کھائیں۔ گناہوں سے بھاگیں بُرائیوں سے بچیں نماز پڑھیں۔ صدقہ دیں اور روزہ رکھیں۔ اے بادشاہ ہم نے اُس کی تصدیق کی اور اللہ ہی کی پرستش پر آمادہ ہوگئے اور شرک سے بیزاری ظاہر کی بس یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی اور جس طرح سے ہوسکا ہم کو ستانا شروع کیا کہ کسی طرح ہم اُس وحدہٗ لاشریک کی عبادت سے منہ موڑلیں اور پھر لکڑی اور پتھر کی مورتوں کو پوجنے لگیں۔ مگر ہم نے ان کے ظلم سے اذیتیں اُٹھائیں اور آخر کوئی پناہ کی جگہ نہ پاکر تیرے اس ملک میں آئے ہیں کہ ہیں ان کے جور و جفا سے بچائے[1]۔

تصدیق نجاشی

حاضرین پر اس سچی اور پُر اثر تقریر کا جو تعلیم اسلام کا ایک مختصر خاکہ ہے بڑا اثر پڑا پھر نجاشی نے کہا جو کچھ تمھارے رسول پر نازل ہوا ہو سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی ایک طرف اس روح پرور کلام کی دلفریبی اور دوسری طرف لحن جعفری کی خوش آہنگی نے حاضرین کو محو کرلیا۔ قسیس اور رہبان یعنی علما اور زاہد بے اختیار رونے لگے اور نجاشی پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حق تعالیٰ اپنے انھیں مبارک بندوں کی شان میں ارشاد فرماتا ہے وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ الآیہ (اور جب سُنیں وہ جو اُتارا گیا رسول پر تو دیکھے کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہیں اس لئے کہ حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے پس ہم کو گواہوں میں لکھ لے۔ پارہ ۷) نجاشی کو اب پورے طور سے اسلام کی حقانیت ثابت ہوگئی درباریوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا ہے ایک ہی فانوس سے ہے اور بیشک حضرت مسیحؑ کی نسبت ان لوگوں کا خیال وہی ہے جو خود حضرت عیسیٰؑ نے انجیل میں تعلیم فرمایا ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ جس رسول کی حضرت

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰۔ ابن الاثیر جلد دوم صفحہ ۹۱ ۔ ۱۲

مسیحؑ نے بشارت دی وہ یہی محمدؐ رسول اللہ ہیں۔ یہ کہکر اُس نے قریش کے سفیروں کو دربار سے نکلوادیا ان کے تحفہ تحائف واپس کر دیئے اور مہاجرین کو شاد و آباد کر دیا۔

عتبہ بن ربیعہ کا آنحضرتؐ کو دنیاوی لالچ دینا اور آپؐ کا جواب

اِدھر کفار مکہ طرح طرح سے کوششیں کرنے لگے کہ آنحضرتؐ کسی طرح بُت پرستی کی بیخ کنی سے باز آئیں۔ کئی مرتبہ سرداران قریش آپکے پاس اس غرض سے حاضر ہوئے کہ دنیاوی لالچ دلاکر آپکو اس کام سے باز رکھیں۔ ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ جو مکہ کا ایک مشہور سردار اور بڑا مالدار تھا، حاضر ہوکر کہنے لگا: "اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تجھے اس کام سے مال و دولت جمع کرنے کا ارادہ ہو تو ہم سے کہدے ہم سب ملکر تجھکو مالا مال کر دیں۔ اگر جاہ و عزت چاہتا ہو سب اپنا رئیس مان لیں اور تیری اطاعت کریں۔ اگر حکومت کی خواہش ہو ہم تجھے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں اگر کچھ دماغی خلل ہو گیا ہو تو ہم ابھی طبیبوں کو بُلا کر تیرے علاج میں جان لڑادیں۔ آنحضرتؐ نے جن کو صرف خلق اللہ کی خیر خواہی مدنظر تھی جواب میں فقط سورۂ "حم سجدہ" کا پہلا رکوع پڑھ کر سُنادیا جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"یہ فرمان خدائے رحمٰن و رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے۔ یہ قرآن کتاب ہے جس کی بایتں زبان عربی میں سمجھدار لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ ماننے والوں کو خوشنودی خدا کی خوشخبری سُناتا اور مُنکروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔ اس پر بھی اکثروں نے ان میں سے مُنہ موڑلیا۔ اور وہ اس کو سُنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بُلاتے ہو ہمارے دل تو اُس سے پردوں میں ہیں (یعنی تمہاری بات دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں ایک طرح کی گرانی ہے (جو تم کہتے ہو سُنائی نہیں دیتا) اور ہم میں اور تم میں ایک طرح کا پردہ حائل ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے طور پر عمل کئے جاؤ ہم اپنے طور پر عمل کر رہے ہیں۔ اے پیغمبر تم ان لوگوں سے کہو کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود بس وہی ایک معبود ہے۔ پس سیدھے اُسی کی طرف منہ کئے چلے جاؤ اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور شرک کرنے والوں پر افسوس کہ وہ صدقہ

نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل بھی کئے ان کے لئے آخرت میں بڑا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں" تلاوت ختم فرما کر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوالولید تونے سُنا اب تجھے اختیار ہے کہ ان دو راہوں میں سے جا ہے جس راہ پر چلے۔[1]

مشرکین کی دھمکی حضرت ابوطالبؓ کا تذبذب اور آنحضرتؐ کا استقلال

کفار قریش جب لالچ دلاتے دلاتے تھک گئے۔ اب ایک دوسری چال چلے۔ ایک دن سب مل کر حضرت ابوطالبؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم تیرے سن اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہیں۔ مگر ایک حد تک۔ اب ہم سے تیرے بھتیجے کی باتیں سُنی نہیں جاتیں کیا غضب ہے کہ ہمارے باپ داداؤں کے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ اب یا تو آپ مہربانی کرکے انھیں سمجھا دیں کہ آئندہ سے اپنی زبان بند کریں اور یا پھر یقین مانئے ہم آن سے اور آن کے جانبداروں سے اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ مشرکین یہ دھمکی دیکر چلے گئے۔ حضرت ابوطالبؓ نے خیال کیا کہ اب معاملہ نازک ہوگیا۔ نہ ان سرکشوں سے بگاڑتے ہی بنتی ہے اور نہ اپنے نیک نفس بھتیجے کی رفاقت چھوڑی جاتی ہے۔ آخر پریشان ہوکر آپ نے آنحضرتؐ کو بلایا اور حالت موجودہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرکے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ تم ہی خاموش رہو اور ان کے پند و نصائح سے باز آؤ۔ آنحضرتؐ نے یہ سُنکر خیال فرمایا کہ شاید چچانے بھی اب میری حمایت سے دست برداری ظاہر کی ہے۔ فوراً خدا پر بھروسہ کرکے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کمال استقلال سے ارشاد فرمایا۔ "اے میرے چچا اگر قریش آفتاب کو میرے دائیں طرف اور ماہتاب کو بائیں طرف لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا۔ اور خدا کے حکم میں ایک حرف بھی کم نہ کرونگا۔ خواہ اس کوشش میں میرا سر جائے یا رہے۔ یہ پُرجوش الفاظ کہکر اس پاکباز عاشق صادق رسولؐ کے آنسو بھر آئے اور وہاں سے مُنہ پھیر کر باہر چلا۔ حضرت ابوطالبؓ سے (جن پر آنحضرتؐ کے اس خلوص اور ہمت کا گہرا اثر پڑا) اب ضبط نہو سکا۔ چلّا کر کہا اے میرے بھتیجے کہاں چلے ادھر آؤ۔ سن تیرے جو دل میں آئے شوق سے کر خدا کی قسم میں ہرگز تیری رفاقت نہ چھوڑونگا۔ یہاں تک کہ ایک دن خاک میں ملجاؤں۔[2]

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶-۱۲ [2] ابن ہشام صفحہ ۱۶۸ ابوالفدا صفحہ ۱۷

ایمان حضرت حمزہؓ

مشرکین کو جس وقت یہ حال معلوم ہوا سمجھے کہ دھمکی سے کام نہ نکلا پھر بدستور ایذا دینے لگے اور زد و کوب تک نوبت پہنچا دی۔ ایک دن آنحضرتؐ کوہ صفا پر تشریف فرما تھے ابوجہل نکلا اور آپ کو دیکھکر گالیاں دینے لگا۔ اور ایک پتھر اُٹھا کر مارا جس سے سر مبارک زخمی ہو گیا۔ اور خون جاری ہو گیا۔ آپ صبر کر کے چپکے اُٹھے اور گھر چلے آئے۔ اتفاقاً آپکے چچا حضرت حمزہؓ جو ایک دلیر اور غیور جوان تھے شکار سے واپس آکر اسی راستہ سے آ رہے تھے۔ ایک عورت نے آپسے مخاطب ہو کر کہا۔ افسوس تمہارے بھتیجے کو ابوجہل نے آج بے طرح زخمی کیا ہے۔ یہ سُنکر آپ کا خون جوش میں آیا فوراً ابوجہل کے پاس غصہ میں بھرے ہوئے پہونچے اور گالیاں دیکر اپنی کمان سے اُس کا سر توڑ دیا۔ بنی مخزوم دوڑے کہ آپ کو ماریں ابوجہل نے منع کیا کہ کہیں ایسا نہو کہ آپ ہم لوگوں سے خفا ہو کر مسلمان ہو جائیں اور ہمارا ایک بہادر جوان کم ہو جائے۔ غرض کہ حضرت حمزہؓ اپنے بھتیجے کا بدلہ لے کر چل کھڑے ہوئے اور کعبہ شریف کا طواف کر کے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا اے بھتیجے اب غم نہ کر میں نے تیرے عوض اُس ملعون کا سر توڑ دیا ہے کیوں اب خوش ہوئے کہ نہیں آنحضرتؐ ارشاد فرمایا میرا دل اس باتسے کیا خوش ہو۔ مجھے خوشی تو اُس وقت ہو جب آپ کلمۂ شہادت پڑھکر راہِ حق اختیار فرمائیں۔ حضرت حمزہؓ کو اب آپ کی للّٰہیت کا پورا یقین ہو گیا جواب دیا اب میں اسی نیتسے آیا ہوں۔ آنحضرتؐ خوش ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اپنے چچا کے سر کو چوم لیا اور اسلام کی تلقین فرمائی۔

قریش یہ خبر سُنکر متردد ہوئے اور اب نہایت مستعدی سے اشاعت اسلام کے رد کرنے پر آمادہ ہوئے۔ آنحضرتؐ کو کعبہ شریف میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور اس قدر تنگ کیا کہ آپ کا باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ مجبوراً آپ چند دن تک دار ارقم میں پوشیدہ رہے۔ اس روک ٹوک سے غمگین ہو کر آپنے درگاہ مقلب القلوب میں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرِ وبْنِ الْھِشَامِ اَوْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (اے اللہ دین اسلام کو ابوجہل یا عمرؓ کے ایمان لانے سے قوی کر دے) حق تعالیٰ نے یہ شرف ابن خطاب کو عطا فرمایا اور اسی جوہر قابل کو جس کی کوشش سے مصر و شام و

ایران میں اسلام کا ڈنکا بجنے والا تھا قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ کو ایک دن خبر ملی کہ ان کی بہن بہنوئی نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ آپ بہت غضبناک ہوئے اور پیچ و تاب کھاتے ہوئے اپنی بہن کے گھر گئے دیکھا دروازہ بند ہے اور کچھ پڑھنے کی آواز آرہی ہے آپ نے پکارا۔ بہن نے وہ صحیفہ جس میں آیات کلام مجید تحریر تھیں چھپا دیا اور ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ اندر آئے اور اپنی بہن کو سخت سست کہکر اس قدر مارا کہ خون جاری ہوگیا۔ مگر آپ کی بہن آپ ہی کی بہن تھیں نہایت استقلال سے رو رو کر کہنے لگیں۔ اب چاہے تم مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالو مگر میں دین حق سے نہیں پھرنے کی حضرت عمرؓ نے یہ سنکر ہاتھ روک لیا اور کہا اچھا تم کیا پڑھتی تھیں آپ کی بہن نے وہ صحیفہ دیدیا جس میں لکھا تھا۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ...... عَلِیْمٌ (سورہ حدید پارہ ۲۷) یہ پاک نوشتہ پڑھکر آپ پر محویت طاری ہوگئی مثل ہے کہ لوہا لوہے سے کٹتا ہے۔ سورہ حدید کی ان آیات نے آپ کے سخت قلب کو نرم کردیا۔ قدرت و کمال الٰہی کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ گئی عظمت و جلال خداوندی کی ہیبت سے کوہ سینہ شق ہوگیا اور آنکھوں سے چشمۂ اشک بہنے لگے جس وقت اس آیت پر پہونچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ جذبۂ صادق رنگ لایا اور کشاں کشاں درِ مقصود تک پہونچادیا۔ آپ بے تابانہ دار ارقم میں پہونچے جہاں آنحضرتؐ مع چند صحابہ کے دروازہ بند کئے تشریف فرما تھے۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی بعض صحابی مشوش ہوئے۔ مگر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کچھ ہرج نہیں دروازہ کھول دو۔ حضرت حمزہؓ نے دروازہ کھول دیا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابن خطاب کیا ارادہ ہے۔ حضرت عمرؓ جو ہیبت سے مرعوب ہورہے تھے کلمۂ شہادت زبان پر لائے اور مسلمانوں نے خوش ہوکر تکبیر کہی۔ نماز کے وقت حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کفار اپنے معبودوں کو برملا پوجتے ہیں ہم بھی اپنے قادرِ مطلق کی اعلان کے ساتھ کیوں نہ عبادت کریں۔ آنحضرتؐ اٹھے اور مسلمانوں کو جن کی تعداد اب پوری چالیس تک پہونچگئی تھی ساتھ لیکر کعبہ شریف میں تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی[۵]

---

[۵] اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ذکر حضرت عمرؓ ۱۲

قریش کا ترک برادری کرنا اور آنحضرت اور آپ کے ہواخواہوں کا شعب ابو طالب میں محصور ہو جانا

کفار قریش کو یہ حال دیکھکر نہایت رنج ہوا اور مسلمانوں کی طرف سے اندیشناک ہو گئے اسی اثنا میں حبشہ سے ان کے سفیر واپس آئے اور اپنی ناکامی اور مہاجرین کی کامیابی کا حال بیان کیا مشرکین کو نہایت تردد ہوا سمجھے کہ اسلام اب زور باندھنے لگا۔ اس کے روکنے کی کچھ تدبیر ضرور ہونا چاہیئے۔ چنانچہ سبھوں نے مل کر نبوت کے ساتویں سال یہ تجویز کی کہ آنحضرت اور آپ کے تمام کنبے والوں سے برادری ترک کردیں۔ شادی بیاہ کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا، خرید فروخت سب موقوف ان کے رنج و راحت اور مرنے جینے کسی میں شرکت نہ کریں اور یک قلم سارے رشتہ توڑ دیں جبتک کہ آنحضرت کو اُن کے کنبے والے ہمارے حوالہ نہ کردیں۔ چنانچہ ایک عہدنامہ لکھا گیا اور تمام مشرکین نے اس پر اپنی اپنی مہریں کرکے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا اور نہایت سختی کے ساتھ اُس پر عمل ہونے لگا۔ تمام مسلمان اور کل بنی ہاشم باستثناے ابولہب مجبور ہوکر ایک گھاٹی میں جس کو شعب ابوطالب کہتے ہیں پناہ گزیں ہوئے اور نہایت سختی اور مصیبت سے بسر کرنے لگے۔ حج کے ایام میں جبکہ باہر سے لوگ آتے تھے آنحضرت گھاٹی سے نکل کر ان کے پاس جاکر توحید کی منادی کرتے تھے مگر ابولہب آپکے پیچھے پیچھے پھرتا تھا۔ آپ کی نسبت ہذیان بکتا تھا اور کسی کو اس ہادی برحق کی بات سُننے نہ دیتا تھا۔ تین برس تک اسی آفت کا سامنا رہا اور قریب تھا کہ ہلاکت کی نوبت پہونچ جائے مگر خدا نے اپنا فضل کیا چند سردار قریش جو بنی ہاشم کے قریبی رشتہ دار تھے اس ظالمانہ کارروائی اور محصورین کی دردناک حالت سے متاثر ہوئے۔ آخر ہشام ابن عمر اور زبیر ابن ابو امیہ کی کوششوں سے نبوت کے دسویں سال وہ عہدنامہ جسے اب دیمک چاٹ گئی تھی اور بجز خدا اور رسول کے نام کے کچھ نہ چھوڑا تھا پھاڑ ڈالا گیا۔ اور دوست و دشمن پھر بدستور ملنے لگے[1]۔

حضرت ابو طالب کی رحلت

اس آفت سے نجات پاکر تھوڑے دن بھی نہ گذرے تھے کہ آنحضرت کو دو سخت سانحے پیش آئے حضرت ابو طالب جنہوں نے بچپن سے اپنے یتیم بھتیجے کو کمال شفقت سے پرورش کیا تھا اور آغاز نبوت سے ابتک ہر طرح سے آپ کی اعانت اور حمایت کے واسطے سینہ سپر ہو گئے تھے نبوت کے دسویں

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۲

سال مذکورہ بالا واقعہ کے آٹھ ماہ بعد ستاسی برس کے سن میں اس دارفانی سے رحلت کی مرتے وقت آپ نے سرداران قریش اور اپنے تمام عزیزوں کو جن میں بہت سے ابھی ایمان نہیں لائے تھے بلایا اور آنحضرتؐ کی راستبازی اور فی سبیل اللہ کوششوں کی تعریف کرکے آپ کی اعانت اور حمایت کے واسطے وصیت کی۔ حق یہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے آپ کی رفاقت کا پورا حق ادا کیا اور مرتے دم تک آپ ہی کا دم بھرتے رہے بیشک [1]

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آنحضرتؐ کے آنسو ابھی اپنے شفیق چچا کے غم میں خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک دوسرا سخت سانحہ پیش آیا یعنی تیسرے دن حضرت ام المومنین خدیجہؓ نے پینسٹھ برس کے سن میں انتقال فرمایا اور مقبرہ حجون مکہ معظمہ میں دفن ہوئیں۔ عقد سے پچیس برس تک حضرت خدیجہؓ آنحضرتؐ کی انیس جلیس رہیں اور اپنا سارا مال و اسباب آپ پر تصدق کر دیا جس وقت اس نبی برحق پر کوئی فرد بشر ایمان نہیں لایا تھا اتنا ہی نہیں بلکہ جس وقت خود آنحضرتؐ کو نزول وحی اور مشاہدہ ملک سے ہیبت چھائی ہوئی تھی حضرت خدیجہؓ نے فرشتہ رحمت بنکر آپ کی تسلی کی اور سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اور مرتے دم تک ہر مصیبت میں غم غلط کرتی رہیں۔ آنحضرتؐ کو بھی آپ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور جبتک آپ زندہ رہیں دوسرا عقد نہ کیا اور اپنے شباب کا پورا زمانہ آپ ہی کے ساتھ نباہ دیا۔ آپ کی محبت کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد زندگی بھر جب ان کا ذکر آتا تھا دل بھر آتا تھا اور آنسو ٹپک پڑتے تھے۔ بیشک اس باہمی برتاؤ نے جَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً کی

---

[1] جنگ بدر میں آنحضرتؐ کے داماد ابوالعاص جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے مع دوسرے کافروں کے قید ہو کر آئے جس وقت قریش نے مسلمانوں کو فدیہ ادا کرکے اپنے اپنے قیدی چھڑائے۔ ابوالعاص کی بی بی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلعم نے بھی فدیہ بھیجا۔ جس میں وہ قلادہ بھی تھا جس کو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دیا تھا۔ آنحضرتؐ کی نظر مبارک جس وقت اس قلادہ پر پڑی حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اشک بھر آئے اور نہایت رقت ہوئی (مدارج النبوت جلد دوم ص ۱۴۳) (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

پوری تصویر کھینچ دی اور عملی طور سے دکھا دیا کہ میاں بیوی کے تعلقات کیسے ہونا چاہئیں۔ خدا نے دنیا میں مرد و زن کو پیدا کر کے اپنی صفات کاملہ کا کرشمہ دکھایا ہے۔ ایک کو مظہر جلال بنایا دوسرے کو مظہر جمال تاکہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق راہ بلکہ یک جان دو قالب ہو کر منزل مقصود تک پہونچ جائیں اور اپنی جیتی جاگتی نیک یادگاریں چھوڑ جائیں۔ عقد نکاح کی بس یہی غایت ہے۔ ورنہ انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہا۔

سورۂ کوثر کی شان نزول

حضرت خدیجہؓ سے بالترتیب دو بیٹے قاسم اور عبد اللہ (انکا لقب طیب و طاہر ہے) اور چار بیٹیاں زینب، رقیہ، کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہم پیدا ہیں۔ مگر دونوں بیٹوں نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ جس وقت عبد اللہ نے بھی رحلت کی۔ ایک کافر عاص بن وائل سہمی نے نہایت بیدردی سے کہا کہ محمدؐ کے بیٹے مرتے جاتے ہیں یہ اپنی زندگی میں جو چاہیں کر لیں۔ ان کے بعد ان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور انھیں لوگ الابتر کہیں گے۔ خداوند کریم نے اپنے دل شکستہ رسول کی تسلی کے لئے سورہ کوثر نازل فرمائی کہ آپ کا چشمہ فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔ آل محمدی اور امتیان احمدی جو آپکے فرزند معنوی ہیں ابد الآباد تک آپ کا نام روشن کرینگے آپ پر اور آپکے آل پر ہر روز پنجوقتہ درود پڑھا جائیگا اور اس مردود کا فاتحہ نہ درود۔

الغرض ان دو مسلسل حادثوں سے جن کے باعث اس سال کا نام عام الحزن رکھا گیا آنحضرتؐ کو سخت صدمہ پہنچا مشرکین نے حضرت ابو طالب کے اٹھ جانے سے اور بھی بے روک ٹوک آزار دینا شروع کیا۔ مگر آنحضرتؐ ثابت قدمی کے ساتھ اسلام کا وعظ فرماتے رہے۔ کفار کی قساوت

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اسی طرح ایک دن آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف فرما تھے ہالہ خدیجہؓ کی بہن نے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا خدیجہؓ کی بہن آتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنکر عرض کیا کہ آپ کب تک بڑھیا خدیجہؓ کو یاد کرتے رہیں گے۔ خدا نے آپ کو ان سے اچھی بی بی عطا کی۔ حضرت رسول خدا یہ سنکر آبدیدہ ہوئے اور ارشاد فرمایا خدا کی قسم کوئی اس سے بہتر بی بی مجھکو نہیں ملی جس وقت کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا خدیجہؓ نے پہلے پہل میری تصدیق کی اور جس وقت سبھوں نے مجھکو محروم کر دیا تھا خدیجہؓ نے تمام مال سے میری مدد کی (مدارج جلد دوم ص۴۹۱ تاریخ التواریخ ذکر حضرت خدیجہؓ ص۶ جلد اول از کتاب دوم) ۱۲

اب بڑھتی جاتی ہے۔ آخر ان لوگوں کے ایمان لانے سے نا اُمید ہو کر آپؐ نے طائف کی طرف جو مکہ کے جنوب میں ایک سرسبز اور شاداب قطعہ زمین ہے بنی ثقیف کی ہدایت کے واسطے رُخ کیا۔ روانگی سے پیشتر آپؐ نے ایک بیکس بے پناہ بیوہ سے جن کا نام سودہؓ بنت زمعہ قریشیہ تھا بہ نظرِ ترحم نکاح کرلیا۔ حضرت سودہؓ کے پہلے شوہر سکران سے ایک بیٹا عبدالرحمن نام پیدا ہوا۔ قریش کے ایذاؤں سے تنگ آکر سکران نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں انتقال کیا۔ حضرت سودہؓ کا اب کوئی والی وارث نہ رہا حیران پریشان مکہ واپس آئیں۔ آنحضرتؐ نے سودہؓ کی حالت زار ملاحظہ فرما کر اور اسلام قبول کرنے کے بعد سے جو جو مصیبتیں اس مستقل مزاج نیک دل خاتون پر پڑی تھیں اُن سے متاثر ہو کر عقد کرلیا اور ایسی حالت میں جب کہ آپ خود ہی مصیبتوں میں پھنسے ہوئے تھے ایک بیکس خاتون سے جو آپؐ سے عمر میں کچھ بڑی تھیں نکاح کرکے بے پناہ مستورات کی معاونت کی ایک زبردست نظیر قائم کردی۔

حضرت سودہؓ

سفر طائف اور ناکام واپس آنا

الغرض آنحضرتؐ زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر پیادہ پا مکہ معظمہ سے طائف روانہ ہوئے راہ میں جو جو قبائل ملتے گئے آپؐ نے ان کو خدا پرستی کی طرف بُلایا مگر کسی نے بھی توجہ نہ کی۔ آپ خدا پر بھروسہ کئے ہوئے آگے بڑھے اور بلادِ ثقیف میں پہنچکر ایک ماہ تک امیر و غریب سب کو دعوت اسلام دی مگر ان نفس پرستوں نے اس پاکباز مخبر صادق کی فی سبیل اللہ نصیحتوں کو مطلق نہ سُنا اور اُلٹا آپ کو سخت سُست کہنا شروع کیا۔ سرداران ثقیف جنھیں جاہ و عزت کی نخوت نے فرعون بے سامان بنا رکھا تھا۔ طنز کے طور پر حقارت آمیز لہجہ میں کہنے لگے کہ یہ دیکھئے ایک ٹوٹا مارا مسافر ہماری ہدایت کو آیا ہے خدا کو اگر ہمارے پاس اپنا رسول بھیجنا تھا تو کسی عزت دار بھردار کو بھیجتا کہ اُس کی شان و شوکت سے ہمارے دلوں میں اُس کی وقعت ہوتی[۱]۔ آنحضرتؐ ان زہر آلود الفاظ کو شربت کے گھونٹ کی طرح پی گئے اور اُس کے معاوضہ میں اپنے لب جاں بخش سے آب حیات پلاتے ہی رہے۔ مگر ان ناکسوں نے آپ کی ذرا قدر نہ کی اور غلاموں اور لڑکوں کو

۱؎ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (سورہ زخرف)

لگا دیا کہ آپ کو گالیاں دے دے کر پتھر برسانا شروع کردیں۔ یہ بدمعاش آپ کو اور آپ کے ساتھ زید بن حارثہؓ کو زخمی کرکے آبادی سے باہر کر آئے۔ اللہ اللہ یہ برگزیدگانِ الٰہی کا جگر ہے کہ خلق اللہ کی فلاحِ دارین کے لئے خدا واسطے کوہ بلا سر پر اٹھاتے ہیں اور اُف نہیں کرتے سچ ہے ؎

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

حضرت رسولِ خدا زخموں سے چور بھوکے پیاسے جنگل میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور درگاہ بے نیاز میں دو رکعت نماز ادا کرکے سوز و گداز کے ساتھ مناجات کے واسطے ہاتھ اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے :-

" اے اللہ میں اپنے ضعف قوت قلت حیلت اور مخلوق کے سامنے اپنی خواری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں (یعنی مجھ ناتوان سے کچھ بنائے نہیں بنتی اور ہر طرف ذلت کا سامنا ہے) تو ہی ارحم الراحمین ہے۔ ضعیف مسکینوں کا پالنے والا اور مجھ درماندہ کا سنبھالنے والا ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے کیا ایسے بیگانہ کے سپرد کرتا ہے جو مجھے دیکھکر منہ بگاڑتا ہے یا ایسے دشمن کے حوالہ کرتا ہے جو میرے کام کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ اگر تیرا غضب مجھ پر نہیں ہے تو مجھے کچھ ڈر نہیں لیکن تیرا عرصۂ عافیت میرے واسطے کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرۂ زیبا کے نور کی جس سے تاریکیاں روشن اور دنیا اور دین کے کام ٹھیک ہوتے ہیں پناہ پکڑ کر عرض کرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہو کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو اور تو مجھ سے بگڑ جائے۔ عتاب بس تیرا ہی ہے جب تک تو راضی نہو۔ برائیوں سے بچاؤ اور نیکیوں کی قوت تیرے ہی عنایت پر منحصر ہے[۱]"

[۱] اصل عبارت حسب ذیل ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَشْکُوْ اِلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِیْنَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَوْ عَلٰی عَدُوٍّ مَّلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ۔ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ۔ وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِہٖ

الغرض آنحضرتؐ ملول و محزون پھر مکہ واپس آئے اور اب زیادہ تر ان لوگوں کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی جو مکہ میں بغرض تجارت یا مذہبی فرض ادا کرنے کے واسطے باہر سے آتے تھے نبوت کے گیارہویں سال حج کے ایام میں ایک دن آپ عقبہ منا میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں کی جاہلانہ اور وحشیانہ رسمیں اور ان کی ہوا پرستیاں دیکھ دیکھ کر اس ہادی مشفق کا دل خلق خدا کی اصلاح کے واسطے بیتاب ہو جاتا تھا۔ مگر اس طوفان بے تمیزی میں اس کی سنتا ہی کون تھا کفار قریش نے اپنا دل پتھر کر لیا تھا اور نو واردوں کے واسطے بھی سختی سے سنگ راہ ہوتے تھے نہ خود سنتے تھے اور نہ سننے دیتے تھے۔ ایسی نامرادی کی حالت میں آپ اٹھے اور دیکھا کہ ایک مقام پر سرزمین یثرب کے چھ نو وارد آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ آپ ٹھہر گئے اور اس امید پر کہ شاید ان میں کوئی راہ حق کا طالب نکل آئے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سنو تم میں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ان کو متوجہ پا کر آپ نے اپنی معجز بیانی سے خدائے واحد ذوالجلال کی تقدیس و تحمید ذکر فرما کر، ان کو ان کی برائیوں اور گناہوں سے آگاہ کر کے نیک راہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ کے خلوص اور سچے جوش سے متاثر ہو کر اسی وقت یثرب کے ان چھ مسافروں نے صدق دل سے کلمہ پڑھا اور اپنے وطن کی راہ لی۔ یثرب میں اس وقت اوس و خزرج دو مشہور قبیلے آباد تھے ان کے علاوہ تھوڑے یہود بھی جو ارض فلسطین سے یونانیوں اور رومیوں کے ظلم و جور سے بھاگ نکلے تھے۔ مدت سے یہاں آباد ہو گئے تھے۔ اور باشندوں سے گھل مل گئے تھے۔ توریت میں جس وقت یہ لوگ نبی آخرالزمان کی بشارت پڑھتے تھے بے اختیار دعا مانگتے تھے کہ اے رب الافواج نبی آخرالزمان جلد مبعوث ہو کر اس کی برکت سے ہمارا اگلا جاہ و جلال عود کر آئے۔ اوس اور خزرج میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہ لوگ نبی کے منتظر ہیں۔ الغرض جس طرح کوئی مسافر گھر پہونچکر یار آشناؤں سے ذوق و شوق کے ساتھ عجائبات سفر بیان کرتا ہے اور تحفہ تحائف دیتا ہے اسیطرح

چھ یثربیوں کا ایمان لانا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والآخرۃ ان ینزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک (ابن ہشام طبع ۲۴۰ [illegible])

ان شیدا یانِ حق نے یثرب پہنچکر خوشی خوشی اپنے یار دوستوں کو بشارت دینا شروع کی ہمارے
پڑوسی یہود کہا کرتے ہیں کہ "آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے آسمانوں کو جلال
سے چھپا دیا اُس کی ستایش سے زمین بھر گئی" (کتاب حبقوق باب ۳۰۲) لو ہم نے اپنے آنکھوں سے
قدوس کو فاران پر دیکھا اس کے تجلّی جمال کی ایک ہی جھلک نے ہمارے سینائے سینہ کو روشن کر دیا
بیشک وہ نبی جس کی ستائش سے زمین بھر گئی محمدؐ ہیں جو مکہ میں اس وقت ہمارے ہی قوم میں سے
مبعوث ہوئے ہیں۔ اس بشارت نے کچھ ایسا اثر کیا کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں سے کئی شخص
نادیدہ مشتاق دیدار ہو گئے سچ ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

بیعت عقبۃ الاولیٰ

دوسرے سال یعنی نبوت کے بارہویں برس ان سابق الایمان مسلمانوں کے ہمراہ گروہ اوس اور
خزرج کے چھ اور شخص آنحضرتؐ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور دولت ایمان سے مالا مال ہو کر ان
امور پر بیعت کی کہ "ہم ذات واحد کا کوئی شریک نہ مانیں گے چوری اور حرامکاری سے باز رہینگے اپنی اولاد کو
قتل نہ کرینگے۔ بہتان اور غیبت سے بچینگے۔ رسولِ خدا کی اطاعت ہر امر خیر میں بجالائینگے۔ اور رنج و راحت میں آپ
پر فدا رہینگے" اس بیعت کا نام بیعت عقبۃ الاولیٰ ہے۔ رخصت کے وقت آنحضرتؐ نے اس جماعت کی خواہش کے
موافق اپنے ایک صحابی مصعب بن عمیرؓ کو تلقین و تعلیم کے واسطے ہمراہ کر دیا۔ یثرب پہنچکر اس جماعت نے
سرگرمی سے اسلام کی اشاعت شروع کر دی اور دین حق یثرب والوں میں گھر کرنے لگا۔

اِدھر مکہ میں آنحضرتؐ کے صبر و استقلال کا سخت امتحان ہو رہا تھا۔ کفار قریش نے آزار رسانی
کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا تھا۔ اب ان کی قساوت حد درجہ کو پہونچ گئی تھی۔ اسلام کی بیخ کنی میں ہر وقت
تُلے بیٹھے رہتے تھے مگر آنحضرت کسی طرح ہمت نہ ہارے۔ نصرت الٰہی پر آپ کو پورا وثوق تھا
حق کی فتح پر کامل یقین تھا اسلام اور اس کی پاکیزہ تعلیم کے قیامت تک نہ مٹنے والے اثر کا عقیدہ
آپکے دل میں راسخ تھا خواہ عروج اسلام آپ کی زندگی میں ہو یا بعد کو۔ حق تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ ۔۔۔ فَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ (ترجمہ) پس تو صبر کر بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ پس جیسے وعدے ہم ان لوگوں سے کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تجھکو دکھا دیں یا اُن وعدوں کے واقع ہونے سے پہلے تجھکو دنیا سے اُٹھالیں بہرکیف ان کو تو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہی ہے۔ پارہ ۲۴ سورہ مومن ۱۸

واقعہ معراج

انھیں ایام میں حق تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسول کو اپنی قدرت عظمت اور رحمت کا سماں آنکھوں سے دکھا کر ایقان کامل کے انتہائی درجہ تک پہونچا دیا۔ یعنی اشرف المخلوقات کے گروہ میں سے ایک خاص الخاص بندہ کو ایک شب میں معراج کمال پر پہونچا کر خلعت اصطفےٰ سے سرفراز فرمایا اور عالم شہود میں عالم غیب کے اسرار آئینہ کر دئے۔ شرح معراج کے واسطے لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں) کا اشارہ کافی ہے اس سے زیادہ ؎

اگر یک سرِ موے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

وہ سرور وہ لذت وہ ذوق حضوری وہ کیفیت وہ سوز و گداز وہ راز و نیاز وہ مشاہدہ وہ استغراق زبان قلم سے کیونکر ادا ہو۔ ان جذبات کے پرتو کا عشر عشیر اُس مومن متقی کے قلب روشن پر جلوہ افگن ہوتا ہے جو ذوق شوق اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے۔ یہی نماز وہ نورانی تحفہ ہے جو بارگاہ صمدیت سے محبوب کبریا کو اسی شب معراج میں عطا ہوا اور آپ نے کمال دریا دلی سے اپنے پیرؤں کو اس کے فیض سے فائز فرمایا۔ بیشک قضیہ معراج کی تصدیق کے واسطے نماز برہانِ مسلّم ہے۔ اس کا منکر انسان کے بدیہی مدارج کمال کا منکر ہے[1]۔ حقیقت میں انسان

---

[1] معراج کے واقعہ کو ہمارے شعرا کی رنگینیوں اور واعظین کی لن ترانیوں نے فسانہ بنا دیا ہے جس طرح یہود نے معراج یعقوب (کتاب پیدائش باب ۲۸) اور حزقیل کو عیسائیوں نے مکاشفات یوحنا کو عجیب و غریب داستان بنا کر ظاہر پرستوں کو مسحور کر دیا۔ اسیطرح بہت سے مسلمانوں نے معراج کو اس طور پر بیان کیا کہ حقیقت پر پردہ پڑگیا۔ متقدمین علما میں بعض معراج جسمانی کے قائل تھے بعض روحانی کے صحابہ کرام کا بھی یہی حال تھا۔ مگر علماے متاخرین نے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

ایک مشت خاک ہے مگر اس کے پوشیدہ جوہروں سے وہی خوب واقف ہے جس نے اس کو خلق کیا ہے۔ اس کا قلب جو عرش خدا ہے عجائبات سے بھرا ہوا ہے عالم بالا اس کی جولانگاہ ہے۔ بس فیضان الٰہی کا ایک اشارہ چاہئے۔ خوب ؎

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

بیعت عقبہ ثانیہ

نبوت کے تیرہویں سال ایام حج میں یثرب سے ایک جم غفیر مکہ کو روانہ ہوا اس میں پچھتر آدمی جو اس مابین میں ایمان لائے تھے اس ارادہ سے شریک ہوکر ہمراہ ہوئے کہ حضرت رسول خدا کو اپنے شہر میں بلائیں تاکہ اپنا جان و مال آپکے قدموں پر نثار کرکے دین حق کی اشاعت میں کوشش کریں۔ ایام تشریق کی ایک شب کو شیدایان حق کا یہ مختصر گروہ اپنے بت پرست ساتھیوں سے چھپکر اسی جگہ جہاں کہ بیعت عقبۃ الاولیٰ عمل میں آئی تھی جمع ہوا اور حضرت رسول خدا کو اطلاع دی آپ اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ہمراہ جو اس وقت تک اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے مگر بہ مقتضائے شفقت اپنے بھتیجے کے کاموں میں معین و مددگار رہتے تھے وہاں تشریف لائے سب سے پہلے حضرت عباسؓ نے فرمایا۔ لوگو تم جانتے ہو کہ محمد صلعم ہماری قوم میں کس پایہ کے آدمی ہیں۔ قریش چونکہ مذہبی معاملہ میں اب آپکے جانی دشمن ہوگئے ہیں اس وجہ سے قبل اس کے کہ تم ان کی رفاقت پر عہد کرو پہلے سوچ سمجھ لو کہ اس معاملہ میں جان پر کھیلنا پڑیگا اور پوری طور سے شرط وفا ادا کرنا ہوگی اگر تم اس خطرہ میں ہمت اور استقلال کے ساتھ پڑنا گوارا کرو تو بہتر ورنہ صاف کہدو تاکہ پھر بعد کو کوئی خرابی پیدا نہو۔ یہ سُنکر لوگوں نے عرض کیا یہ تو ہم نے سُنا مگر اے رسول خدا آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں ہم خدا اور رسول سے عہد کرنے کو

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) ایک طرفہ ڈگری دے دی اور معراج جسمانی کے قائل ہوگئے متقدمین کا اختلاف رحمت تھا مگر متاخرین کا اختلاف فتنہ و فساد اور کفر کے فتووں کی بھرمار ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ خداوند کریم ہم پر رحم فرمائے اور کتاب اللہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مستعد بیٹھے ہیں۔ آنحضرتؐ نے پہلے کلام مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں پھر ارشاد فرمایا "اے ایمان
والو خداوند تعالیٰ کا عہد یہ ہے کہ بس اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ جانو اور مجھ سے
یہ عہد کرو کہ دین حق کی اشاعت میں اپنے جان و مال سے میری مدد کروگے اور جس وقت تمہارے
شہر میں آؤں اس وقت میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت مثل اپنے اہل وعیال کے کروگے"
سامعین نے عرض کیا اچھا اگر راہ حق میں ہماری جانیں کام آئیں تو ہمیں اس کا معاوضہ کیا ملےگا
مخبر صادق نے جواب دیا بہشت جاودانی اس کا صلہ ہے۔ شیفتگان حق نے مسرور ہوکر اب عجب
مزہ کا سوال کیا کہنے لگے "جب حق تعالیٰ آپ کو کامیابی کی شہ نشین پر بٹھاوے اس وقت
آپ ہمیں چھوڑ تو نہ دینگے اور ہم سے منہ موڑ کر اپنی قوم سے مل تو نہ جائینگے" آپ اس کلمہ کو
سنکر مسکرائے اور فرمایا "کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے میں تمہارا ہوچکا تم میرے ہوچکے۔ میرا مرنا
جینا تمہارے ساتھ ہے" یہ سننا تھا کہ ہر شخص جوش سرور میں کہنے لگا یارسول اللہ اپنا دست مبارک
پھیلائیے۔ ہم سب بیعت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے عہد لیکر ان میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے تاکہ
یثرب میں دین حق پھیلائیں۔ جس وقت یہ کارروائی ہو رہی تھی کفار قریش کا ایک مخبر دور سے
یہ ماجرا دیکھکر چلا یا اور دوڑا ہوا شہر میں آیا تاکہ کافروں کے سرداروں کو اطلاع دے۔ صبح کو سرداران
قریش پیچ وتاب کھاتے ہوئے یثرب کے قافلے میں آئے اور بہت کچھ ڈرایا دھمکایا کہ شب کے
واقعہ کا کچھ پتہ چل جائے مگر یہ راز سربستہ کسی طرح نہ کھلا آخر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور قافلہ روانہ
ہوگیا۔ لیکن قریش کی یہ ناکامی آنحضرتؐ اور مسلمانان مکہ کے واسطے بلائے بے درمان ہوگئی عناد
کی آگ سارے شہر میں بھڑک اٹھی اور ہر مشرک اب اس تاک میں بیٹھا کہ جس طرح ہو سکے
ان موحدوں کا خاتمہ کردے۔ حضرت رسول خدا نے یہ حال دیکھکر مسلمانوں کو یثرب میں ہجرت
کرنے کی اجازت دی چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک ایک دو دو کرکے قریب ایک سو
گھر کے خالی ہوگئے۔ اس نازک وقت میں جبکہ جان کے لالے پڑے ہوئے تھے مشرکین درندوں
کی طرح خون کے پیاسے تھے اور ہر طرف موت کا سامنا تھا۔ آنحضرتؐ کمال پامردی اور استقلال

کے ساتھ اس مہلکہ میں قدم جمائے رہے یہاں تک کہ اصحاب نبی راہ خدا میں ہجرت کرکے بخیر و عافیت یثرب پہونچ گئے صرف آپ کے ساتھ رفیق قدیم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت شیر خدا علی مرتضی باقی رہ گئے۔

قریش کا قتل رسول پر آمادہ ہو کر مکان گھیر لینا

مشرکین قریش یہ حال دیکھکر سمجھے کہ اب غضب ہوگیا مسلمانوں کو ایک پناہ کی جگہ مل گئی اور ہم کچھ نہ کرسکے مگر گیا ہوا ابھی موقع ہاتھ سے نہیں گیا۔ بس اب یہی وقت ہے محمد تنہا ہیں جو کچھ کرنا ہو جلدی سے کرنا چاہیئے۔ ورنہ کہیں آپ بھی یثرب نہ پہونچ جائیں اور ہم ہاتھ مل کر رہ جائیں۔ چنانچہ نہایت عجلت کے ساتھ مکہ کے دار الندوہ میں مشرکین قریش کے سرداروں کا جس میں دوسرے قبیلوں کے منتخب اشخاص بھی بلائے گئے تھے ایک جلسہ قرار پایا اور آنحضرت کے متعلق رائے زنی ہونے لگی۔ اس وقت مجلس کا کچھ اور ہی رنگ تھا۔ سرداران قریش بپھرے بیٹھے تھے تیوریاں چڑھی ہوئی چہرہ تمتمایا ہوا۔ آنکھیں سُرخ۔ مُنہ سے کف جاری۔ کوئی دانت پیس رہا ہے۔ کوئی سخت سُست بک رہا ہے۔ غرضکہ ہر طرف غیظ و غضب ہی کے آثار تھے۔ مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ کسی نے شہر بدر کرنے کی رائے دی کسی نے قید کر رکھنے کی کسی نے قتل کر ڈالنے کی مگر ابو جہل نے سب کی تردید شروع کی اور کہا شہر بدر کرنا شکار کو چھوڑ دینا ہے۔ قید کرنا مخمصہ میں پھنسنا ہے۔ پیروان محمد یثرب سے کہیں حملہ نہ کر بیٹھیں۔ قتل کرنا تمام بنی ہاشم سے لڑائی مول لینا ہے ان سب سے یہ بہتر ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک جری منتخب کیا جائے جن کو تاکید کی جائے کہ ایک مقررہ وقت پر سب ملکر آپ پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑیں اور تلواروں سے ٹکڑے اُڑا دیں بس یہی صورت ہے جس سے مطلب بھی حاصل ہو جائے گا اور بنی ہاشم کے انتقام سے نجات بھی ملجائیگی کیونکہ بنی ہاشم آخر کس کس قبیلہ سے خون کا بدلہ لیتے پھرینگے۔ ابو جہل جس وقت اپنی شیطانی تجویز پیش کرچکا ایک بڈھے خناس نے زور شور کے ساتھ تائید کی اور بالاتفاق رزولیوشن پاس ہوگیا۔[1]

---

[1] حق تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (سورہ انفال)

رات کی تاریکی میں یہ خونخوار درندے خانۂ اقدس کے گرد چپکے سے گھات لگاکر دبک رہے کہ علی الصباح جس وقت آپ برآمد ہوں ایک ساتھ جھپٹ کر فیصلہ کر دیں۔ بار بار روزن در سے جھانکتے تھے اور یہ دیکھکر کہ آپ بستر راحت پر آرام فرما رہے ہیں خوش خوش دبے پاؤں واپس آتے تھے کہ ہمارا شکار ہمارے پنجہ میں ہے۔ مگر ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

حافظ حقیقی نے اپنے حبیب کی آپ حفاظت کی اور اس مہلکہ سے نجات پانے کی تدبیر تلقین فرمائی آپنے حضرت علیؓ مرتضیٰ سے ارشاد فرمایا کہ کفار میرے خون کے پیاسے گھات لگائے بیٹھے ہیں تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر لیٹ رہو تاکہ قاتلوں کو میرے نکل جانے کا شبہ نہو۔ خدا تمہارا نگہبان ہے تم کچھ اندیشہ نہ کرنا۔ فدائے نبیؐ حضرت علیؓ مرتضیٰ جنھیں اپنی جان شیریں حبیب خدا سے زیادہ پیاری نہ تھی اُٹھے اور بستر رسول پر اپنی جان کی قربانی پیش کردی اور گویا یہ شعر حسب حال تھا ؎

حضرت علی مرتضیٰؓ کی فدائیت

ایدوست اگر جاں طلبی جاں تبو بخشم
وز جاں چہ عزیزست بگو آں تبو بخشم

حضرت رسول خدا نے پہلے جس قدر امانتیں آپکے پاس موجود تھیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں کہ ان کے مالکوں کو پہنچا کر مدینہ چلے آئیں بعد ازاں حافظ حقیقی پر بھروسہ کرکے مکان کے ایک دریچہ سے چھپکر نکلے اور قاتلوں کی آنکھوں میں خاک ڈالکر صاف نکل گئے۔ آپ کی تشریف بری گویا ایک برق خاطف تھی جو دیکھنے والوں کو اندھا کرکے غائب ہوگئی۔ خونخوار قاتل علی الصباح آپکے برآمد ہونے کے منتظر تھے مگر یہاں صبح کاذب کے پیشتر ہی صبح صادق کا ظہور ہو چکا تھا۔ کُتّے غافل ہوگئے تھے اور مکان میں صرف خدا کا شیر سو رہا تھا۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد قاتل آخر گھر میں گھسے۔ بستر رسول پر حضرت علیؓ مرتضیٰ کو دیکھکر سخت متعجب ہوئے آپ کو بہت کچھ ڈرایا دھمکایا اور سخت اذیت دی کہ کسی طرح آنحضرتؐ کا پتہ بتا دیں مگر آپ صرف یہی کہتے رہے:" واللہ اعلم

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت

بحال رسولہ " مکان سے نکلکر حضرت رسول خدا اپنے قدیم رفیق حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر آئے اور دن بھر وہیں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جلدی جلدی سامان سفر درست کیا۔ بنی دیل کے ایک شخص کو راہبری کے واسطے اجیر مقرر کیا کہ ضرورت کے وقت مستعد رہے اور اپنے بیٹے عبداللہ کو ہدایت کی کہ دن بھر کفار قریش کی خبریں دریافت کر کے شب کو اطلاع دیا کریں۔ جب یہ انتظام ہوگیا آدھی رات کو آنحضرتؐ اپنے وفادار رفیق کو جس نے خدا اور رسول کی محبت میں اپنے اہل و عیال سب کو تنہا چھوڑا ساتھ لے کر مکان سے چھپ کر نکلے اور مکہ سے باہر ایک تنگ و تاریک درہ کوہ میں جسے غار ثور کہتے ہیں پناہ گزیں ہوئے۔

اصحاب رسول حضرت عیسیٰ کے حواری نہ تھے

واقعی آپ کے اصحاب باصفا حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح نہ تھے کہ یہودے مخبری کر کے روح اللہ کو گرفتار کرا دیا اور پھر اپنی اپنی جان بچا کر چلدیئے بلکہ صحابہ کرام ایسے جاں نثار تھے کہ ہر حال میں حضرت رسول خدا پر قربان تھے ان کی مخلصانہ خدمات سچی جانفشانیاں اور فی سبیل اللہ کوششیں آفتاب کی طرح روشن رہینگی۔ کسی کے خاک ڈالنے سے کیا ہوتا ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

غار ثور

کفار قریش اپنی آخری کوشش میں ناکام رہکر بالکل ازخود رفتہ ہوگئے۔ اب اُن کے غیظ و غضب کی کچھ انتہا نہ تھی۔ شہر میں منادی کردی کہ جو کوئی آپ کا پتہ لگا کر شہید کرڈالے مالامال کردیا جائے گا۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے اور جوش و خروش کے ساتھ ہر سمت ڈھونڈھنے لگے۔ عرب نشان قدم خوب پہچانتے ہیں پتہ لگاتے لگاتے غار ثور تک پہونچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو جس وقت ان کی آہٹ معلوم ہوئی نہایت مضطرب ہوئے اور آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ کفار آن پہنچے۔ اب ہم دونوں کا یہیں خاتمہ ہے۔ حضرت رسول خدا نے ایسی نازک حالت میں جبکہ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی اور تمام اُمیدوں کا خاتمہ تھا بے نظیر استقلال اور عدیم المثال جوانمردی سے ارشاد فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اے ابوبکر کیا غم ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے (سورۂ توبہ ۱۰) یہ وہ جان بخش الفاظ ہیں جو صفحہ تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور یقین کامل اور رضا و تسلیم کی مجسم اور زندہ تصویر ہیں۔ الغرض کفار غار کے کنارے پہونچے اور قریب

تھا کہ توحید کامل کا تعلیم دینے والا تمام عالم کو ایک جامع اور مانع مذہب کا سکھانے والا انسان کو دینی اور دنیاوی فلاح کا راستہ بتانے والا یعنی حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بغیر دین کی تکمیل کئے ہوئے خاتمہ ہو جائے مگر قادر ذوالجلال نے اپنی قدرت کا عجب کرشمہ دکھایا۔ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تان رکھا تھا اور گویا اس محبوب دوجہاں کے واسطے اپنی بساط کے موافق سینہ سپر ہو گئی تھی۔ جنگلی کبوتر کے ایک جوڑے نے وہیں پر اپنا گھونسلا بنا لیا تھا گویا دربانی کی خدمت ادا کر رہے تھے۔ کفار ان علامات کو دیکھکر یوں سمجھے کہ ممکن نہیں آپ اس تنگ و تاریک اور ویران غار میں پناہ گزیں ہوئے ہوں وہاں سے آگے بڑھ گئے اور آخر تھک کر واپس آئے تین شبانہ روز آپ اس غار میں پوشیدہ رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی ایک صاحبزادی چھپکر رات کو کھانا پہنچا دیتی تھیں اور عبداللہ ابن ابی بکرؓ کفار کی خبریں لاتے تھے۔ تیسرے دن راہبر جس کو اجیر مقرر کیا تھا حسب ہدایت دونوں اونٹ غار کے پاس لے کر حاضر ہوا۔ عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکرؓ کا غلام بھی وقت پر آپہونچا آنحضرتؐ غار سے برآمد ہوئے۔ اپنے ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنا ردیف بنا لیا دوسرے اونٹ پر عامر اور وہی راہبر عبداللہ ابن اریقط سوار ہوئے اور عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے یثرب کی سمت روانہ ہوئے۔ مگر ابھی تک پتہ لگانے والوں کا سلسلہ ٹوٹا نہ تھا۔ گراں بہا انعام کے لالچ میں لوگ اس معصوم نبی کی تلاش میں جانیں لڑا رہے تھے آخر ان میں سے ایک مسلح شہ سوار سراقہ نامی آپ تک پہونچ ہی گیا۔ آنحضرتؐ اس وقت یاد خدا میں مشغول کلام مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ دشمن جیسے ہی قریب آیا تائید غیبی اپنا کام کر گئی گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور سوار عاجز ہو گیا کیوں نہیں ؎

ہیبت حق است این از خلق نیست

سراقہ پر ہیبت طاری ہو گئی دل لرزنے لگا سمجھا کہ خاصان خدا پر ہاتھ ڈالنے والا نیچا دیکھتا ہے نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوا اور اپنی استدعا قبول ہو جانے کے بعد مکہ واپس آیا[1] اور راستے میں جس قدر پتہ لگانے والے ملتے گئے اُن کو یہ کہکر پھیر لایا کہ میں دو تک

[1] فتح مکہ کے بعد سراقہ مع اپنے قبیلہ کے ایمان لایا (مدارج النبوت)

دیکھ آیا کہیں پتہ نشان نہیں چلتا۔

مدینہ میں بخیر و عافیت تشریف لانا مسجد قبا

الغرض دوشنبہ کے دن ربیع الاول کے شروع ماہ میں آنحضرتؐ مع الخیر نواح یثرب میں پہونچ گئے اور شہر کے باہر دو میل جنوب کی طرف بنو عمر بن عوف کے گاؤں میں جسے قبا کہتے تھے قیام فرمایا۔ سب سے پہلے جو کام آنحضرتؐ نے کیا وہ یہ تھا کہ اس خدائے واحد کی پرستش کے کے واسطے خود بہ نفس نفیس صحابہ کے ساتھ ایک مختصر سی مسجد تعمیر کی۔ یہی وہ خدا خانہ ہے جس کی شان میں لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ نازل ہوا اور اسی کو اب مسجد قبا کہتے ہیں۔ یہاں پہلے پہل آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ وحدہٗ لاشریک خدا کی عبادت بے روک ٹوک شروع ہو گئی اور مشرکین مکہ کے ہاتھوں جس قدر ناقابل برداشت اذیتیں سہی تھیں سب مبدل بہ راحت ہو گئیں۔ بیشک ؎

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

قریب دو ہفتہ کے آنحضرتؐ نے یہاں قیام فرمایا اس مابین میں حضرت علیؓ مرتضیٰ جنہوں نے مشرکین مکہ کی دار و گیر سے نجات پا کر پاپیادہ صعوبت سفر اختیار کر کے راہ خدا میں ہجرت کی تھی آنحضرتؐ کے پاس بخیر و عافیت پہونچ گئے۔

سولھویں تاریخ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت رسول خدا سوار ہو کر شہر کی طرف متوجہ ہوئے ہر ایک انصاری یہی چاہتا تھا کہ آپ اسی کے گھر پر قدم رنجہ فرمائیں مگر آپ نے کسی کی دلشکنی منظور نہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرا ناقہ جہاں ٹھہر جائے وہی میری قیام گاہ ہے۔ شہر پہونچکر آپ کا ناقہ جس جگہ کہ اب مسجد نبوی بنی ہے ٹھہر گیا وہاں سے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا مکان قریب تھا اس لئے انھیں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ فردوس بریں کے میزبان کو اپنا مہمان بنایا۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

تبلیغ رسالت کے ابتدائی تیرہ برس جو مکہ میں گذرے ان کو یوں سمجھنا چاہیے جیسے رات کو چاندنی

چھٹکی ہو مگر ہر طرف سناٹا۔ موت کی بہن نیند ہر ایک کو دار و بے ہوشی سنگھا رہی ہو اور لوگ اینڈا اینڈ کر سو رہے ہوں۔ مگر نہیں چند زندہ دل بیدار طالع آنکھیں ملتے اُٹھ بیٹھے اور شب ماہ کے پُر لطف سماں کا نظارہ کرتے کرتے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ کے وجد میں لانے والے الفاظ جھوم جھوم کر پڑھنے لگے مگر ان کا ذوق شوق انکی محویت انھیں تک محدود ہے ان کی نیند کے ماتے ساتھیوں کو گویا سانپ سونگھ گیا کہ کروٹ تک نہیں لیتے آخر سے

صبح دمید شب گذشت ماہ شبیں نجا نہ رفت

تبلیغ رسالت آفتاب عالمتاب کی شکل میں نمایاں ہوئی اور یثرب مطلع انوار بن گیا آرام کا وقت گیا اب کام کی گھڑی شروع ہوئی اور دینداروں کے لئے ایک نیا دور شروع ہوا۔ غفلت شعار سونے والو کب تک پریشان خواب دیکھو گے۔ رات کی باتیں افسانہ ہو گئیں چاندنی کی بہار اگر نہیں دیکھی تو اب دن کی روشنی میں حقیقت کا جلوہ دیکھو۔

مدینۃ الرسول

اولاد اسمٰعیل

حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے ارشاد فرمایا "میں نے تیری دعا اسمٰعیلؑ کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اُسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی اس سے بارہ امام پیدا ہونگے اور اُس کو بڑی قوم کرونگا" (توریت کتاب اوّل باب ۱۷-۲۰)

خداوندی بشارت کے موافق اولاد اسمٰعیلؑ خوب پھلی پھولی اور تمام سرزمین حجاز میں پھیل گئی۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر اسی نسل کی ایک شاخ تھے جو مکہ سے جانب شمال گیارہ دن کے راہ پر یثرب اور اس کے گرد نواح کے سرسبز قطعہ زمین پر آباد تھے اور آن یہودیوں کے میل جول سے جو یونانیوں اور رومیوں کی دستبرد سے ترک وطن کرکے یثرب میں پناہ گزیں ہوئے موسوی دین اختیار کر لیا تھا۔ یہ مخلوط آبادی اب یہود کے لقب سے مشہور ہوئی اور یثرب اور

اُس کے نواح پر قابض ہوگئی۔ بنی نضیر نے "خیبر"، بنی قریظہ نے "فدک"، اور بنی قینقاع نے خاص یثرب پر قبضہ کرکے اپنے اپنے مضبوط قلعے طیار کرلئے۔

اوس و خزرج

انہیں ایام میں یمن کے ایک حمیری سردار ثعلبہ بن عمرو نے اپنے وطن سے نکلکر حجاز میں سکونت اختیار کی اُسی کی نسل جو آئندہ اوس اور خزرج کے نام سے مشہور ہوئی بڑھتے بڑھتے یثرب تک پہونچ گئی اور وہیں ڈیرے ڈالدیئے۔ ابتدا میں یہود ان نوواردوں سے بہ صلح پیش آئے مگر رفتہ رفتہ ایک دوسرے کے رقیب بنکر مخالف ہوگئے اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا۔ اوس اور خزرج پہلے تو دب گئے مگر جب طرح طرح کی ذلتوں سے سامنا ہوا تو ان میں سخت جوش پیدا ہوگیا اور آخر یہودیوں پر غالب آگئے۔ مصیبت میں علی العموم انسان کو خدا یاد آتا ہے۔ یہود جب ذلیل و خوار ہوئے رب الافواج کی درگاہ میں یوں دعا کرنے لگے کہ "اے خداوند یہوا اُس آخرالزمان نبی کو جس کی تشریف آوری کی بشارت تو نے مقدس توراۃ میں دی ہے جلد بھیج کہ ہمارا اگلا جاہ و جلال پھر واپس آئے"، اس انتظار میں کئی پشتیں گذر گئیں ہر ایک دیندار یہودی مرتے وقت اپنی اولاد کو یہی وصیت کرتا تھا کہ "وہ نبی"[1]، عنقریب آنے والا ہے اُس کی جان و دل سے اطاعت کرنا۔ اسی کی برکت سے بیڑا پار لگے گا۔ آخر رب الافواج نے اپنا وعدہ پورا کیا، "قدوس"، لشکر ملائکہ کے ساتھ اپنے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن لیکر "فاران"، کے پہاڑ سے اُترا حضرت سلیمان کا نورانی گندم گوں محبوب "محمدیم"، "جنوب"، سے "ناقہ" پر سوار نمودار ہوا[2]۔ یہود نے پہچانا تو ضرور اور

---

[1] یوحنا باب اول آیت ۲۰ لغایت ۲۵ میں لکھا ہے کہ "فریسی"، نے حضرت یحییٰ سے پوچھا کہ تو کیوں اصطباغ کرتا ہے جب کہ تو نہ کرستاس ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ کرستاس یعنی حضرت مسیح کے ایک اور نبی کے آنے کی اُمید تھی اور وہ پیغمبر ایسا مشہور تھا کہ بجائے نام کے صرف اشارہ ہی کافی تھا۔ لفظ آنحضرتؐ شرح "وہ نبی"، کی ہے"

[2] ان جملوں میں ذیل کی بشارات کی طرف اشارہ ہے جو توراۃ میں آنحضرتؐ کی نسبت درج ہیں۔ بشارت اول اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اُس کے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا (توریت کتاب پنجم باب ۳۳ آیت ۲) بشارت دوم آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

پہچانتے کیوں نہیں یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ (اسکو یہ پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں) مگر شامت سوار تھی اس نعمت کی قدر نہ کی آخر یہ دولت اوس اور خزرج کو نصیب بارگاہ الٰہی سے انصار کا مبارک لقب عطا ہوا نصیب ہوئی۔ صرف چند خوش نصیب یہود اِس فیض سے فائز ہوئے۔ ان میں عبداللہ ابن سلام بہت مشہور ہیں جو احبار یہود سے تھے اور نہایت عالم فاضل صحف سماوی سے واقف تھے۔ آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی خبر سُنکر حاضر ہوئے جس وقت اس نورانی چہرہ کو دیکھا اُنھیں کا یہ قول ہے کہ میرے دل نے بے اختیار گواہی دی کہ کذابوں کا ایسا چہرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پھر جس وقت آپ کو یہ نصیحت کرتے سُنا اَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ (ترجمہ) لوگو رسم اسلام جاری کرو محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور عزیزوں سے سلوک کرو اور رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہوں] قلب نور ایمان سے بھر گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپکے رسالت کی تصدیق کرتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ میرا اسلام آشکارا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) فاران کے پہاڑ سے آسمانوں کو جمال سے چھپا دیا اس کی ستائش سے زمین بھر گئی (کتاب حبقوق باب ۳ آیت ۳) بشارت سوم میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اور وہ بالکل محمد یعنی تعریف کیا گیا ہے (کتاب تسبیحات سلیمان باب ۵ آیت ۱۰ لغایت ۱۶) بشارت چہارم سب قوموں کو ہلا دونگا اور حمد سب قوموں کا آویگا (کتاب حجی نبی باب ۲ آیت ۷) بشارت پنجم قائم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھسا اُس کو مانیو اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قائم کرونگا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں دونگا اور جو کچھ میں اُن سے کہونگا وہ اُن سے کہدیگا (توریت کتاب پنجم باب ۱۸ آیت ۱۵ و ۱۸) یہ بشارت محمدؐ کے مبعوث ہونیکی ایسی صاف و محکم ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسیٰ کے مبعوث کرونگا اور کچھ شبہ نہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں اور بنی اسمٰعیل میں بجز آنحضرتؐ کے اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ یہ بشارت ہمارے نبی جناب پیغمبر خدا کی تھی۔ خطبات احمدیہ ۳۰۵ لغایت ۳۵۶ میں یہ بحث خوب لکھی ہے ۱۲

ہو آپ گروہ یہود کو بُلا کر میرا حال دریافت فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے مجمع یہود میں عبداللہ ابن سلام کی نسبت دریافت فرمایا۔ سب یک زبان ہو کر کہنے لگے "وہ ہمارا سردار اور سردار زادہ ہے" آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا شخص مجھ پر ایمان لائے تب تو تم کو میری نسبت کچھ شک نہ رہیگا یہود نے جواب دیا حاشا و کلا بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ ابن سلام کو پکار کر سامنے آؤ۔ حق پسند ابن سلام حاضر ہوئے اور بآواز بلند کہنے لگے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پھر اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا "بھائیو خدا سے ڈرو اور اس رسول برحق پر ایمان لاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ پیغمبر خدا ہے" یہود یہ سنکر اس قدر برہم ہوئے کہ اپنے "اسی سردار اور سردار زادہ" کی نسبت کہنے لگے "وہ بڑا بُرا ہے اور ہمارے بڑے بُرے کا بیٹا ہے" دار ابوایوب میں قیام فرما کر آنحضرتؐ نے پہلے مہاجرین اور انصار میں عقد مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دیا کہ ایک دوسرے کو اپنا دینی بھائی سمجھ کر مثل عزیزوں کے برتاؤ کریں۔ اس طرح غریب الوطن مہاجرین کا ٹھکانا بھی ہو گیا اور سچی ہمدردی اور زبردست اتفاق کا عملی سبق بھی ہو گیا۔ اوس و خزرج اپنے باہمی خانہ جنگیوں کو یک قلم فراموش کر کے ایک گروہ انصار بنکر مہاجرین کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے اور دنیا کو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [1] کے معنی سمجھا دیئے۔

بھائی چارہ

باہمی اتفاق قائم کرنے کے بعد آنحضرتؐ نے خاص مدینہ میں وہ زمین جہاں کہ آپ کا ناقہ بیٹھا تھا خریدنا چاہی تاکہ ایک خدا خانہ جو اب مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے تعمیر کیا جائے۔ اس وقت اس اراضی کے مالک دو یتیم سہل اور سہیل تھے جو ایک انصاری کی نگرانی میں پرورش پاتے تھے۔ ان کو جس وقت یہ حال معلوم ہوا بخوشی خاطر اس زمین کو مسجد کے واسطے بلا قیمت دینے کو راضی ہو گئے مگر رحمۃ للعالمین نبی کے دردمند دل کو ہرگز گوارا نہ ہوا کہ یتیم کسی طرح بھی اپنے حق سے محروم ہو جائے اس لئے اپنے قدیم رفیق حضرت ابوبکرؓ سے دس مثقال زر سرخ دلوا کر

[1] اور پکڑلو رسی اللہ کی سب کے سب اور نہ جدا جدا ہو۔ سورہ آل عمران پارہ ۴ ۱۲

مسجد نبوی کی تعمیر

اراضی خرید لی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس متبرک خدا خانہ کے واسطے نہ کہیں سے قیمتی پتھر آئے اور نہ معمار و مزدور بلائے گئے۔ سید الانبیا اپنے مقدس ہاتھوں سے کچی اینٹیں اٹھاتا تھا اور گروہ "خیر الامم" کے ساتھ کام بنانے میں مشغول تھا۔ آخر انیٹ اور گارے کی دیواریں بن گئیں کھجور کی چھال سے چھت پاٹی گئی اور خرمے کی لکڑی کے ستون قائم کئے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں خالق بے نیاز کی سچی عبادت کے واسطے یہ سادہ عمارت جس میں نہ محراب نہ منبر نہ فرش فروش نہ ساز و سامان تیار ہو گئی لیکن اگر یہ چیزیں نہ تھیں تو کیا ہرج تھا بھلا جہاں تسلیم کی محراب، اخلاص کا منبر، تواضع کا فرش اور صدق و صفا کا ساز و سامان ہو وہاں فانی چیزوں کا کیا ذکر۔ مسجد جب تیار ہو چکی تو اس کے صحن میں ایک جگہ ان مساکین کے واسطے مخصوص کر دی گئی جو بعد کو اصحاب صفہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ غریب الوطن خانماں برباد بہت مفلوک الحال تھے۔ بیچارے کھانے کپڑے سے محتاج مگر اللہ دل ایسا غنی تھا کہ خدا و رسول کی محبت میں کسی چیز کی پروا نہ تھی پہلوے مسجد میں بعد ازاں آنحضرت نے اپنے اہل بیت کے واسطے حجرے بنوا کر ابو رافع اور زید بن حارثہ کو پانسو درہم اور دو اونٹ دیکر مکہ بھیجا کہ حضرت فاطمہ زہرا اور ام کلثوم اور ام المومنین سودہ کو ہمراہ لائیں ساتھ ہی عبداللہ ابن ابوبکر بھی گئے اور حضرت صدیق کے اہل و عیال بھی آ گئے۔

ہجرت کے ساتویں مہینے آنحضرت نے ابو ایوب کے مکان سے اٹھ کر مسجد کے حجرہ میں قیام فرمایا اور مہاجرین و انصار اطمینان کے ساتھ فلاح دارین حاصل کرنے لگے۔ وقت نماز کی اطلاع کے واسطے اسی مسجد میں پہلے پہل وہ طریقہ مشروع ہوا جو اپنی آپ نظیر ہے جبکہ ہر طرف ناقوس اور گھنٹوں کی صدا دیر و کلیسا میں گونجتی تھی اس حرم شریف میں اللہ اکبر کا دل ہلا دینے والا

لہ ہجرت سے تین برس پیشتر حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ کو جن کی اس وقت چھ برس کی عمر تھی آنحضرت کے مکہ معظمہ میں منسوب کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ پہونچکر سنہ ۱ھ میں حضرت عائشہ آنحضرت کے گھر رخصت کی گئیں۔ اس وقت آپ کا سن گیارہ برس کا تھا۔ بعضوں نے اختلاف کیا ہے مگر یہی قول صحیح ہے ۱۲

نعرہ اور حی علی الفلاح کی خوش آیند بشارت حضرت بلال جیسے سچے عاشق کے حریم سینہ سے نکلکر ہوا میں بلند ہونے لگی۔ وحدہ لاشریک خدا کی عبادت کرنے والے اس دلکش آواز کو سنتے ہی فوراً اپنا اپنا کام چھوڑکر پنجوقتہ مسجد میں حاضر ہوتے تھے اور " اللہ اکبر" کے ساتھ ہی امیر اور غریب شریف اور رذیل سب ایک ساتھ عجز و نیاز ادب و تعظیم اور تواضع اور خاکساری کی زندہ تصویریں بنجاتے تھے۔ پھر جس وقت رسول خدا ان کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے تھے " جو شخص خدا کی مخلوق سے محبت نہیں رکھتا اور اپنے بچوں پر مہربان نہیں ہوتا وہی کہے گا کہ خدا مجھ پر مہربان نہیں ہے جو مسلمان ننگے کو کپڑا پہنائے گا خدا اُسے بہشتی لباس عطا فرمائے گا۔ سنو ہر نیک کام خیرات ہے۔ تمہارا خندہ پیشانی اپنے بھائی کی طرف دیکھنا خیرات ہے۔ ایک گروہ کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرنا خیرات ہے۔ بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانا خیرات ہے۔ اندھے کی دستگیری خیرات ہے۔ سڑک پر کنکر پتھر یا ٹھوکر کی چیز کو سرکا دینا خیرات ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا خیرات ہے۔ انسان کی حقیقی دولت وہی نیکیاں ہیں جو اُس نے جیتے جی لوگوں کے ساتھ کی ہیں مرنے کے بعد دنیا میں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ کتنا مال چھوڑ کے مرا۔ لیکن قبر میں فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تو نیک اعمال کا توشہ کتنا اپنے ساتھ لایا" یہ سُنکر سامعین کے قلوب معرفت سے بھر جاتے تھے اور نیک اعمال بجالانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

قریش یہود اور منافقین

مسلمانوں کو اب اگرچہ کچھ اطمینان ہو چلا تھا مگر ایک خوف ہر وقت رہتا تھا۔ جس شخص نے عربوں کی اس زمانہ کی تاریخ ان کی شورہ پشتی ستمگری اور جنگجوئی کا اندازہ غور سے کیا ہوگا وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ کس کا خوف تھا۔ یہ اُن سنگدلوں کا خوف تھا جنھوں نے ان مظلوم مسلمانوں پر خدا واسطے طرح طرح کے ستم توڑے تھے اور صرف اس لئے کہ یہ وحدہ لاشریک خدا کے ماننے والے ہیں ایک دم چین سے بیٹھنے نہ دیا آخر ان بیچاروں نے غریب الوطنی کی مصیبت اختیار کی اور خدا خدا کرکے ایک گوشۂ عافیت نصیب بھی ہوا مگر ناظرین کو یاد ہوگا کہ جن ظالموں نے حبشہ میں ہجرت کرجانے پر کیا کیا بندشیں کیں تھیں وہ بھلا اب مدینہ میں کب چین سے

بیٹھنے دیتے۔ بیشک کفار قریش کو مسلمانوں اور خاصکر آنحضرت سے دینی معاملہ میں قلبی عداوت ہوگئی تھی اور اس عداوت کے ساتھ اب ان کو ایک نیا اندیشہ پیدا ہوا کہ مدینہ میں کہیں اسلام زور نہ پکڑ جائے اور پھر مہاجرین بدلہ لینے کی غرض سے ہم پر چڑھائی کریں[1]۔

اس اندیشہ کا پتہ یوں چلتا ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال ولید بن مغیرہ جو عداوت میں ابوجہل کا بھی چچا تھا مرتے وقت زار و قطار رونے لگا اس وقت سرداران قریش اُس کے پاس موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا "اے چچا آپ موت سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں" کینہ ور اور متکبر ولید نے جواب دیا کہ مجھے موت کا کچھ خوف نہیں اگر غم ہے تو یہ ہے کہ کہیں ابن ابی کبشہ (یعنی حضرت رسولخدا) کا دین پھیل نہ جائے اور مکہ اُسی کا ہو جائے۔ ابوسفیان جو اس وقت وہاں حاضر تھا کہنے لگا "آے ولید کچھ غم نہ کر میں ضامن ہوتا ہوں کہ اس دین کو ہرگز پھیلنے نہ دونگا" کفار قریش کے جب ایسے خونخوار ارادے ہوں تو مہاجرین کو کیونکر اطمینان ہو سکتا تھا۔ وہ یقین کرتے تھے کہ لَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا[2] (ترجمہ) اہل مکہ تم سے برابر لڑتے رہینگے یہاں تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ایسا کر سکیں) کفار قریش کے خوف کے علاوہ خود مدینہ میں اس وقت پورا امن و امان نہ تھا جہاں کئی گروہ ہوگئے تھے۔ عبداللہ ابن اُبَی ایک دولتمند اور با اثر رئیس تھا۔ آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے پیشتر مدینہ میں اس شخص کا بڑا زور تھا اور اس کے ہوا خواہ بہت زبردست تھے اور قریب تھا کہ مدینہ کی حکومت اُس کے ہاتھ آجائے لیکن حضرت رسولؐ خدا کے تشریف لاتے ہی شہر کا رنگ بدل گیا۔ انصار کا جاں نثارانہ جوش اور شہر والوں کا رُجحان ابن ابی کی اُمیدوں کا خاتمہ کرنے والا ثابت ہوا اب اُس نے برملا مخالفت سے مصلحتاً کنارہ کیا اور اپنے گروہ کے ساتھ بظاہر مسلمان ہوگیا یہ جماعت جو منافقین کے لقب سے مشہور ہوئی میٹھی چھری بنکر اندر ہی اندر اپنا کام کرنے لگی اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲

[2] سورہ بقر پارہ سیقول

جب تک ابن ابی زندہ رہا نازک موقعوں پر دغا دی جاتی تھی اور مسلمانوں کی عیب جوئی اور
بربادی کی درپے رہتی تھی۔ دوسرا گروہ یہود کا تھا چونکہ یہ لوگ اہل کتاب تھے اس لئے ان کو
اپنے علم پر غرہ تھا اور کہتے تھے کہ ہم کو نبی امی کیا سکھلائے گا۔ ان کو اس بات کا بھی حسد
تھا کہ نبوت برابر بنی اسحٰق میں قائم رہی اب یکایک بنی اسمٰعیل میں کیونکر چلی گئی اور سب سے
زیادہ ان کو یہ قلبی عداوت تھی کہ ان کے دشمن اوس اور خزرج جو اب ملکر انصار رسول
کہلاتے تھے آپکے جاں نثاروں میں تھے مگر بایں ہمہ ان لوگوں نے ابھی کھلم کھلا مخالفت
نہ کی اور بظاہر شریک حال ہوگئے۔ لیکن موقع محل کے منتظر تھے۔

معاہدہ رسول

آنحضرت نے مسلمانوں کو ایسے برے ہمسایوں کے درمیان پھنسا ہوا پاکر اور کفار قریش
کے حملے کا اندیشہ کرکے کمال دانشمندی اور مدبرانہ لیاقت سے امن وامان قائم رکھنے اور مدینہ
کی حفاظت کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ جمہوری اصول پر ترتیب دیا جس کا خلاصہ یہ تھا
"محمد رسول اللہ کی طرف سے کل مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریشی ہوں یا یثربی اور ان لوگوں
کے ساتھ خواہ وہ کسی گروہ سے ہوں مگر ہمارے شریک حال رہنا چاہیں یہ معاہدہ کیا جاتا ہے
کہ یہ سب ملکر ایک قوم سمجھے جائینگے صلح اور جنگ کی حالت کل مسلمانوں پر یکساں عائد ہوگی
ان میں کسی ایک یا دو شخصوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ خود ہی جنگ کا اعلان دیں یا خود ہی
صلح کریں۔ یہودی جو ہمارے جمہوری انتظام میں شامل حال رہنا چاہتے ہیں ہر حالت میں
ہمارا فرض ہوگا کہ ہم ان کی حفاظت کریں اور ان کے لئے بیرونی حملوں کے واسطے سینہ سپر
ہوجائیں۔ ان کے حقوق ایسے ہی ہونگے جیسے مسلمانوں کے۔ وہ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو عہدوں
پر ممتاز ہونگے اور ان سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ یثرب میں جتنی قومیں یہود کی آباد ہیں وہ
سب ایک نظر سے دیکھی جائینگی اور انھیں ان کے مذہبی فرائض انجام دینے کے واسطے
مسلمانوں کی طرح کامل آزادی ہوگی۔ جو لوگ یہود کی پناہ میں ہیں اور ان کے حلیف ہیں
ان لوگوں کی بھی ویسی ہی حفاظت کی جائیگی۔ اور ویسی ہی آزادی دیجائیگی۔ مجرم

خواہ یہودی ہو یا مسلمان سزایاب ہوگا۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کرے تو یہودی مسلمانوں کے ساتھ ہوکر اس کو پسپا کرنے کو میدان جنگ میں آئینگے۔ جو شخص یثرب میں داخل ہوگا اسکے یہی حقوق ہونگے۔ جرم پر کسی کی رعایت نہ کی جائیگی خواہ کوئی سردار ہو یا عام شخص اور نہ کوئی مجرم کی بجا طرفداری کرے گا۔ خواہ اُس کا قریبی عزیز کیوں نہ ہو۔ تمام گزشتہ جھگڑوں اور قصنیوں کی انتہا سمجھی جائیگی اور اب آیندہ کوشش کی جائیگی کہ باہم مخالف اور متضاد گروہوں کا اتحاد قائم ہو۔ (ابن ہشام ۳۴۱ تا ۳۴۳)

تمام اہل مدینے نے اس معاہدہ پر اپنی رضامندی ظاہر کی یہاں تک کہ بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع بھی بعد کو سوچ سمجھ کر مصلحتاً شریک ہوگئے۔ مگر اپنے اندرونی ریشہ دوانی سے باز نہ آئے۔ سب سے پہلے اس متعصب قوم یہود نے مسلمانوں کو دق کرنا شروع کیا۔ قرآن مجید کی روشن آیتوں کو تحریف کرکے عام مجمع میں پڑھتے اور پھر خود ہی اُن پر قہقہہ اُڑاتے۔ ان کے سرداروں نے شعرا کو لگادیا کہ جو شاعر مسلمانوں کی بہتر ہجو کرے اس کو خوب صلہ ملے گا۔ اب کیا تھا انعام کے لالچ میں چاروں طرف سے ہجو کی بوچھار ہونے لگی۔ عورتیں بچے جوان بوڑھے سب مسلمانوں کو چھیڑنے اور سربازار ہجو کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ جہاں کسی مسلمان کی صورت دیکھی ہجو یہ اشعار شروع کردیئے۔ اسی پر اکتفا نہ کرکے بدعہد یہود نے کفار قریش کو پوشیدہ پیغام بھیجنا شروع کئے کہ اگرچہ ہم نے محمد صلعم سے معاہدہ کرلیا ہے مگر جس وقت تم یہاں حملہ آور ہوگے ہم تمہاری مدد کرینگے۔ قریش کو جس وقت یہ اطلاع ہوئی نہایت خوش ہوئے کہ اب مدینہ پر حملہ کرنے اور آنحضرتؐ اور مہاجرین کو فنا کرنے اور انصار کو ان کی حمایت کا مزہ چکھانے کا یہی وقت ہے۔ ساتھ ہی چند معزز مدینہ والے جو آنحضرتؐ پر ایمان نہیں لائے تھے اور آپ کی تشریف آوری کو نفرت سے دیکھتے تھے خفا ہوکر قریش سے جاملے اور اُن سے مدینہ کا کچا چٹھا بیان کرکے ان کے حملہ آوری کے ارادہ کو اور بھی مضبوط کردیا۔ کفار قریش کے سردار ابوجہل نے جس کو آنحضرتؐ اور دین اسلام کے ساتھ سب سے زیادہ قلبی عداوت تھی اب

اعلان کے ساتھ کہلا بھیجا کہ مدینہ والوں کی حمایت پر نہ بھولنا میں عن قریب حملہ آور ہوتا ہوں۔[1] ایسی نازک حالت میں جبکہ قریش کے حملہ کا ہر وقت خوف تھا مدینہ میں یہود اور منافقین کے عین وقت پر دغا دے جانیکا اندیشہ تھا اور مہاجرین اور انصار کی جماعت بہت قلیل اور بے سامان تھی۔ باقی اسلام کو کیا کرنا لازم تھا۔ مہاجرین اور انصار اپنے اولوالعزم پیغمبر کو اپنا دینی اور دنیوی پیشوا مانتے تھے اور ہر امر میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے ایسی صورت میں اپنے وفادار پیروؤں کی حفاظت کی تدبیر نہ کرنا کمالات انسانی کا نقص تھا۔ خونخوار اور کینہ در کفار قریش سے ہرگز امید نہ تھی کہ فتح پا کر کسی ایک مسلمان کو بھی زندہ چھوڑینگے۔ پھر کیا خود کو اور مسلمانوں کو خاک و خوں میں لوٹتا ہوا دیکھنا گوارا ہوتا۔ آپ کو راہ خدا میں اپنی جان عزیز نہ تھی مگر اسلام اور اُس کے ماننے والوں کی حفاظت جان سے بڑھکر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے آپ کو اس واسطے بھیجا تھا کہ آپ مکارم اخلاق کو پورا کریں یعنی جس طرح آپ کے فصیح و بلیغ حکیمانہ اقوال اور موثر پند و نصائح تہذیب اخلاق کے واسطے دستور العمل تھے۔ اسیطرح آپکے باہمی الفت پیدا کرنے والے اور امن و اماں قائم رکھنے والے مدبرانہ اور عادلانہ افعال تدبیر منزل۔ اور سیاست مدن کے واسطے قاعدے اور قانون تھے۔ بیشک آپ کی ذات پاک حکمت عفت، شجاعت اور عدالت کی زندہ تصویر تھی حضرت مسیح نے سچی پیشینگوئی کی تھی کہ "جب فارقلیط[2] (یعنی احمد) آئیگا تو وہ لوگوں کو ان کے گناہوں پر متنبہ کرے گا۔ راستبازی کی تلقین کرے گا۔ اور دنیا کو عدالت سے بھر دے گا (انجیل یوحنا باب ۱۶ آیت ۸) بشیر و نذیر نبی امی نے تنبیہ اور تلقین تو بہت کچھ کر دی پیشینگوئی کے دو حصے مکہ میں پورے ہو چکے اب مدینہ میں اُس کے اولوالعزمانہ کوششوں سے پیشینگوئی کا تیسرا حصہ یعنی پُر فتن دنیا کو عدالت سے بھرنے کا وقت آگیا۔

"فارقلیط" دنیا کو عدالت سے بھرنے آتا ہے۔

---

[1] تفسیر سید احمد خاں سورۂ انفال جلد چہارم ص۵ تا ص۵

[2] فارقلیط کی بحث کو سر سید مرحوم نے خطبات احمدیہ صفحات ۶۰۵ لغایت ۶۱۰ میں نہایت خوبی سے لکھا ہے ۱۲

جہادِ اصغر

کفار قریش کی آمادگی

آنحضرتؐ کو ہجرت فرمائے ہوئے پورا ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ کفار قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کردی۔ ان کے مظالم کی انتہا ہوچکی تھی اب یہ ناحق کا ستانا اور فتنہ و فساد میں حد سے گذر جانا انھیں کی رسوائی کا باعث ہوا۔ سچ ہے ؎

حلم حق با تو مواساہا کند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

غریب الوطن خانماں برباد مظلوموں کو اب درگاہ احکم الحاکمین سے پہلے پہل یہ حکم ملا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ...... اِسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا (ترجمہ) جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی اُن کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دئیے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے صومعہ اور گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جاچکے ہوتے (سورہ حج پارہ ۱۷ رکوع ۵)

حضرت رسولِ خدا اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ جو ابتک راہ خدا میں کمال صبر و استقلال کے ساتھ طرح طرح کی اذیتیں سہکر "جہاد اکبر" کی بے نظیر مثال قائم کرچکے تھے اب یہ خداوندی فرمان سنکر دین الٰہی کی حمایت میں ظالم اور حد سے بڑھ جانے والے کفار کے شر دفع کرنیکے واسطے سینہ سپر ہوگئے اور قبل اس کے کہ ظالم اپنا کام کرجائیں اور دین الٰہی کی نشانیاں مٹادیں راہ حق میں مردانہ وار جہاد کرنے کے واسطے مستعد ہوبیٹھے۔ وہ پاکباز مقدس بزرگ جو برسوں غار حرا میں دنیا کے بکھیڑوں سے الگ یاد خدا میں مشغول رہتا تھا وہ نبی کریمؐ جو

ایسا رقیق القلب تھا کہ بکسوں اور درد مندوں کی مصیبت پر بے اختیار رو دیتا تھا یہاں تک کہ سخت دل جنگجو عرب اس پر ہنستے تھے کہ کہیں مردوں کے بھی آنسو نکلتے ہیں۔ ایسے فرشتہ خو نیک نفس نے ایسی خطرناک حالت میں جبکہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کا خاتمہ ہی تھا جہاد فی سبیل اللہ میں وہ مردانگی اور قابلیت دکھائی اور دین حق اور اس کے پیرووں کی ایسی حفاظت کی کہ اگر حضرت موسیٰ اس وقت موجود ہوتے بے اختیار کہہ اٹھتے ؎

این کار از تو آید مرداں چنیں کنند

ابو جہل مکہ سے پیغام جنگ بھیج ہی چکا تھا اور اب تحفظ دین کے واسطے جہاد کا حکم بھی نازل ہو چکا۔ اس لئے ضرور ہوا کہ آنحضرتؐ تدبیر جنگ میں مشغول ہوں۔ آپ کو خیال تھا کہ جب قریش کی حملہ آور فوج مدینہ کیطرف روانہ ہوگی تو راہ میں جو جو قبائل ملتے جائینگے اُن کو بھی برانگیختہ کر کے اپنے ساتھ ملا لینگے اور اس طرح ان کے ساتھ ایک بڑی فوج ہو جائیگی۔ اس لئے

غزوۂ ابوا یا ودّان صفر ۲ھ

ماہ صفر میں ہجرت کے بارھویں مہینے پہلے پہل بہ نفس نفیس مع چند صحابہ کے نکلے اور ودّان میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے اور ابوا وہاں سے آٹھ میل رہجاتا ہے پہونچکر قبیلہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف سے اس بات پر معاہدہ کیا کہ وہ امن قائم رکھیں یعنی نہ قریش مکہ کی مدد کریں اور نہ مسلمانوں کی۔ یہ معاہدہ کر کے آپ واپس تشریف لائے۔

غزوۂ بواط ربیع الاول ۲ھ

دوسرے مہینے آنحضرتؐ نے قریش مکہ کے ارادوں کا پتہ لگانے کے واسطے چند صحابہ کے ساتھ سفر فرمایا اور رضوی کی طرف بواط میں جو جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے لوگوں کو ہدایت کرتے ہوئے واپس تشریف لائے۔ مگر ابھی دم نہ لیا تھا کہ اسی

غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ ربیع الاول ۲ھ

مہینے میں کفار قریش میں سے ایک شخص کرز بن جابر الفہری اپنی جماعت کے ساتھ چوروں کی طرح آیا اور

مدینہ والوں کے مویشی جو باہر چرا کرتے تھے لوٹ لے گیا۔ آنحضرت نے یہ سنکر اس کا تعاقب کیا اور سفوان تک جو بدر کے پاس ایک میدان ہے تشریف لے گئے مگر وہ مفسد ہاتھ نہ آیا۔

غزوہ ذی العشیرہ جمادی الآخر ۲ھ

جمادی الآخر میں آپنے پھر قبائل بنی کنانہ سے معاہدہ کرنے کی غرض سے سفر فرمایا اور مقام ذی العشیرہ میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبع کی طرف ہے پہونچکر بنی مدلج سے امن کا معاہدہ کرکے مدینہ واپس تشریف لائے۔

سریہ نخلہ رجب ۲ھ

جمادی الثانی کی آخر تاریخوں میں آنحضرت نے عبداللہ بن جحش کے ہمراہ مہاجرین میں آٹھ یا بارہ آدمی ساتھ کرکے نخلہ کی طرف جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک سرسبز بستی ہے اور مکہ سے پہلی منزل ہے روانہ کیا اور ایک پرچہ پر بطور ہدایت کے لکھوا دیا کہ "جب وہاں پہونچنا تو قریش کے ارادوں سے ہمیں آگاہ کرنا اور مکہ کے قافلہ میں اگر کوئی شخص بخوشی تمہارے ہمراہ ہوجائے تو ساتھ لے لینا ورنہ جبر نہ کرنا" یہ تحریر جس سے کسی مورخ کو اختلاف نہیں اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ سریوں کے بھیجنے یا خود جنگ کرنے میں جس کو غزوہ کہتے ہیں) آنحضرت کا کیا منشا تھا۔ مکہ سے جو قافلہ نکلتا تھا یہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اس کے ساتھ اُن مسلمانوں سے جو مجبوری ہجرت نہ کرسکے تھے اور موقع پاکر مدینہ چلا آنا چاہتے تھے کوئی مسلمان ہمراہ ہو اور اس لئے اس کی مخلصی کے واسطے جس قدر ہوسکے اعانت کرنا چاہئے۔ اس دعوی کی تائید اس سریہ سے ہوتی ہے جو آنحضرت نے سریہ نخلہ[۱] سے پیشتر رابغ کی طرف جو ابوا اور جحفہ کی طرف ایک میدان ہے روانہ فرمایا تھا مقداد بن عمرو اور عتبہ بن غزوان جو دل سے مسلمان تھے اور قریش کے قافلہ کے ساتھ مکہ سے نکلے تھے موقع پاکر مسلمانوں سے مل گئے اور بخیر و عافیت مدینہ پہونچ گئے۔ افسوس

---

[۱] سریہ نخلہ سے پیشتر دو اور سریے آنحضرت نے بھیجے تھے تاکہ قریش مکہ کے ارادوں کا پتہ لگائیں سب سے پہلا سریہ سیف البحر رمضان ۱ھ میں دوسرا سریہ خرار ذیقعدہ ۱ھ ۱۲

قافلہ لوٹنے کا الزام محض غلط ہے

بعض مسلمان مورخین نے خواہ غلط فہمی سے خواہ اس خیال سے کہ ایک واقعہ کے متعلق جس قدر روایتیں ملیں بغیر تنقیح اور تحقیق کے درج کردی جائیں مبصر آپ ہی کھوٹا کھرا پرکھ لینگے اپنی کتابوں میں یہ روایت بھی لکھدی ہے کہ مدینہ پہونچکر آنحضرتؐ اور آپکے صحابہ قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کو نکلتے تھے۔ اس بیہودہ اور غلط روایت کی بنا پر دشمنان اسلام آنحضرتؐ پر معاذ اللہ لوٹ مار اور فتنہ وفساد کا سرتاپا غلط الزام لگاتے ہیں۔ سبحان اللہ کہاں وہ "دنیا کو عدالت سے بھرنے والا" نبی اور کہاں یہ قزاقی۔ انسان کو حقیقت حال دیکھنا چاہئے مخالفت اور تعصب کے جوش میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دے اور نفس واقعہ پر غور کرے۔

الغرض مسلمانوں کی یہ مختصر جماعت نخلہ میں پہونچکر قریش کے ارادوں سے آگاہ ہونے کو ٹھہری۔ رجب کی پہلی تاریخ قریش کا ایک قافلہ طائف کی طرف سے میوے اور ادیم وغیرہ لے کر وہاں آپہونچا۔ مسلمانوں کو کرز بن جابر الفہری کے ہاتھوں اپنے مویشی لٹ جانے کا خیال کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اس قافلہ کو دیکھکر جوش انتقام میں اپنے نبیؐ کا فرمان بھولکر اُس پر حملہ کردیا۔ سردار قافلہ عمرو بن الحضرمی کو تیر سے مارکر اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان کو قید کرکے مال واسباب لوٹ کر مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ یہ واقعہ سُنکر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ پھر اپنے پاس سے عمرو بن الحضرمی کا خون بہا ادا کیا اور قیدیوں کو اپنے دو صحابیوں کے واپس آنے پر جو اس سریہ میں گم ہوگئے تھے چھوڑدیا۔ کفار قریش اور یہود نے اس سریہ کے متعلق یوں بدنام کرنا شروع کیا کہ محمد صلعم نے ماہ رجب میں جب کہ لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی جنگ کی اجازت دی اور قافلہ لٹوادیا۔ مسلمان اس طعنہ کو سُنکر غمناک ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (ترجمہ۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ شہر حرام میں لڑنا کیسا ہے آپ فرمادیجئے کہ شہر حرام میں لڑنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام (کعبہ شریف) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالدینا بہت بڑا گناہ

ہے اور فتنہ (دین سے بہکانا) اور شرک وکفر تو لڑنے سے بھی زیادہ گناہ ہے (سورۂ بقرہ پارہ سیقول)

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں پر اپنے منشا کے خلاف کارروائی کرنے پر ناراضگی ظاہر فرمائی تھی ورنہ اگر انصاف کیا جائے تو مسلمانوں نے کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ دو قوموں میں جبکہ جنگ کا اعلان ہو جاتا ہے اس وقت ہر فریق کو اپنے مفید مطلب کارروائی کرنے کا حق ہے بخصوص ایسی حالت میں جبکہ ایک طرف سے پیش دستی بھی ہو چکی ہو۔ مسلمانوں پر کیا کیا ظلم نہ ہوئے تھے یہاں تک کہ خانماں برباد ہو کر بالکل بے سروساماں ہو گئے تھے اس پر طرہ یہ کہ بیچاروں کے مویشی بھی کافر لوٹ لے گئے تھے اب اگر موقع پاکر انھوں نے بھی اپنے دشمن کے ایک قافلہ کو تباہ کر دیا تو کیا بیجا کیا۔

غزوۂ بدر الکبریٰ
۱۷۔ رمضان ۲ھ

کفار قریش اس واقعہ سے نہایت برافروختہ ہوئے اور بدلہ لینے کے منتظر تھے کہ اس مابین میں ان کا ایک قافلہ شام کی طرف سے تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال واسباب لئے ہوئے آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے جو اس قافلہ کا سردار تھا اس خیال سے کہ مسلمان اس کو گھیر کر مال چھین نہ لیں عجلت کے ساتھ ایک قاصد مکہ روانہ کیا کہ قریش جلد اس کی مدد کو نکلیں اور قافلہ کی حفاظت کریں جس وقت یہ خبر پہونچی ابوجہل نے جس کو آنحضرتؐ اور اسلام سے قلبی عداوت تھی ایسے موقع پر تمام کفار مکہ کو برانگیختہ کر دیا کہ مسلمان تمہارے اس قافلہ کو بھی لوٹ لیں گے لہذا بہ حیثیت مجموعی اس کے بچانے کو اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کو کہ آیندہ سے یہ خدشہ ہی نکل جائے تیار ہو کر کوچ کرو۔ جس وقت یہ متوحش خبر حضرت رسول خدا کو پہونچی آپ نے تمام اصحاب کو جن میں ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار کل ۳۱۳ جوانمرد تھے ساتھ لے کر بہ حیثیت مجموعی کفار کے شر دفع کرنے کے لئے مکہ کی طرف کوچ کیا[1]۔ دونوں فوجیں اب اپنے اپنے مقام سے روانہ

[1] مورخین نے اس موقع پر بھی وہی وجہ بیان کی ہے کہ آنحضرت ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے نکلے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ہوئیں لشکر قریش میں بسرکردگی ابوجہل قریب ایک ہزار کے خونخوار جنگ جو تھے جن میں مکہ کے تمام تجربہ کار جنگ آزمودہ سردار شامل تھے۔ سوار یہاں تک کہ اکثر پیادے بھی زرہ پوش ہتھیاروں سے لیس تھے۔ سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے یہ سب سازو

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) مگر کلام مجید میں یہ واقعہ اور ہی طرح بیان ہوا ہے پارہ ۹ سورہ انفال کی ابتدائی آیات میں ارشاد ہوتا ہے كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ...... دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ (ترجمہ جس طرح تیرے پروردگار نے تجھکو تیرے گھر سے حق پر نکالا اور بیشک ایک گروہ ایمان والوں میں سے ناپسند کرتا تھا۔ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات پر کھلجانے کے بعد بھی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اُس کو دیکھتے ہیں۔ اور جب تم سے اللہ وعدہ کرتا تھا دو گروہوں میں سے ایک کا کہ وہ بیشک تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بغیر شوکت والا گروہ تمہارے لئے ہو اور اللہ چاہتا تھا کہ سچ کو سچ کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے) ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنحضرت اپنے گھر یعنی مدینہ ہی میں تھے اور وہاں سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ آپس میں صحابہ کے اختلاف تھا بعض تو لڑنے کے لئے نکلنا پسند کرتے تھے اور بعضے ناپسند کرتے تھے۔ جو لوگ لڑنے کے لئے نکلنا پسند نہیں کرتے تھے اسکی وجہ یہ بیان ہوئی کہ "گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اپنے مارے جانے کو دیکھتے ہیں" ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ جو شام سے آتا تھا اس میں صرف تیس چالیس آدمی تھے اُن سے لڑنے کے لئے کوچ کرنے میں اور اُس کے لوٹنے میں ایسی کوئی خوف کی بات نہ تھی بلکہ یہ خوف قریش مکہ کی اس فوج سے تھا جو اُنہوں نے نفیر عام کے بعد جمع کی تھی۔ اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قبل اس کے کہ آنحضرت مدینہ سے کوچ فرمائیں قریش مکہ لڑنے کو نکل چکے تھے یا آمادہ جنگ ہو چکے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آمادگی جنگ کے بعد اور مدینہ سے کوچ کرنے کے قبل بعض صحابہ کی یہ رائے ہوئی کہ شام کے قافلہ کو لوٹ لینا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مورخین اور راویوں نے اس رائے کو جو بعض صحابہ نے دی تھی غلطی سے اس طرح پر بیان کیا ہے کہ گویا پیغمبر خدا صلعم کا ارادہ قافلہ کے لوٹنے ہی کا تھا اور جو آمادگی جنگ مدینہ میں ہوئی تھی وہ قافلہ ہی کے لوٹنے کے لئے ہوئی تھی۔ زمانہ دراز کے بعد کسی واقعہ کے بیان میں جو افواہی چلا آتا ہو اس قسم کی غلطی کا واقع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں مگر کلام مجید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زبانی روائتیں غلط ہیں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

سامان اور پھر ایک ہی قبیلہ کے سب لڑنے مرنے چھری بند بھائی بند اور مقابلہ کس سے تین سو تیرہ مظلوموں سے جن کے پاس نہ سواری تھی نہ ساز و سامان۔ صرف تین گھوڑے ستر اونٹ اور چھ زرہیں۔ اس طرح دونوں فوجیں بڑھی چلی آتی تھیں کہ راہ میں ابوجہل کے پاس ابوسفیان کا بھیجا ہوا ایک قاصد پہونچا کہ قافلۂ شام سمندر کے کنارے کنارے بخیر و عافیت مکہ پہونچ گیا۔ اب

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) بلکہ جو آمادگی جنگ کی مدینہ میں ہوئی وہ بمقابلہ قریش مکہ کے ہوئی تھی نہ واسطے لوٹنے قافلہ کے انھیں آیات میں دو گروہوں کا ذکر ہے ایک وہ جس کے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی لڑائی کا سامان نہ تھا اس گروہ سے وہ قافلہ مراد ہے جو شام سے آتا تھا اور جس کے ساتھ صرف تیس چالیس آدمی تھے اور دوسرا گروہ قریش مکہ کا تھا جس کے ساتھ بہت سا لشکر اور بہت کچھ شان و شوکت تھی خدا نے فرمایا کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لئے ہے تم اس بے شان و شوکت گروہ کو لینا چاہتے ہو۔ مگر خدا چاہتا ہے کہ جو حق بات ہے یعنی دین اسلام وہ ثابت ہو جائے اور کافروں کی جڑ کٹ جائے پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ لڑنے کا حکم قریش مکہ کے مقابلہ کے لئے تھا نہ اس قافلہ کے لوٹنے کے لئے۔ بیان مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے مندرجہ ذیل امر ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ مدینہ ہی میں اور مدینہ سے کوچ کرنے کے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ قریش مکہ لشکر کثیر کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکلے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مدینہ ہی میں خدا نے حکم دیدیا تھا کہ قریش مکہ کے مقابلہ میں لڑنے کو جاؤ اور جن صحابہ نے اس درمیان میں قافلہ لوٹنے کی رائے دی تھی خود خدائے تعالیٰ نے مدینہ میں اس کو نامنظور کیا تھا۔ جبکہ خود کلام مجید سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے دفع کفار کی غرض سے کوچ کیا تھا تو کوئی روایت یا کوئی حدیث جو اس کے برخلاف ہو اور کسی کتاب میں مندرج ہو اور کسی نے روایت کی ہو عقلاً اور نقلاً مردود ہے عقلاً اس لئے کہ جو لوگ مسلمان نہیں اگر صرف تاریخانہ اصول پر نظر رکھیں تو بھی وہ اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زبانی روایتیں جو ایک زمانہ بعد تحریر میں آئیں قرآن مجید کے مقابلہ میں جب کہ ان دونوں میں اختلاف ہو قابل قبول اور لائق وثوق نہیں ہو سکتیں۔ اب اگر اُن روایتوں پر جو قرآن مجید کے برخلاف نہیں اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے اور جو واقعات پیش آئے اُن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ سے جو لوگ لڑنے کو نکلے وہ قریش مکہ کے مقابلہ میں ان کے حملہ کے دفع کرنے کے لئے نکلے تھے نہ قافلہ کے لوٹنے کے لئے۔ (بقیہ نوٹ بصفحہ آئندہ)

لشکر قریش کو واپس آنا چاہیے مگر ابوجہل جو اسلام کی بیخ کنی کی غرض سے نکلا تھا یہ پیغام
سُنکر کہنے لگا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا جب تک ہم بدر میں پہنچکر قیام نہ کریں اور تین دن
تک رنگ رلیاں نہ منائیں تاکہ قبائل عرب میں ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ ابوسفیان اس
آمادگی کی کیفیت سُنکر خود بھی جھٹ پٹ مکہ سے روانہ ہوا اور لشکر میں شامل ہوگیا۔
آنحضرتؐ مہاجرین اور انصار کو ساتھ لئے ہوئے منزلیں طے کرتے ہوئے آرہے تھے کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سیرت ہشامی ص ۳۳۲ میں لکھا ہے کہ آنحضرت نے مدینہ سے مکہ کے طرف کوچ کیا۔ اس سے
واضح ہوتا ہے کہ یہ کوچ قریش مکہ کے مقابلہ میں تھا نہ شام کے قافلہ پر کیونکہ وہ قافلہ شام سے آتا تھا جو مدینے سے جانب
شمال واقع ہے اور مکہ جانب جنوب اور شام سے قافلے کے مکہ میں آنے کا راستہ مدینہ سے جانب غرب پڑتا ہے۔ پس اگر
قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کیا جاتا تو مدینہ سے غرب کے جانب کا راستہ اختیار کیا جاتا نہ جنوب کا۔ اب یہ کہ آنحضرت
نے کیوں کوچ کیا مدینہ ہی میں کیوں نہ ٹھہرے رہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک لائق شخص جس کو خدا نے
معاملات جنگ کے سمجھنے کی لیاقت دی ہے بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر حملہ آور قریش مدینے کے دیواروں تک پہونچ جاتے
تو اُن کا روکنا اور اُن کے حملہ کو دفع کرنا ناممکن تھا۔ مہاجرین کو وہاں گئے ہوئے پورے دو برس بھی نہیں ہوئے
تھے۔ مدینے کے جن لوگوں نے ان کو پناہ دی تھی اور دل و جان سے مہاجرین کے مددگار تھے اور جو انصار کہلاتے تھے
ان کی تعداد بھی بمقابلہ آبادی مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے کچھ زیادہ نہ تھی۔ پس جب اہل مدینہ یہ حالت
دیکھتے کہ ان لوگوں کے سبب مدینہ پر کیا آفت آئی ہے اور غنیم نے اُس کو گھیر لیا ہے تو ان سب کی حالت بالکل
بدل جاتی اور حملہ آوروں کا حملہ دفع کرنا غیر ممکن ہوجاتا اور اس لئے ضرور تھا کہ مدینے سے آگے بڑھکر ان کا مقابلہ
کیا جائے اور جو کچھ خدا کو کرنا منظور ہو وہ مدینے سے باہر ہو جائے۔ اسلئے آنحضرت نے قریش کے مقابلے کے لئے باہر نکلنا
اور آگے بڑھکر روکنا ضرور سمجھا تھا۔ (تفسیر القرآن سرسید احمد خاں سورہ انفال) سید صاحب نے غزوات اور سرایا کو نہایت خوبی
اور تحقیق کے ساتھ سورہ انفال کی تفسیر میں جمع کردیا ہے اور ذیل کے ماخذ سے کام لیا ہے ابن ہشام۔ کامل ابن اثیر
مواہب لدنیہ۔ قسطلانی۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا۔ مراصد الاطلاع۔ سیرت ابن اسحق۔ واقدی۔ مشترک یاقوت حموی۔
فتوح البلدان۔ تاریخ یافعی۔ سیرت المحمدیہ کرامت علی۔ معجم البلدان۔ زاد المعاد۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ہمنے اس کتاب میں سید صاحب
کی تحریر اور ان ماخذوں کو پیش نظر رکھا ہے ۱۲

ذفران کے مقام پر معلوم ہوا کہ قافلۂ شام کے صحیح و سالم پہونچ جانے پر بھی قریش مکہ مقابلہ کے واسطے بڑھے چلے آتے ہیں۔ آپ نے اپنے اصحاب سے استمزاجاً دریافت فرمایا کہ اب کیا ارادہ ہے گروہ مہاجرین سے حضرت مقداد بن عمرو نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں کہ اپنے اولو العزم نبی حضرت موسیٰ سے کہنے لگے "بس آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑنے کو جائیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں" بلکہ ہمارا یہ قول ہے کہ دشمنان دین کے مقابلہ میں ہم آپ کے ساتھ اپنی جانیں لڑانے کو حاضر ہیں آپ جہاں چلیں ہم سایہ کے طرح ساتھ ہیں۔ حضرت رسول خدا اپنے بہادر جانباز مہاجر کا کلام سنکر مسکرائے اور پھر وہی سوال کیا کیونکہ آپ کا روے سخن انصار کی طرف تھا جو پہلے پہل مدینہ سے نکلے تھے۔ چونکہ بیعت العقبہ میں انصار نے آنحضرتؐ سے یہ عہد کیا تھا کہ جب آپ ہمارے شہر میں آئینگے تو مثل اپنے اہل وعیال کے ہم آپ کی حمایت کرینگے اس وجہ سے خیال ہو سکتا تھا کہ کیا عجب صرف مدینہ ہی میں نہ کہ مدینہ سے باہر اس عہد کی پابندی لازم سمجھی جائے۔ غرضکہ اس مکرر سوال کو سنکر انصار کے رمز شناس سرگروہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے جوش میں آکر عرض کیا "یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں آپ کی تصدیق کی ہے آپ سے عہد کر چکے ہیں۔ ہم ہر جگہ آپ کی اطاعت اور حمایت کے واسطے حاضر ہیں اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنایا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں لیجانا چاہیں ہم میں سے [illegible] ایسا نہیں جو فوراً پھاند نہ پڑے۔ ہم اپنے قول کے دھنی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں حق تعالیٰ ہماری جانبازیاں آپ کو دکھاکر آپ کو شاد و آباد اور ہمیں سرخرو کریگا۔ حضرت رسول خدا یہ تقریر سنکر مسرور ہوئے اور فرمایا چلے چلو برکت الٰہی شامل حال ہے۔ تمہاری ہی فتح ہے۔ بخدا میں گویا دشمن کے مقتل کو دیکھ رہا ہوں۔

رمضان المبارک کی سترہویں شب کو آنحضرتؐ بدر کے مقام پر پہونچے اور یہ معلوم کرکے کہ قریش کی فوج بہت قریب پڑی ہوئی ہے۔ آپ وہیں ٹھہر گئے۔ مسلمانوں کو ایک خفتہ

لہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ؁

سے زاید گھر سے نکلے ہو چکا تھا۔ منزلوں کے مارے تھکے ماندے گرد آلود ہو رہے تھے۔ راہ میں پانی کی سخت تکلیف اٹھائی تھی بدر میں پہنچکر یہ خیال تھا کہ یہاں کے کنوئیں اور چشمے سے خوب سیراب ہونگے اور سارا کسل دفع ہو جائے گا۔ مگر یہاں اور ہی معاملہ نظر آیا۔ لشکر قریش نے پیشتر سے پہونچکر ایک عمدہ جگہ پر قیام کر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اب کیا ہو سکتا تھا سخت پریشانی ہوئی پینے تک کو پانی نہ رہا تھا ہاں آب شمشیر ضرور پاس تھا وہ بھی دشمنوں کے نصیب کا تھا۔ ایسی مصیبت میں بعض مسلمانوں کو یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ ہم کو فتح کی بشارت دی گئی ہے اور حال یہ ہے کہ ہمارا قیام ایسے ریگستان میں ہے جہاں زانو تک پاؤں الگ دھسے جاتے ہیں چلنا پھرنا دشوار اور طرہ یہ کہ پینے تک کو پانی نہیں بے موت مرنے کا سامان آنکھوں کے سامنے ہے خدا ہی ہے جو فتح ہو۔ جوں ہی یہ ہمت ہارنے والا وسوسہ پیدا ہوا ابر کرم گھر آیا باران رحمت نازل ہونے لگا مسلمانوں نے سیر ہو کر پانی پیا نہا دھو کر پاک صاف ہو گئے۔ بدن ہلکا ہو گیا دل قوی ہو گیا۔ ہمت بڑھ گئی اور عین موقع پر اس غیبی تائید سے فتح کی بشارت کا پورا یقین ہو گیا۔[1]

صبح کو دونوں فوجوں میں طیاری ہونے لگی ادہر آنحضرتؐ نے صفوں کو ترتیب دیکر فرمایا کہ جبتک کفار پیش دستی نہ کریں اپنی جگہ پر خاموش کھڑے رہنا۔ ادہر لشکر قریش آراستہ ہو کر نہایت شان و شوکت اور کبر و نخوت کے ساتھ مستعد ہو گیا۔ سب سے پہلے عتبہ ابن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور مبارز طلب کئے۔ صادق القول گروہ انصار سے تین جانباز مقابلہ کو بڑھے مگر متکبر عتبہ نے چلا کر کہا کہ اے محمد (صلعم) ہم مدینہ کے ان کسانوں پر کیا ہاتھ اٹھائیں اگر بھیجنا ہے تو ہمارے برابر کے قرابتی بھائیوں کو بھیج آنحضرتؐ نے یہ سنکر حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب کو

[1] حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (سورہ انفال پارہ ۹)

میدان میں جانے کی اجازت دی۔ مقابلہ شروع ہوا۔ حضرت شیر خدا نے کمال دلیری سے پہلے ہی حملہ میں ولید کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اسیطرح حضرت حمزہؓ نے عتبہ کو فی النار کر دیا۔ شیبہ کو حضرت عبیدہؓ نے قتل کیا مگر خود بھی سخت زخمی ہو کر میدان سے اٹھا لائے۔

قریش اپنے ان تین سرداروں کے آناً فاناً قتل ہو جانے سے متحیر ہو گئے اب ان کے دستے کے دستے حملے کرنے کو بڑھے مسلمانوں نے نہایت بےجگری سے ان کا مقابلہ شروع کیا گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ علی مرتضیٰ جن کا سن شریف ابھی اکیس ہی برس کا تھا جلال الٰہی کی مجسم تصویر بن کر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑے اور بہادر تجربہ کار سرداروں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ اسیطرح حضرت حمزہؓ زبیر بن العوام اور ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہم کے شیرانہ حملوں نے کفار کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابو جہل نے یہ دیکھکر اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر ایک سخت حملہ کیا اور مسلمانوں پر کفار کا نرغہ ہو گیا۔ آنحضرتؐ یہ حال دیکھکر درگاہ مجیب الدعوات میں کمال عجز و نیاز کے ساتھ دعا فرمانے لگے "اے اللہ اپنا وعدہ نصرت پورا فرما۔ یا خدایا اگر مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی جماعت فنا ہو گئی تو پھر دنیا میں تیری خالص عبادت کرنے والا کون رہے گا"؟ دیر تک آپ اسی طرح عریش (ایک چھوٹا سا چھپر) میں جو آپکے قیام کے واسطے اس میدان میں تیار کیا گیا تھا نہایت الحاح کے ساتھ مناجات میں مشغول رہے آ[illegible] کی دعا عریش سے عرش تک پہونچی اور قبول کے دروازہ سے امداد غیبی کو ساتھ لیکر آئی۔ آنحضرتؐ خوش ہو کر اٹھ بیٹھے اور سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (اب بھاگے جاتے ہیں گروہ اور دکھانے ہیں پیٹھ سورہ قمر پارہ ۲۷) پڑھتے ہوئے باہر آئے اور مسلمانوں کو بشارت دی کہ فرشتگان خدا امداد کو آپہونچے۔ معاً جنود الٰہی ہوا کے تند و تیز گھوڑوں پر سوار نازل ہوئے گرد و غبار بلند ہوا ادہر کافروں کے منہ پر تھپیڑے پڑنے لگے ان کی گردنیں مڑگئیں بوڑ جوڑ ہل گئے۔

نلہ اشارہ ہے اس آیت شریف کی طرف فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (سورۂ انفال پارہ ۹)

اُدہر مسلمانوں کے دل اس غیبی امداد سے قوی ہوگئے۔[1] ہمتیں بڑھگئیں اور جوش و خروش کے ساتھ کافروں پر ٹوٹ پڑے۔ گروہ انصار سے دو بھائی معاذؓ اور معوذؓ جان پر کھیل کر ابوجہل کی طرف لپکے نہایت سخت لڑائی ہونے لگی۔ معاذؓ نے کمال دلیری سے ابوجہل پر ایسی تلوار ماری کہ اُس کی ساق الگ ہوگئی۔ یہ دیکھکر عکرمہ ابن ابی جہل نے معاذؓ کے شانے پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ ہاتھ بیکار ہوکر لٹک پڑا۔ آپنے زخمی ہاتھ اپنے پاؤں سے دبا کر الگ پھینکدیا اور نہایت بیجگری سے اسیطرح لڑتے رہے یہاں تک کہ آپکے دوسرے بھائی معوذؓ نے ابوجہل کا کام تمام کردیا۔ لشکر قریش میں اب ابتری پڑگئی چیدہ چیدہ سردار سب قتل ہوگئے تھے اب ان کے ہوش و حواس درست نہ تھے۔ بے تحاشا لوگ دم بھاگے مسلمانوں نے بڑھکر جس کو پایا قید کرلیا۔ اس لڑائی میں قریش کا سارا کبر و نخوت خاک میں مل گیا۔ شامت اعمال سے ان کے ستّر سردار مارے گئے جن میں سے کئی سردار قریش حضرت علی مرتضیؓ کے زور ید اللہی سے قتل ہوئے۔ اور اسیطرح ستّر کفار قید ہوگئے اور بہت کچھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس وقت تک عرب میں یہ دستور تھا کہ قیدیان جنگ نہایت بیدردی سے قتل کئے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس خونخوار طریقہ کو بدل کر حکم دیا کہ خبردار [illegible] ان بدست و پا قیدیوں کو کسی قسم کی تکلیف[2] نہ دی جائے مہاجرین اور انصار نے اس حکم کی جان و دل سے تعمیل کی اور قیدیوں کو ایسے آرام سے رکھا کہ سر ولیم میور صاحب جیسے متعصب عیسائی لکھتے ہیں "محمد صلعم کے حسب ایما انصار اور مہاجرین نے قیدیوں کو

---

[1] اشارہ ہے اس آیت کی طرف وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (سورہ انفال پارہ ۹) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جنگ بدر میں ایسی تند و تیز ہوا چلی کہ اس سے پہلے چلی نہ تھی پھر دوبارہ اور سہ بارہ ویسے ہی تند جھونکے چلے (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۲۹)

[2] صرف دو شخصوں کو جنھوں نے اسلام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا سزائے موت دی گئی ایک ان میں سے نضر بن حارث دوسرا عقبہ بن ابی معیط ۱۲

اپنے پاس رکھا اور اُن کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئے ان میں سے ایک قیدی بعد کو کہتا تھا کہ خدا مدینہ والوں کا بھلا کرے ان جوانمردوں نے ہمیں سوار کیا اور آپ پیدل چلے ہمیں گیہوں کی روٹی کھلائی اور آپ خالی خرمے کھا کر سو رہے" (لائف آف محمدؐ جلد سوم صفحہ ۱۲۲)

تین دن تک آنحضرتؐ نے بدر میں قیام فرمایا مسلمانوں میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار شہید ہوئے ان کو دفن کیا اور کشتگان قریش کو جن میں ابو جہل۔ عتبہ۔ شیبہ اور ابو سفیان کا بیٹا حنظلہ وغیرہ وغیرہ شامل تھے۔ اس خیال سے کہ ان کی لاشیں طعمۂ زاغ و زغن نہوں گڈھے کھدوا کر خاک میں چھپا دیا۔ تیسرے دن آنحضرتؐ نے میدان بدر سے کوچ فرمایا اور وادی صفرا میں پہونچکر مال غنیمت برابر برابر تقسیم کر دیا۔ سورۂ انفال جس میں غنیمت کی تقسیم کے احکام درج ہیں اسکے بعد نازل ہوئی۔ بعد ازاں قیدیوں کی نسبت آپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ بن معاذ کی یہ رائے ہوئی کہ سب کے سب قتل کر دئیے جائیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے مگر حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہئیے جس سے دو فائدہ متصور ہیں اول یہ کہ کیا عجب یہ لوگ عناد سے باز آکر دین حق قبول کر لیں دوسرے یہ کہ زر فدیہ جو کچھ وصول ہوگا اس سے مسلمان حاجتمندوں کی تنگ دستی دور ہو جائیگی۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے قرار پا گئی پھر وہاں سے کوچ فرما کر مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ جس وقت آپ کی تشریف آوری اور اس خداداد کامیابی کی خبر یہود مدینہ کو پہونچی آتش حسد سے جل گئے اور جوش عداوت سے علانیہ فساد پر آمادہ ہوگئے۔ یہود بنی قینقاع نے

غزوۂ بنی قینقاع شوال سنہ ۲ ھ

آنحضرتؐ کی غیبت میں ایک مسلمان کو گھیر کر شہید کر ڈالا تھا جس نے ایک یہودی کو ایک مسلمان عورت کی سر بازار آبروریزی کے عوض میں طیش میں آکر حملہ کر کے مار ڈالا تھا اور اس وجہ سے مسلمانوں اور یہودیوں میں نزاع قائم ہو گئی تھی۔ جس وقت حضرت رسول خدا بدر سے واپس تشریف لائے

لہ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا تھا۔

یہود بنی قینقاع سے جن سے امن کا معاہدہ ہوچکا تھا اس واقعہ کی باز پرس کی۔ بنی قینقاع نے بجائے اس کے کہ اپنی زیادتی پر نادم ہوں نہایت شورہ پشتی سے جواب دیا کہ اے محمد صلعم بیدار ان پڑ کی کامیابی پر نہ بھولنا جس وقت ہم سے مقابلہ پڑے گا معلوم ہوجائے گا یہ کہکر ان لوگوں نے وہ عہدنامہ جو سابق میں تحریر ہوچکا تھا واپس بھیجدیا[1]۔ اور علانیہ معاہدہ توڑکر امن واماں میں خلل اندازی کرنے کو آمادہ ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے یہ حال دیکھکر شوال سنہ ۲ھ میں ان فسادیوں کے محلہ کا محاصرہ کرلیا مگر قبل اس کے کہ لڑائی شروع ہو لطور اتمام حجت ان پر اسلام پیش کیا گیا۔ بنی قینقاع کی اب آنکھیں کھلیں سمجھے کہ واقعہ بدر کی طرح ہمارا بھی مثل کتان کے تار تار الگ ہوجائیگا اس لئے صلح پر آمادہ ہوگئے۔ عبداللہ ابن ابی منافق نے بیچ میں پڑکر اسبات پر صلح کرادی کہ امن وامان کے ساتھ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کو لے کر مدینے سے نکل جائیں۔ صرف ان کے ہتھیار اور زمینیں ضبطی میں آجائیں۔ اس طرح شہر مدینہ ان فسادیوں سے پاک ہوگیا اور یہ لوگ خیبر میں آباد ہوگئے[2]۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۵۵ مطبوعہ مصر ۱۲

[2] اس مابین میں دو واقعہ پیش آئے جن کو علامہ قسطلانی نے سریوں میں داخل کیا ہے حالانکہ ان میں آنحضرتؐ نے کسی کو کہیں بھیجا نہ تھا۔ عمیر بن عدی نے جو آنکھوں سے معذور تھے از خود ایک عورت عصما بنت مروان یہودیہ کو جو ان کی رشتہ دار تھی اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی غصہ میں آکر ایک رات کو مار ڈالا۔ اسیطرح سالم ابن عمیر نے ایک بڈھے یہودی ابی عفکہ کو جو مسلمانوں کو بہت ستایا کرتا تھا قتل کردیا۔ ان واقعات کو محض اس خیال سے کہ دو کافر مارے گئے سریہ میں داخل کرنا غلطی ہے بالفرض اگر پہلے واقعہ کی خبر بعد کو آنحضرتؐ تک پہونچی مگر اس پر کچھ مواخذہ نہ ہوا جس کے کچھ اسباب ہونگے تو بھی اس کو سریہ نہیں کہہ سکتے۔ مواہب لدنیہ میں پہلے واقعہ کے نسبت سریہ ہونے سے صاف انکار لکھا ہے اور دوسرے واقعہ کا ذکر روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں سریوں کے عنوان سے کہیں پایا نہیں جاتا۔ (مدارج النبوت صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳ جلد دوم وتفسیر سید سورہ انفال صفحہ ۳۰) ۱۲

غزوہ السویق
ذی الحجہ ۲ھ

آنحضرت یہود مدینہ کا شر دفع فرما کر ابھی مطمئن بھی نہ ہوئے تھے کہ قریش مکہ نے پھر چھیڑ نکالی۔ بدر کی لڑائی میں ابوسفیان زخمی ہو کر مکہ بھاگ گیا تھا۔ ابوجہل وغیرہ سرداران قریش کے قتل ہو جانے سے اب مکہ والوں کا یہی سردار مقرر ہوا۔ اُس نے شہر میں منادی کر دی کہ اپنے اپنے مقتولوں پر کوئی روئے پیٹے نہیں کیونکہ آنسوؤں سے ہوک کم ہو جائیگی اور بدلہ لینے کے خیال میں وہ جوش نہ رہے گا۔ یہ سخت حکم دے کر اُس نے قسم کھائی کہ جبتک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں تب تک ساری زیب و زینت اور عیش و عشرت مجھ پر حرام ہے۔ بعدازاں تیسرے ہی مہینے دو سو سواروں کو لیکر دفعتًا مدینہ پر چڑھ دوڑا اور شہر سے تین میل پر عریض کے مقام پر پہونچکر باغوں کو جلا دیا اور ایک مسلمان انصاری اور اُس کے ایک حلیف کو جو مکہ کا رہنے والا تھا قتل کر ڈالا۔ یہ سنکر آنحضرت فوراً دو سو مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے مگر ابوسفیان اپنی جماعت کو پہلے ہی لے کر فرار ہو گیا اور رستہ میں ستو کے بورے جو یہ لوگ ساتھ لے کر چلے تھے بوجھ ہلکا کرنیکی غرض سے پھینک دیئے اور سب کے سب بے تحاشا مکہ بھاگ گئے۔ اس واقعہ کا نام غزوہ السویق یعنی ستو والی لڑائی رکھا گیا۔ مسلمانوں کی یہ کامیابیاں قبائل عرب کی آنکھوں میں جو ابھی تک نور اسلام سے منور نہیں ہوئی تھیں کھٹکنے لگیں ان میں سے ہر ایک اب اس بات پر آمادہ ہوا کہ اسلام کا زور کسی طرح گھٹ جائے۔

غزوہ قرقرۃ الکدر
محرم ۳ھ

سب سے پہلے یہود بنی سلیم نے ایکا کر کے ایک جماعت کثیر کے ساتھ تاخت و تاراج کرنا چاہا۔ آنحضرت مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر مقام قرقرۃ الکدر پر پہونچے تین دن تک قیام فرمایا مگر کسی سے مقابلہ نہیں ہوا اور بنی سلیم مرعوب ہو کر متفرق ہو گئے۔

غزوہ ذی امر
ربیع الاول ۳ھ

بعد ازاں نواح نجد کے موضع ذی امر میں بنی ثعلبہ نے متفق ہو کر حوالی مدینہ کے لوٹنے کا ارادہ کیا اور دعثور بن حارث کو جو ایک مشہور جنگ آزما تھا اپنا سردار مقرر کیا۔ آنحضرت کو جس وقت یہ خبر پہونچی ساڑھے چار سو

مسلمانوں کو ساتھ لے کر ۱۲ ربیع الاول کو ان کا شر دفع کرنے کو روانہ ہوئے مگر قبل اس کے
کہ جنگ شروع ہو وہ لوگ مسلمانوں کی جماعت سے خوف زدہ ہو کر متفرق ہو گئے اور پہاڑوں
پر بھاگ گئے۔ اتفاقاً اس دن پانی برس گیا لوگوں کے کپڑے بھیگ گئے۔ آنحضرتؐ نے
بھی ایک درخت کے نیچے ٹھہر کر اپنے کپڑے سوکھنے کے واسطے پھیلا دئے۔ بنی ثعلبہ پہاڑ پر سے مسلمانوں
کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے آنحضرتؐ کو درخت کے نیچے تنہا آرام کرتے دیکھ کر اپنے سردار دعثور

دعثور کا ایمان لانا

سے کہا کہ ایسی حالت میں آپ کا کام تمام کر دینا مشکل نہیں۔ دعثور فوراً روانہ ہوا اور اچانک
آپ کے پاس پہونچ گیا۔ مگر آپ جاگ پڑے۔ دشمن نے یہ دیکھ کر تلوار سونت لی اور چلایا: "اے
محمد صلعم اب کون ہے جو اس وقت میری خون آشام تلوار سے تجھے بچالے" ہر حال میں خدا ہی
پر بھروسہ کرنے والے سردار انبیاؐ نے فوراً بے جھجک جواب دیا: "اللہ میرا بچانے والا ہے" اس
ذکر جلی کی ضرب دعثور پر ایسی پڑی کہ اُدھر وہ مرعوب ہو گیا اور اِدھر آپ نے لپک کر اس کی
تلوار چھین لی اور فرمایا "کیوں! تجھے اب کون بچانے والا ہے" دعثور نے حسرت مندی کے
لہجہ میں کہا "افسوس کوئی نہیں" نبی کریمؐ نے یہ سنکر تلوار اس کے آگے پھینک دی اور ارشاد
فرمایا "مجھ سے رحم کرنا سیکھ" دعثور آپ کی شجاعت اور جوانمردی سے ایسا متاثر ہوا کہ فوراً
صدق دل سے کلمہ طیبہ زبان پر لایا اور مرتے دم آپ ہی کا کلمہ پڑھتا رہا۔

الغرض گیارہ دن کے بعد لشکر اسلام کے ساتھ آپ بخیر و عافیت مدینہ منورہ تشریف

قتل کعب بن اشرف

لائے۔ یہاں محمد بن مسلمہ انصاری نے اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ ۱۴ ربیع الاول کو کعب
بن اشرف یہودی کو اس کے گھر پر جا کر قتل کر دیا تھا۔ مقتول یہودیوں کا ایک مشہور شاعر
تھا۔ آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی شان میں ہجویہ اشعار کہکر سخت ایذا دیا کرتا تھا اور کفار کو آنحضرتؐ
سے مقابلہ کرنے کے واسطے برانگیختہ کیا کرتا تھا۔ جنگ بدر کے بعد معاہدہ کے خلاف یہ شخص خود
مکہ گیا اور مقتولان قریش کے پُر درد مرثیہ کہکر اُن کے جوش انتقام کو اور بھڑکا دیا۔[1] آجکل کسی

[1] اس بات کا تصفیہ کہ ایسی حالت میں کہ کعب بن اشرف دشمنوں سے سازش (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

مشہور اسپیکر کے لکچر سے جو اثر ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس زمانہ میں شعرا کے کلام کا اثر ہوتا تھا۔ جنگ جو قبائل عرب پر یہ سحر بیان غضب کا جادو ڈالتے تھے ان کے اشعار جنگ و جدل کے قرنا تھے۔ لڑائی کی آگ ان کی آتش بیانیوں سے بھڑک اٹھتی تھی اور پھر اس کا بجھنا مشکل ہوجاتا تھا۔

غزوۂ اُحد۔ شوال ۳ھ

قریش مکہ جنگ بدر کے بعد ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں سے اپنا بدلہ لیں قیدیان بدر کا جس وقت فدیہ ادا ہوگیا اور یہ لوگ مکہ آپہونچے سرداران قریش نے ایک سخت حملہ کی کی طیاری کردی اور عمرو بن العاص اور ابوعزی شاعر کو قبائل عرب کے پاس بھیجا کہ سب مل کر مدینہ پر حملہ کریں اور اسلام کا نام ونشان مٹادیں۔ اس طرح تین ہزار آدمیوں کی فوج مرنے مارنے پر طیار ہوگئی جس میں سات سو آہن پوش جنگ جو تھے۔ ابوسفیان جس کو آنحضرت ؐ سے سخت عداوت تھی اس خونخوار لشکر کا سردار مقرر ہوا اور اس کی عورت ہندہ جس کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہ ؓ کے ہاتھ سے مارا گیا انتقام کے جوش میں قریشی عورتوں کے پندرہ کجاوہ طیار کر کے لشکر کے ساتھ ہوگئی کہ میدان جنگ میں کشتگانِ بدر پر نوحہ پڑھکر لڑنے والوں کو جوش اور غیرت دلائے اور ساتھ ہی قریش کے بڑے بت ہبل کو اونٹ پر رکھ لیا تاکہ دینی حرارت سے جنگ کی آگ اور بھڑک اٹھے یکسے جس وقت یہ طوفان بلا اٹھا حضرت عباس ؓ نے فوراً ایک قاصد آنحضرت ؐ کے پاس روانہ کیا۔ آپ نے یہ وحشت انگیز خبر سنکر فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل اور صحابہ سے مشورہ کیا۔ ایک فریق کی یہ رائے ہوئی کہ چونکہ لشکر قریش کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے عورتوں اور بچوں کو قلعہ مدینہ میں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) رکھتا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا اس کا قتل بلحاظ ان اصولوں کے جو انتظام جنگ اور دشمنوں کے جاسوسوں اور رنما گیوں سے علاقہ رکھتے ہیں واجب تھا یا نا واجب اُن لوگوں کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں جو اصول جنگ سے واقف ہیں (تفسیر سرسید سورہ انفال صفحہ ۷۵) ۱۲

ایک جا کردیں اور خود مستعدی اور دلیری سے۔ شہر کی حفاظت کریں۔ اور مدینے سے باہر نہ جائیں مگر حضرت حمزہؓ اور سعدؓ بن عبادہ اور گروہ انصار کے وہ لوگ جو جنگ بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے کہنے لگے کہ اگر ہم مدینہ ہی میں رہے تو دشمن ہم کو بزدل سمجھیں گے اور ان کی ہمت بڑھ جائیگی جنگ بدر میں ہماری جماعت کس قدر کم تھی مگر بفضلہ میدان ہمارے ہی ہاتھ رہا۔ اب ہم بہ نسبت پیشتر کے قوی ہیں کس بات کا خوف کریں۔ ان لوگوں نے اس قدر اصرار کیا اور ایسی پرجوش تقریریں کیں کہ آخر نکلنا ہی پڑا۔ کفار تیزی سے بڑھے آرہے تھے جس وقت انکا لشکر عینین میں جو تلن سنجہ میں مدینے کے مقابل ایک پہاڑ ہے پہونچا آنحضرتؐ نے ۱۱ شوال ۳ھ بعد نماز جمعہ شہر سے کوچ کیا۔ تھوڑی ہی دور تشریف لے گئے تھے کہ عبداللہ ابن ابی منافق نے عین موقع پر دغا دی اور اپنے تین سو رفیقوں کو لشکر اسلام سے الگ کرلیا اور شہر واپس آیا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ اب صرف سات سو جانباز مہاجر و انصار رہ گئے جنہوں نے تین ہزار کافروں کے مقابلے میں کوہ احد کے وادی میں شام کے وقت ڈیرے ڈال دیئے۔ ہفتے کے دن نماز فجر کے بعد آنحضرتؐ نے لشکر اسلام اس طور پر آراستہ کیا کہ کوہ احد پشت پر تھا اور جبل عینین جانب چپ۔ چونکہ جبل عینین میں ایک درہ تھا اس لئے آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ کہیں دشمن کے سوار اس طرف سے گھس کر پشت لشکر پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ عبداللہ ابن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ درہ کی حفاظت پر مقرر کیا اور تاکید کردی کہ کسی حالت میں ہرگز اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں۔

لشکر قریش میں سے سب سے پہلے ابو عامر راہب اپنی جماعت کو لے کر میدان میں آیا۔ یہ شخص مدینہ کا رہنے والا قبیلہ اوس سے تھا اور بہت پارسا سمجھا جاتا تھا مدینہ میں جب آنحضرتؐ تشریف لائے اور قبیلہ اوس کے لوگ جوق جوق مسلمان ہونے لگے یہ بھی اسلام لایا مگر بعد کو مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور قریش سے ملکر ہر وقت ان کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جس وقت انصار مدینہ مجھے میدان جنگ

میں دیکھیں گے آنحضرت کا ساتھ چھوڑ کر میری طرف لوٹ آئیں گے۔ الغرض ابو عامر سب سے پہلے
میدان میں نکلا اور مدینہ والوں کو پکارا کہ میں ابو عامر ہوں محمد صلعم کا ساتھ چھوڑو اور مجھ سے ملجاؤ
صادق القول وفا شعار انصار نے یک زبان ہو کر اس کو اس کی بداعمالیوں پر تبرا بھلا کہنا
شروع کیا اور حملہ کرنے پر مستعد ہو گئے۔ ابو عامر کی جماعت نے قریشی غلاموں کے ساتھ تیر و پتھر
کا مینہ برسانا شروع کیا مگر مسلمانوں نے نہایت دلیری سے ان کو تھوڑی ہی دیر میں پس پا
کر دیا۔ ابو عامر اور اس کی جماعت بھاگ نکلی اور ان کے پیچھے مسلمانوں نے یورش کر دی حضرت
زبیر بن العوام نے اپنی صف سے نکلکر کمال بے جگری سے خالد ابن ولید کے گروہ پر حملہ کیا اور
اپنے شیرانہ حملوں سے کفار کی صفوں کو درہم برہم کر کے خالد کو پس پا کر دیا۔ یہ حال دیکھکر ابو
سفیان ایک ہزار سواروں کے جھرمٹ میں نکلا اور مسلمانوں پر تیر برسانا شروع کئے۔ قریش
کی عورتیں دف بجا بجا کر پرجوش اشعار پڑھنے لگیں اور لڑائی کی آگ کو تیز کر دیا۔ کفار حملے پر
حملہ کرتے تھے مگر بہادران اسلام قدم جمائے رہے اور اس شدت سے کافروں پر تیر چلائے
اور ایسے نشانے اڑائے کہ ان کے رخ پھر گئے۔ علم بردار قریش طلحہ ابن ابی طلحہ جو ایک مشہور
جنگ جو تھا اپنی قوم کو پس پا ہوتے دیکھکر مار سیاہ کی طرح پیچ و تاب کھاتا ہوا نکلا اور میدان میں
آگے بڑھکر چلایا کہ اے محمد صلعم تمہارا گمان ہے کہ تمہاری تلواریں ہم کو جہنم میں بھیجتی ہیں اور ہماری
تیغیں تم کو بہشت میں پہونچاتی ہیں۔ اچھا جس کو بہشت میں جانے کا شوق ہو میرے سامنے
آئے۔ شیر خدا حضرت علی مرتضیٰؓ اس کا یہ رجز سنکر فوراً مقابلہ کو نکلے اور اپنے دلیرانہ حملوں سے
اس کو فی النار کر دیا۔ قریش کا علم سرنگوں ہو گیا مگر مقتول کے قبیلہ بنی عبدالدار کے نو آدمی
دلیری کے ساتھ یکے بعد دیگرے علم کو اٹھاتے ہی رہے اور سب کے سب بہادران اسلام کے
حربوں سے طلحہ کے ساتھ جہنم پہونچ گئے۔ حضرت حمزہؓ نے عین موقع پر مسلمانوں کے ایک گروہ
کو ساتھ لیکر ایک سخت حملہ کیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ دیکھکر آنحضرت نے اپنی تلوار
بلند کر کے فرمایا کہ کون ہے جو یہ تلوار مجھ سے لے اور اس کا حق ادا کرے۔ جانباز صحابہ

چاہیے کہ اس تلوار کو لے کر حق جہاد ادا کریں مگر آپ نے ابو دجانہ انصاری کو وہ تلوار عطا فرمائی۔ ابو دجانہ تلوار لے کر بڑھے اور صف اعدا میں شیر کی طرح گھس گئے اور اپنے شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ کسی کو سامنے آنے کی تاب نہ رہی۔ آپ صفوں کو چیرتے ہوئے پہاڑ کے پاس پہونچ گئے جہاں ابوسفیان کی عورت ہند زنان قریش کے ساتھ دف بجا بجا کر لڑائی کی آگ تیز کر رہی تھی۔ آپ نے چاہا کہ شعلہ جوالہ ہند بنت عتبہ کو آب شمشیر سے سرد کر دیں مگر یہ خیال کر کے کہ رسولؐ کی تلوار کو ایک عورت کے خون سے رنگین کرنا زیبا نہیں پلٹ پڑے۔ ابو دجانہ کے ان شجاعانہ حملوں سے کفار دنگ ہو گئے مسلمانوں نے اب چاروں طرف سے ہجوم کر لیا اور اس جوش و خروش سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور اپنا سارا مال و اسباب چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے تھوڑی دور تک انکا تعاقب کیا۔ بعد ازاں بے فکری کے ساتھ مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ درہ عینین کے پچاس تیر انداز بھی جن کو درہ کی حفاظت کا تاکیدی حکم تھا کفار کو بھاگتے دیکھکر مال غنیمت لوٹنے کو لپکے عبداللہ ابن جبیر ان کے سردار نے ہرچند روکا کہ ہم کو حکم نہیں کہ کسی حالت میں اپنی جگہ کو چھوڑیں مگر سوائے دو چار آدمیوں کے اور کسی نے خیال نہ کیا۔ خالد بن ولید جس نے اثنائے جنگ میں کئی مرتبہ چاہا تھا کہ درہ سے گذر کر پشت لشکر پر حملہ کرے مگر کمانداروں نے قریب پھٹکنے نہ دیا تھا۔ دور سے درہ کو خالی پا کر اپنے کمینگاہ سے نکلا اور عکرمہ ابن ابی جہل اور اس کے رفیقوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر جلدی سے درہ میں گھسکر اور باقی ماندہ محافظین کو جنہوں نے مقابلہ سے آخر تک منہ نہ موڑا شہید کر کے مسلمانوں کی پشت پر ٹوٹ پڑا اور فوراً ایک سوار مفرور ابوسفیان کی طرف روانہ کیا اس اثنا میں عمرہ بنت علقمہ جس نے آخر میں کفار کا علم اٹھا لیا تھا خالد کو لڑتے دیکھکر نشان بلند کر دیا لشکر قریش اپنے علم کو لہراتا دیکھکر پلٹ پڑا۔ اہل اسلام جابجا پھیلے ہوئے تھے اور خوشی خوشی مال غنیمت لوٹ رہے تھے اب دو طرف سے بری طرح گھر گئے اور اس ناگہانی آفت سے جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا ایسے گھبرا گئے کہ کیا ہو

صفیں درست کرکے مقابلہ کرنا کیا معنی آپس ہی میں گتھ گئے اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی
حضرت اسید بن حضیر اور ابو بردہؓ خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے زخمی ہوئے اور یمانؓ حضرت
حذیفہ انصاری کے والد شہید ہو گئے۔ کافروں نے ہر طرف سے پے در پے حملے شروع کر دیئے
اور مسلمانوں کو سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔ حضرت حمزہؓ جن کی قریش پر دھاک بیٹھی تھی غضبناک
ہو کر بڑھے اور کافروں کے ایک گروہ کے سردار سباع بن عبدالعزیٰ پر حملہ کیا اور اس کو
قتل کرکے رجز پڑھتے ہوئے دوسری طرف حملہ کرنے کو پلٹے تھے کہ ناگاہ جبیر بن مطعم کا غلام
حبشی جو برچھی پھینکنے میں بے مثل تھا اور جس سے ہند بنت عتبہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کے
باپ کے قاتل یعنی حضرت حمزہؓ کو کسی طرح شہید کر ڈالے تو اس کو آزادی دلا دی جائیگی ایسے
موقع پر حضرت حمزہؓ کو غیظ و غضب میں از خود رفتہ دیکھکر ایک پتھر کی آڑ میں چھپ رہا اور جس
وقت آپ اس کے قریب سے گذرنے لگے حبشی نے اپنے کمین گاہ سے نکلکر اس طرح آپ پر تاککر
برچھی پھینکی کہ زیر ناف پار ہو گئی آپ اسکی طرف لپکے مگر زخم کاری تھا قاتل بھاگا اور آپ
فرش خاک پر آرہے اور روح مبارک پرواز کر گئی حبشی اب قریب آیا اور کلیجہ چاک کرکے
جگر نکال کر ہند زوجہ ابو سفیان کو دیا جس نے نہایت خونخواری سے اس کو دانتوں سے
چبا کر پھینک دیا اور اپنا سارا زیور انعام کے طور پر حبشی کو اتار دیا۔

کافروں نے اب ہر طرف سے ہجوم کرکے اور مسلمانوں کو پسپا کرکے یہ چاہا کہ کسی
طرح آنحضرتؐ کا جواب تک اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے خاتمہ کر دیں یہ دیکھکر حضرت علی مرتضیٰؓ[1]
نے نہایت دلیری سے کافروں کی صفوں میں گھسکر تین سخت حملے کئے اور دیر تک کفار
کو آنحضرتؐ کے قریب پھٹکنے نہ دیا۔ مگر ان کا ہجوم بڑھتا ہی جاتا تھا۔ اس وقت صرف تیس
صحابی آنحضرتؐ کے قریب رہ گئے تھے جو آپ کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑا رہے تھے۔ ان

لہ۔ "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار" کا لقب انہیں دلیرانہ جانفشانیوں کے
عوض آپ کو عطا ہوا ۱۲۔

جانبازوں میں ایک بہادر خاتون نسیبہ بنت کعب بھی تھیں۔ انھوں نے جب آنحضرت پر کافروں کا ہجوم دیکھا اپنی مشک جس سے اثنائے جنگ میں مسلمانوں کو پانی پلا رہی تھیں پھینک دی اور ڈھال تلوار لیکر کافروں کو دفع کرنے لگیں یہاں تک کہ تیرہ زخم کھائے مگر حفاظت سے منہ نہ موڑا۔ علم بردار اسلام حضرت مصعب بن عمیر ابتک اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے کافروں سے لڑ رہے تھے کہ یکایک ابن قمیہ نے ایسی تلوار ماری کہ آپؓ کا داہنا ہاتھ الگ ہوگیا۔ آپنے فوراً علم کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ابن قمیہ نے دوسرے ہاتھ کو بھی قلم کردیا اور نیزہ مار کر علم بردار اسلام کو گرادیا۔ آپنے اس خیال سے کہ مسلمان اپنے علم کو سجدہ میں جھککر میدان چھوڑ نہ دیں چلا کر کہا کہ "محمدؐ صرف خدا کے رسول ہیں اگر آپ شہید بھی ہوجائیں تب بھی دین خدا مٹ نہیں سکتا۔ بھاگنے والے آپ ہی نقصان اٹھائینگے دین کا کچھ بگڑ نہیں سکتا"[1]

الغرض ایک ایک صحابی رفاقت اور جوانمردی کا پورا حق ادا کرکے خدا کے سامنے سُرخرو ہوکر پہونچا یہاں تک کہ صرف چودہ صحابی نصف مہاجر اور نصف انصار[2] اپنے رسولؐ کی حفاظت کرتے ہوئے باقی رہ گئے۔ کافروں کے تازہ دم دستے آپ کی طرف بڑھتے تھے مگر یہ سچے جاں نثار جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ حضرت سعدؓ ابن وقاص اور حضرت عاصمؓ کی بے نظیر تیراندازی، حضرت علیؓ مرتضیٰ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت ابودجانہ کے شجاعانہ حملے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت سعدؓ بن معاذ کی محافظانہ کوششیں اور حضرت طلحہ کی قابل یاد جاں نثاری اور پامردی غرضکہ ان میں سے ہر ایک نے آخر تک حفاظت میں جان لڑا دی یہانتک کہ سب کے سب مجروح ہوگئے اور کفار بالکل قریب آگئے۔ مالک بن زہیر نے تاک کر ایک

---

[1] حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ... شَيْئًا (سورہ آل عمران پارہ ۴)

[2] مہاجرین میں ابوبکرؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوف۔ زبیرؓ بن العوام۔ سعدؓ بن وقاص، طلحہؓ، ابوعبیدہ بن الجراح اور انصار میں ابودجانہؓ، عاصمؓ، اسیدؓ بن حضیر، حباب بن المنذر، سہیلؓ، سعدؓ بن معاذ، حارث رضی اللہ عنہم اجمعین

تیر آنحضرت پر چلایا مگر طلحہؓ نے جلدی سے اپنا ہاتھ آنحضرت کے سامنے سپر کر دیا اور تیر طلحہ کی انگلی میں چھد کر رہ گیا۔ کافروں نے اب قریب آکر حضرت رسول خدا پر پتھر چلانا شروع کئے۔ ان میں سے ابن قمیہ نے ایک پتھر اس زور سے مارا کہ پیشانی مبارک پر لگ کر ٹوٹ گیا۔ خود کے حلقے گھس گئے اور چہرۂ انور خون سے تر ہوگیا۔ ساتھ ہی عبداللہ ابن شہاب نے ایک پتھر سے آپ کی کہنی زخمی کر دی اور عتبہ بن ابی وقاص نے چہرۂ مبارک پر ایک پتھر ایسا مارا کہ نیچے کے چار دانت شکستہ ہوگئے اور خون جاری ہوگیا۔ حضرت رسول خدا اپنی چادر سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے وہ قوم کیونکر فلاح پائیگی جو اپنے پیغمبر کے ساتھ ایسا معاملہ کرے حالانکہ وہ انھیں خدا کی طرف بلاتا ہے پھر درگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر عرض کرنے لگے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (اے اللہ میری قوم کو بخشدے یہ جانتے نہیں ہیں) اللہ اللہ یہ عجب عفو و کرم ہے کہ اپنے خون کے پیاسوں کو بد دعا نہ دیا کیا معنی درگاہ احکم الحاکمین میں الٹے ان کی طرف سے معذرت کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ یہ کسکی شان ہے بس اسی کی جس کو درگاہ ارحم الراحمین سے "رؤف الرحیم" کا لقب ملا ہے۔ روحی فداک یا رسول اللہ۔ الغرض جس وقت آپ پتھروں سے مجروح ہوگئے ابن قمیہ نے بڑھکر ایک تلوار ماری فدائے نبی حضرت طلحہؓ نے جن کا سارا بدن زخموں سے چور تھا[1] پھر اپنے ہاتھ پر وار روک لیا جس کے صدمہ سے ہاتھ بالکل بیکار ہوگیا۔ دوبارہ اُس ملعون نے پھر آنحضرت کی کمر پر وار کیا۔ چونکہ آپ اُس دن دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ تلوار نے جسم مبارک پر کچھ اثر نہ کیا مگر زرہوں کے بھاری بوجھ۔ ضرب شمشیر کے صدمہ اور زخموں سے بکثرت خون بہ جانے کے سبب سے آپ چکر کھا کر پشت زمین سے

[1] حضرت طلحہؓ کے اس دن اسّی زخم لگے تھے جس وقت کافروں نے آپ کو دو تلواریں ماریں آپ غش کھا کر گر پڑے حضرت ابوبکرؓ نے جلدی سے ان کے منہ پر پانی چھڑکا جس وقت حضرت طلحہؓ کو ہوش آیا پوچھا کہ آنحضرت کا کیا حال ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا بخیر ہیں اور مجھکو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ حضرت طلحہؓ نے کہا الحمد للہ جو مصیبت اس خوشخبری کے بعد ہو وہ مجھ پر آسان ہے ۱۲

ایک گڑھے میں جا رہے ہے۔ ابن قمیہ نے سمجھا کہ اس کا وار کاری پڑ گیا چلا کر پکارا الا ان محمدا قد قتل۔ اہل اسلام اپنے رسول کے شہادت کی خبر سننکر بدحواس ہو گئے۔ ایک گروہ میدان سے ہٹ کر حیران پریشان پہاڑیوں میں چھپ رہا۔ دوسرے گروہ نے اس غم میں بے تابانہ کافروں پر حملہ کر دیا اور لڑ بھڑ کر شربت شہادت نوش کر لیا۔ تیسرا گروہ میدان سے بھاگ نکلا اور مدینہ میں جا کر دم لیا[۱]۔ جس وقت یہ لوگ شہر پہونچے اور رسول خدا کی شہادت کی خبر کی[۲] زنانِ بنی ہاشم روتی پیٹتی حضرت فاطمہؓ کے ہمراہ میدان احد کو چلیں۔ ساتھ ہی حضرت انس بن نصر انصاری نے خبر شہادت سننکر ایک چیخ ماری اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ زندہ رہیں اور رسول اللہ شہید ہو جائیں یہ کہکر آپنے تلوار لی اور سیدھے میدان احد کی طرف لپکے اور پہونچتے ہی کافروں کے بیچ میں گھس گئے اور سخت لڑائی کے بعد شہید ہو گئے۔ تحقیق روایت ہے کہ آپکے جسم پر کچھ اوپر اسی زخم لگے تھے اس طرح کہ آپکا جثہ مردوں میں معلوم نہ ہوتا تھا۔ آپ کی بہن نے ایک تل سے جو ان کے انگلی پر تھا پہچانا اس طرح نوجوان حضرت حنظلہؓ بن ابو عامر راہب جن کا اسی شب نکاح ہوا تھا خبر شہادت سنتے ہی مدینے سے بے تابانہ احد کی طرف دوڑے اور کافروں کو مارتے گراتے ہوئے ابو سفیان تک پہونچ گئے اور قریب تھا کہ اس کو فنا کر دیں مگر ہر طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا اور آخر زخموں سے چور چور کر کے شہید کر ڈالا۔ الغرض جس وقت حضرت رسول خدا سخت مجروح ہو کر گڈھے میں جا رہے حضرت طلحہؓ جلدی سے آپ کو آغوش میں لیکر حضرت علیؓ کی مدد سے اوپر لائے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے خود کے حلقے جو پیشانی مبارک میں گھس گئے تھے اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچ لئے جس سے ان کے سامنے کے دونوں دانت ٹوٹ گئے اس لئے ان کا لقب اثرم پڑ گیا۔ باقی ماندہ صحابہ جو ادھر ادھر حیران و پریشان تھے یا پتھروں کی آڑ میں

[۱] حضرت عثمانؓ انہیں معذورین میں تھے مگر حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ ..... وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (پارہ ۴ آل عمران)

چھپے ہوئے تھے اپنے رسول کو زندہ دیکھکر دوڑے اور آپ کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ ایسی حالت میں جبکہ میدان دشمنوں کے ہاتھ تھا اور آپ اور آپکے ہمراہی سخت مجروح تھے اولوالعزم رسولؐ نے کمال استقلال، دوراندیشی اور فن جنگ کی اعلیٰ قابلیت سے اپنے جانباز رفیقوں کو ساتھ لے کر جبل اُحد کی ایک محفوظ گھاٹی کے طرف رُخ کیا تاکہ دشمنوں کی کھلی زد سے بچکر ہوشیاری کے ساتھ تحفظانہ کوشش کی جائے۔ ابوسفیان نے جس وقت اس جماعت کو پہاڑ کی طرف جاتے دیکھا اپنے گروہ کو ساتھ لیکر چاہا کہ دوسری طرف سے چڑھکر راستہ روک دے مگر کچھ پیش نہ گئی۔ حضرت رسولؐ خدا مومنین کو ساتھ لئے ہوئے گھاٹی میں پہونچگئے۔ لشکر قریش نے جس وقت میدان خالی دیکھا خوشیاں منانے لگے ہندؔ زوجہ ابوسفیان اپنے ساتھ کی عورتوں کو ہمراہ لیکر مقتل میں آئی اور کمال بیرحمی سے سید الشہدا حضرت حمزہؓ اور تمام شہیدوں کو باستثنائے حنظلہؓ بن ابوعامر راہب مُثلہ کرکے ان کے جگر اور ناک اور کان وغیرہ کے ہار بنا کر پہن لئے اور سب گانے بجانے لگیں۔ ابوسفیان کو اگرچہ اپنے خونخوار ارادوں میں بہت کچھ کامیابی حاصل ہوگئی تھی لیکن شجاعان اسلام کی دلاوری اور جاں بازی کا سکہ اس کے دل پر ایسا بیٹھ گیا تھا کہ نہ یہ ہمت ہوئی کہ مدینہ پر حملہ کرے اور نہ یہ جرأت ہوئی کہ اپنی فوج کو لیکر آنحضرت اور آپکے تھوڑے سے رفقا کو جو پہاڑ پر پہاڑ کی طرح جم گئے تھے جنبش دے سکے اس کو یہ خوف تھا کہ اب اگر کچھ اور پیشدستی کی گئی تو یہ زخم خوردہ شیر طیش میں آکر ٹکڑے اُڑا دینگے۔ اس لئے اپنی اسیقدر کامیابی کو غنیمت سمجھکر کوچ کا حکم دے دیا۔ آنحضرتؐ کو خیال گذرا کہ شاید لشکر قریش مدینہ پر حملہ نہ کرے اس لئے حضرت علی مرتضیٰؑ کو چند صحابہ کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ ان کے ارادہ سے آگاہ کریں جب یہ معلوم ہوگیا کہ قریش اپنے گھروں کو جارہے ہیں حضرت رسولؐ خدا شہدا کو دفن کرنیکے

لہ ایک روایت سے حضرت عمرؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ سدراہ ہوئے اور کافروں کو آنے نہ دیا

مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۷۸)

سے پہاڑ سے نیچے اُترے۔ جس وقت آپ نے حضرت حمزہؓ اور تمامی شہدا کی لاشوں کے ساتھ
اُس بے حرمتی اور درندگی کو جو یزید کی دادی ہندؔ اور اُس کی رفیقوں نے کی تھی دیکھا
غم اور غصہ سے بیتاب ہوگئے اور بے قابو ہو کر فرمایا " واللہ اب آئندہ بیرحم اور قسی القلب
قریش کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جائیگا"۔ مگر فوراً وحی الٰہی رحمۃ للعالمین رسولؐ کو متنبہ
کرنے کو نازل ہوئی قَالَ اللہُ تَعَالیٰ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ
بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ (یعنی اور اگر تم کو ستایا تو تم بھی اسیطرح
ان کو ستاؤ اور اگر تم صبر کرو پس یہ صبر کرنے والوں کے واسطے بہت اچھا ہے۔ پارہ ۱۴
سورہ نحل) اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے اپنے بیتاب دل کو سنبھالا اور فرمایا بخدا
میں صبر کرونگا اور اپنے ارادہ سے درگذرا پھر ستر مرتبہ حضرت حمزہؓ کے واسطے استغفار پڑھا
اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ اس وقت سے مُثلہ کرنے کی خونخوار رسم بالکل موقوف کردی
گئی۔[له]

اس جنگ میں ستر صحابہ داد رفاقت اور شجاعت دیکر شہید ہوگئے اور کافروں
کی طرف قریب تیس آدمیوں کے مارے گئے۔ لشکر قریش اگرچہ میدان اُحد سے اُسی دن
کوچ کر گیا تھا مگر دوسرے ہی دن راہ میں ٹھہر گیا اور عکرمہ ابن ابی جہل اور ابو سفیان وغیرہم
کی یہ رائے ہوئی کہ ایسی حالت میں جب کہ مسلمان سخت نقصان اٹھا چکے تھے مدینہ پر حملہ
نہ کرنا سخت غلطی تھی۔ لیکن صفوان ابن امیہ نے یہ صلاح دی کہ ایسا کرنے میں مدینے کے
تمام باشندے طیش میں آکر یکا یک ہمارا مقابلہ کر بیٹھینگے اس وقت بنی بنائی بات بگڑ جائیگی
قریش اسی قیل وقال میں تھے کہ ادھر آنحضرتؐ نے میدان اُحد سے پلٹ کر دوسرے

له یہودیوں میں دستور تھا کہ اپنے قیدیوں کو زندہ جلا دیتے تھے اور دشمنوں کے مردوں کو نہایت بیرحمی سے مُثلہ کرتے
تھے یونانیوں اور رومیوں اور ایرانیوں میں ایسی ہی بیرحمی رائج تھی دین عیسوی نے اس خونخوار رسم کی کچھ اصلاح
نہ کی کیونکہ سولہویں صدی عیسوی تک تاریخوں سے ایسے ہولناک مثلوں کا پتہ چلتا ہے (اسپرٹ آف اسلام سید امیر علی صاحب)

ہی دن یک شنبہ کو مدینہ میں منادی کردی کہ بس وہی لوگ جو جنگ اُحد میں کل ہمارے شریک تھے مہیا رہو جائیں اور لشکر قریش کا پیچھا کریں تاکہ مشرکین کو معلوم ہو جائے کہ موحدین راہ خدا میں کسی طرح ہمت نہیں ہارتے۔

غزوہ حمراء الاسد بدر شوال ۳ھ

باوجودیکہ صحابہ سخت مجروح اور شکستہ تھے اور اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر رہے تھے مگر اپنے اولوالعزم رسول کا جس کا جسم اطہر خود زخموں سے چور تھا فرمان سُنکر دوا علاج چھوڑ چھاڑ کر دل و جان سے مسلح ہو کر حاضر ہوئے اور کفار کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اس وقت کا سماں تاریخ عالم میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ ایک خستہ حال جماعت راہ خدا میں عجب شان سے جا رہی ہے۔ بدن زخموں سے چُور چُور دل پر اپنے پیاروں کی دائمی مفارقت کا داغ کلیجہ میں ناسور ہے۔ مگر اللہ رے ذوق شوق محبت ایمان کے نشہ میں چُور سر تسلیم خم دل محزون پر نشان طاعت خدا و رسول نقش کالحجر۔ دیکھنے میں بے تاب و تواں زار و نزار مگر حقیقت میں چاق چوبند ہشاش بشاش۔ یہ کیوں؟ جذب صادق رنگ لایا ہے۔ قوت روحانی اپنا کرشمہ دکھارہی ہے خواہ کیسی ہی حالت کیوں نہ ہو جائے مگر ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می کشد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

مدینے سے آٹھ میل تک یہ دین حق کے شیدائی اپنے سچے پیغمبر کے ہمرکاب بڑھتے چلے گئے اور مقام حمراء الاسد میں قیام کیا۔ لشکر قریش میں جس وقت یہ خبر پہونچی ابوسفیان اور اس کے ساتھ کے سردار سخت متحیر ہو گئے پھر جس وقت شجاعان اسلام کی کل کی بہادرانہ جنگ کا خیال مجسم ہو کر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا سب کے سب مرعوب ہو گئے اور آخر میں یہ سمجھکر کہ قضائے مبرم سر پر آپہونچی خائف ہو گئے اور فوراً مکہ کی طرف چلدئے۔ صرف دو کافر ایک وہی ابوغزی شاعر جس کو آنحضرتؐ نے اس شرط پر جنگ بدر کے بعد قید سے رہا کر دیا

تھا کہ اب آیندہ قریش کو نہ آبھارے مگران سے پھر دغا کی اور دوسرا معاویہ بن المغیرہ گرفتار ہو گئے۔ ابو غزہ شاعر اپنے کیفر کردار کو پہونچا اور معاویہ حضرت عثمانؓ کی سفارش سے اس شرط پر رہا کیا گیا کہ تین دن کے اندر مدینے سے چلا جائے ورنہ قتل کیا جائے گا۔ مگر وہ اجل رسیدہ راہ بھول کر مدینہ میں پھر چھپ رہا آخر مسلمانوں نے اس کا پتہ لگا کر اس کی بداعمالیوں کا نتیجہ دکھا دیا۔

سریۃ الرجیع
صفر ۴ھ

لشکر قریش جس وقت مکہ پہونچا سفیان بن خالد ہذلی اپنی جماعت کو ساتھ لیکر جنگ اُحد کی کامیابی پر مبارک باد دینے کے لئے مکہ آیا یہاں پہونچکر اُس نے سُنا کہ سلافہ بنت سعد نے جس کے کئی عزیز جنگ اُحد میں مارے گئے تھے یہ اشتہار دیا ہے کہ جو کوئی اس کے بیٹے کے قاتلوں خاص کر حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری کا سر کاٹ لائے گا ۱۰۰ نفیس اونٹ انعام پائے گا۔ سفیان کو یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح اس انعام کو حاصل کرے چنانچہ اُس نے گھر پہونچکر قوم عضل اور قارہ کے سات بدمعاشوں کو یہ پٹی پڑھا کر مدینہ بھیجا کہ آنحضرتؐ کے سامنے یہ اظہار کریں کہ ہماری قوم میں لوگ اسلام کی طرف رجوع ہو گئے ہیں لہذا چند صحابیوں کو تعلیم اور اشاعت دین کی غرض سے ہمراہ کر دیجئے۔ مدینہ پہونچکر ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے سامنے اپنا اسلام ظاہر کیا اور حضرت عاصمؓ کے گھر اُترے اور اُن کو اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ساتھ چلنے کے واسطے آمادہ کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ۶ صحابیوں کو جن کے سردار حضرت عاصمؓ مقرر ہوئے ساتھ کر دیا۔ جس وقت یہ جماعت حجاز کے کنارہ ایک چشمہ کے پاس جس کا نام رجیع تھا پہونچی۔ بدمعاشوں میں سے ایک شخص چپکے سے سفیان کے پاس پہونچا جس نے ۲۰۰ دو سو آدمی لے کر یکایک ان صحابیوں کو گھیر لیا اور چاہا کہ سب کو زندہ گرفتار کر کے مکہ لیجائے مگر شیران الٰہی کو زندہ پکڑ لینا آسان نہ تھا۔ حضرت عاصمؓ اور آپکے ساتھی حق کی حمایت میں آخر تک لڑتے رہے اور داد شجاعت دیکر شہید ہو گئے ~~حضرت آپکے ساتھی حق کی حمایت میں آخر تک~~

[illegible] اور شجاعت سے لڑکر شہید ہوگئے۔ صرف آپکے دو ساتھی خبیبؓ بن عدی اور
اور زیدؓ بن دثنہ زخمی ہوکر گرفتار ہوگئے۔ سفیان ان دونوں کو لیکر مکہ پہونچا اور قریش کے
ہاتھ بیچ ڈالا۔ جنھوں نے نہایت بیرحمی سے اُن کو اُسی قسم کی اذیتیں دیں جس طرح اسپین کے
عیسائی پندرہویں صدی عیسوی میں مسلمان رعایا کو اسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے "انکویزیشن"
یعنی محکمۂ تعذیب میں دیا کرتے تھے چالیس جلاّد نیزہ لے لے کر اس صلیب کے گرد جہاں یہ دونوں
ثابت قدم بزرگ لٹکائے گئے تھے پہونچے اور اپنے نیزوں کی اَنی سے چرکے دینا شروع کئے
ایک کافر نے اُس حالت میں حضرت خبیبؓ کی طرف مخاطب ہوکر کہا "کیوں اب تو تم یہی
چاہتے ہوگے کہ تمہاری اس جگہ پر تمہارے پیغمبر ہوتے" عاشق کامل شیداے دین حضرت
خبیبؓ نے اس حملہ کی اذیت سے جو نیزہ کے زخم سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھا تڑپ کر جواب دیا
"اگر مجھے میرے اہل وعیال اور عیش وعشرت کے سامان اس شرط پر ملیں کہ اُس پیغمبر
برحق کے جسم نازک پر ایک کانٹا چبھو دیا جائے مجھے کسی طرح گوارا نہ ہوگا"[1]

سریہ بیر معونہ صفر سنہ ۴ھ

انھیں ایام میں جبکہ سریہ الرجیع کے اصحاب شہید ہو رہے
تھے بنی عامر اور بنی سلیم کے ایک کنوئیں پر جس کو بیر معونہ
کہتے ہیں ایسا ہی پُر درد واقعہ گذر رہا تھا۔ ابو برار عامر اگرچہ
مسلمان نہیں ہوا تھا مگر مذہب اسلام کو ناپسند بھی نہیں کرتا تھا۔ آنحضرتؐ کی خدمت بابرکت
میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کچھ صحابی اسلام کا وعظ کرنے کو نجد کی طرف روانہ کریں تو
غالباً وہاں کے باشندے مسلمان ہوجائینگے۔ آنحضرتؐ نے قبائل عرب کی جنگ جو طبیعت کا اندازہ
لیکے فرمایا کہ اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ واعظین سے اچھا سلوک نہ کرینگے۔ ابو برار نے اس
خیال سے کہ اس کا بھتیجا عامر بن طفیل نجد کا والی ہے عرض کیا کہ واعظین کی حفاظت کا میں ذمہ دار
ہوں یہ سُنکر آنحضرتؐ نے چالیس شب زندہ دار صحابی جو قرآن کے قاری اور نہایت عابد و زاہد

[1] بخاری کتاب المغازی۔ بہ روایت حضرت ابو ہریرہ ۱۲

تھے توحید کی منادی کرنے کو ساتھ کر دیئے۔ بیر معونہ پر یہ لوگ ٹھہرے اور والی نجد کے نام آنحضرتؐ کا ہدایت نامہ روانہ کیا مگر حاکم نے بے گناہ قاصد کو قتل کر ڈالا اور یکایک ایک بڑی جماعت کے ساتھ بیر معونہ پر چڑھ دوڑا اور سب مسلمانوں کو گھیر کر شہید کر ڈالا صرف عمرو بن امیہ الضمری اور ایک اور شخص جو مُردوں میں پڑے ہوئے تھے بچ گئے اور زندہ مدینہ واپس آئے۔ رجیع اور بیر معونہ کے حادثوں کی خبر ایک ہی شب کو آنحضرتؐ کو پہونچی۔ آپ نہایت مغموم ہوئے۔ نماز میں ان شہیدوں کے واسطے دعا کی اور ظالم قاتلوں پر نفرین کی جن کا حشر یہ ہوا کہ والی نجد بہت جلد طاعون میں مبتلا ہو کر مرگیا اور اصحاب رجیع کے قاتل سفیان[1] بن خالد ہذلی کو اس کی دغابازی کے عوض میں عبداللہ ابن انیس انصاری نے قتل کر ڈالا۔

غزوہ بنی نضیر ربیع الاوّل سنہ ۴ھ

بیر معونہ سے عمرو بن امیہ الضمری نے جس وقت مدینہ کا رُخ کیا راستہ میں دو شخص قبیلہ بنی عامر کے جن سے آنحضرتؐ سے عہد تھا ملے۔ چونکہ واقعہ بیر معونہ بنی عامر کی سرزمین میں گذرا تھا عمرو کو خیال گذرا کہ شاید یہ لوگ بھی برادران دین کے قاتلوں میں ہونگے اس لئے جوش انتقام میں اُن دونوں کو جبکہ وہ سو رہے تھے قتل کر ڈالا۔ اور مدینہ پہنچکر آنحضرتؐ سے یہ حال بیان کیا۔ صورت واقعہ اگرچہ صاف تھی پھر بھی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں اُن دونوں مقتولوں کا خوں بہا ادا کرونگا چونکہ یہود بنی نضیر اور آنحضرتؐ کے درمیان معاہدہ تھا اور بنی نضیر اور بنی عامر آپس میں حلیف تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے دیت ادا کرنے میں بنی نضیر سے مدد چاہی اور خود بہ نفس نفیس اپنے چند اصحاب کبار کو ساتھ لے کر ان کے محلہ میں تشریف لیگئے اور ایک دیوار کے نیچے جا بیٹھے۔ اُنھوں نے آپس میں یہ صلاح کی کہ ایسی حالت میں کہ آپؐ بے سازوسامان ہیں

[1] سفیان نے واقعہ رجیع کے بعد اپنی قوم کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا یہ سُنکر عبداللہ ابن انیس انصاری چھپ کر اس کے پاس پہونچ گئے اور "الحرب خدعة" کے موافق اس کا سر کاٹ کر مدینہ میں لائے یہ واقعہ سریہ رجیع کے بعد کا ہے (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۹۵) ۱۱

آپ کا خاتمہ کر دینا مشکل نہیں۔ چنانچہ یہ تجویز قرار پائی کہ عمرو بن جحاش دیوار کے اوپر سے اچانک ایک بڑا بھاری پتھر آپ پر ڈھکیل دے۔ بنی نضیر اپنی دانست میں پورا بندوبست کر چکے تھے مگر ؂

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

حافظ حقیقی نے اپنے رسول برحق کو اس مہلکہ سے آگاہ کر دیا۔ آپ نے نور نبوت سے ان کے تیور پہچان لئے اور فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ چلے آئے۔ جبکہ بنی نضیر کی یہ دغابازی محقق ہو گئی اور ساتھ ہی یہ پتہ بھی چل گیا کہ جنگ اُحد کے بعد ان لوگوں نے ابوسفیان سردار قریش کے ساتھ حلف کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایسے دغابازوں سے جنہوں نے معاہدہ کے خلاف کارروائی کی تھی کہلا بھیجا کہ اب یہی بہتر ہے کہ تم لوگ مدینے سے چلے جاؤ۔ بنی نضیر پہلے راضی ہوئے مگر بعد کو عبداللہ ابن ابی منافق کے بھڑکانے سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے مجبور ہو کر ربیع الاوّل ۴ھ میں ان پر چڑھائی کی۔ بنی نضیر قلعہ بند ہو گئے اور آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر پندرہ دن کے بعد یہ امر قرار پایا کہ یہ لوگ مدینے سے چلے جائیں اور بجز ہتھیاروں کے جس قدر مال و اسباب ان کے اونٹ اٹھا سکیں لیجائیں۔ چنانچہ انھوں نے چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اور اپنے مکانوں کو خود توڑ دیا اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔[۱]

اب تک غریب الوطن مہاجر اپنے مہمان نواز انصاریوں کے گھروں میں رہتے تھے اور وہی ان کے کفیل تھے۔ جس وقت بنی نضیر کی اراضی خالی ہو گئی آنحضرتؐ نے انصاریوں سے فرمایا۔ "اے گروہ انصار اگر تم چاہو تو بنی نضیر کا مال و اسباب آپس میں تقسیم ہو جائے لیکن اگر تمہاری اجازت ہو تو یہ مال و اسباب خانماں برباد مہاجرین کو دیا جائے تاکہ وہ لوگ اپنے اپنے گھر بنا کر اپنا بار آپ اٹھائیں اور تم سبکدوش ہو جاؤ۔" یہ سنکر حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ انصار کی طرف سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم اراضی

---

[۱] مدارج النبوت جلد دوم ص ۲۰۳۔ ۱۲

اور مال و اسباب اپنے بھائیوں کو جنہوں نے دین کی محبت میں غربت اختیار کی ہے بخوشی دینے کو راضی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی پیشتر کی طرح ان کا بار بھی اٹھاتے رہیں گے۔" تمام انصار نے اپنے دونوں سرداروں کے کلام کی تائید کی حضرت رسول خدا ان عالی ہمت میزبانوں کی جوانمردی سے نہایت محظوظ ہوئے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی او مال و اسباب کو مہاجرین اور دو انصاریوں پر جو نہایت غریب تھے تقسیم کر دیا۔

غزوہ بدر الاخری ذیقعدہ سنہ ۴ھ

ابو سفیان نے جنگ اُحد سے پلٹتے وقت آنحضرتؐ سے پکار کر کہا تھا کہ میں آیندہ سال مقام بدر پر تم لوگوں سے پھر لڑونگا اور سب کا فیصلہ کر دونگا۔ اُس وقت تو اُس نے کامیابی کے جوش میں پیام جنگ دیدیا تھا مگر جب وعدہ قریب آیا آنکھیں کھل گئیں اور دل ہی دل میں ڈرنے لگا کہ پھر جنگ بدر کا ایسا واقعہ پیش نہ آجائے عجب کشمکش تھی نہ نکلتے ہی بن پڑتی تھی اور نہ ٹھہرتے۔ اس لئے اب یہ کارروائی کی کہ ایک شخص نعیم بن مسعود کو سکھا پڑھا کر مدینہ بھیجا کہ مسلمانوں کو قریش کے ساز و سامان اور آمادگی سے ڈرا دے کہ وہ لڑائی کو نہ نکلیں تاکہ ہم کو یہ مشہور کرنے کا موقع ملے کہ مسلمانوں پر ہمارا رعب چھا گیا۔ نعیم مدینہ پہونچا اور مسلمانوں کو بہت کچھ ڈرایا۔ مگر یہ خدا ہی پر بھروسہ کرنے والے جوانمرد اپنے اولوالعزم رسولؐ کے ہمراہ ذیقعدہ سنہ ۴ھ کو حسب وعدہ کوچ کرتے ہوئے بدر میں پہونچے اور وہیں ٹھہر گئے ابو سفیان بھی قریش کی فوج لیکر روانہ ہوا مگر رستہ ہی سے لوٹ گیا اور کہا کہ یہ سال قحط کا ہے اس لئے ٹھہرنا مناسب نہیں۔ آنحضرتؐ نے آٹھ دن تک بدر میں قیام فرمایا مسلمانوں نے خوب تجارت کی اور خوش و خرم سب مدینہ واپس آئے۔

اسلام کی روز افزوں ترقی بُت پرست قبائل عرب سے دیکھی نہ گئی۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہونے لگا۔ جس وقت یہ خبر آنحضرتؐ کو معلوم ہوئی آپ نے محرم سنہ ۵ھ میں پہلے بنی غطفان کی طرف کوچ کیا۔ جس وقت لشکر اسلام قریب

پہونچا بنی غطفان بغیر لڑے بھڑے متفرق ہوگئے اور آنحضرتؐ صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس آئے
بعد ازاں یہ خبر معلوم ہوئی کہ دومۃ الجندل میں جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں ایک قلعہ ہے
وہاں کے لوگ لڑنے کے واسطے جمع ہوئے ہیں اس لئے ربیع الاول ۵ھ میں آپنے
ادہر کوچ کیا لیکن اثناء راہ میں یہ دریافت کرکے کہ وہ لشکر اسلام کی آمد کی خبر سنکر منتشر ہوگئے
ہیں آپ مدینہ واپس آئے۔ پانچ مہینہ کے بعد پھر آپنے سنا کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی المصطلق
ایک بڑی جماعت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے آمادہ ہوا ہے آنحضرتؐ صحابہ کے
ساتھ اس کا شر دفع کرنے کے واسطے مدینہ سے روانہ ہوئے اور شعبان ۵ھ کو مریسیع پر جو

غزوہ بنی المصطلق شعبان ۵ھ

جو قدید کی طرف واقع ہے قیام فرمایا۔ جس وقت دشمن کا لشکر سامنے
آیا آپنے اتمام حجت کے واسطے اعلان کردیا کہ اب بھی اگر خدا اور رسول
پر ایمان لاکر فتنہ وفساد سے باز آئیں ان کے جان و مال سے کچھ
تعرض نہ کیا جائے گا مگر دشمنوں نے آشتی کے پیغام کو بے پروائی سے ٹال کر جنگ شروع
کردی۔ دلیران اسلام نے ایک ساتھ ان پر حملہ کردیا اور تھوڑی ہی دیر میں میدان مار لیا۔ بنی
المصطلق اپنا مال واسباب اور اہل وعیال چھوڑ کر بھاگے اور مسلمانوں نے ان پر قبضہ کرلیا۔
سردار قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ جو قید ہوکر ثابت بن قیس کے حصہ میں پڑیں وہ
آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ میں ایمان لائی ہوں۔ میں اس
قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں مگر اب میرا شمار قیدیوں میں ہے۔ مجھے اتنی مقدرت نہیں کہ اپنے
واسطے گراں بہا آزادی حاصل کروں آپ ہی میری مدد کیجئے"۔ اس تقریر سے متاثر ہوکر آپنے
فوراً ثابت بن قیس کو روپیہ ادا کرکے برہ کو آزادی دلائی اور خود نکاح کرلیا[1]۔ جس کا یہ اثر ہوا
کہ مسلمانوں نے بنی المصطلق کے تمام قیدی اس خیال سے کہ اب یہ لوگ ہمارے پیغمبر کی بیوی
کے بھائی بند ہیں اس لئے ان کا قید رکھنا بے ادبی ہے آزاد کردئے۔ یہ دیکھکر بہت سے بنی المصطلق

[1] آنحضرتؐ نے ان کا نام جویریہ رکھا۔ ان کا بھی شمار امہات مومنین میں ہے ۱۲

مسلمان ہوگئے اور بعد کو ان کے سردار حارث بن ابی ضرار نے بھی صدق دل سے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا۔

غزوہ خندق ذیقعدہ ۵ھ

یہود بنی نضیر جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مدینے سے نکلکر خیبر میں آباد تو ہوگئے مگر ہر دم اس پیچ و تاب میں تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو زک دیکر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ وہ دیکھتے تھے کہ ایک طرف قریش اور دوسری طرف قبائل عرب نور اسلام کے بجھانے میں کس طرح سرگرم ہیں مگر کچھ پیش رفت نہیں جاتی اس لئے اگر کچھ ایسی تدبیر ہو کہ سب ملکر ایک ساتھ مدینہ پر حملہ کریں تو البتہ کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ سوچکر یہود کے بیس چنے ہوئے سردار پہلے مکہ پہونچے اور ابوسفیان کو جو خود موقع کا منتظر تھا لڑنے پر آمادہ کیا اور پھر قبائل عرب کے پاس گئے اور ان کو بھی برانگیختہ کرکے آپ بھی طیار ہوگئے۔ اس طرح شورہ پشت قریش کینہ ور یہود اور خونخوار قبائل عرب سب مل کر دس ہزار کی زبردست جمعیت سے جو عرب ایسے ملک میں جہاں ایک طاقتور شخصی سلطنت کا نشان نہ تھا حیرت اور خوف کا باعث تھے مدینہ پر حملہ کرنے کو روانہ ہوئے جس وقت یہ گرجتا ہوا بادل امنڈ آیا آنحضرتؐ نے صحابؓ سے مشورہ کیا۔ سبھوں نے اپنی اپنی تجویزیں پیش کیں جہاں دیدہ حضرت سلمانؓ نے جو ملک فارس کے رہنے والے تھے عرض کیا کہ ہمارے ملک میں یہ دستور ہے کہ اگر دشمن کا ایک بڑا گروہ کسی شہر پر حملہ کرتا ہے تو تحفظ کے خیال سے شہر کے گرد خندق کھود لیتے ہیں اور پھر اطمینان سے مقابلہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور خود بہ نفس نفیس صحابہ کے ساتھ شہر کے گرد سخت محنت کرکے چھ دن میں ایک گہری خندق کھود لی اور

ل۱ اس غزوہ میں عبداللہ ابن ابی منافق بھی ساتھ تھا۔ یہ شخص اسلام کی عیب جوئی اور آنحضرتؐ کی آزار رسانی میں درپردہ کوشش کیا کرتا تھا۔ اس سفر میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی پر تہمت لگائی۔ یہ واقعہ سورہ نور پارہ ۱۸ میں درج ہے۔ ابن ابی کی جھوٹ کی قلعی جس وقت کھلگئی مفتریوں پر حد قذف جاری ہوئی۔

تمام عورتوں اور بچوں کو شہر میں ایک محفوظ مقام پر یکجا کر کے ذیقعدہ ۵ھ کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کو نکلے دشمنوں کے گروہوں نے اب محاصرہ شروع کر دیا اور ہر طرف پھیلکر باہر آنے جانے کا راستہ مسدود کر کے جنگ شروع کر دی اور ساتھ ہی یہ کارروائی کی کہ یہود بنی قریظہ کو جو مدینہ میں معاہدۂ امن کے موافق رہتے تھے عہد شکنی پر آمادہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ابتک محاصرہ کی سختی کو کمال استقلال سے برداشت کیا تھا اور نہایت دلیری سے اپنے مورچے سنبھالے ہوئے تھے مگر گھر کے بھیدی یعنی یہود بنی قریظہ کے ایسی خطرناک حالت میں دغا دے جانے سے گھبرا گئے۔ یہ دیکھکر آنحضرتؐ نے چند صحابہ کو حضرت سعد بن معاذ کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس بھیجا اور اُن کو اُن کا عہد یاد دلایا۔ مگر ایسے طوفان بلا میں جب کہ اُنھیں کشتی اسلام کے ڈوب جانے کا پورا یقین تھا کینہ ور یہود نے نہ چاہا کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی نصیب ہو اور اس لئے صاف جواب دیا کہ "کیسا محمد کیسا رسول ہم کیوں اس کا کہا مانیں ہمارے اس کے درمیان کچھ عہد و پیمان نہیں ہے"[1] بنی قریظہ کی اس عہد شکنی نے ان منافقین پر جو ابتک مہاجرین اور انصار کے ساتھ تھے بہت بُرا اثر کیا اُنھوں نے برملا کہنا شروع کیا کہ خدا و رسول نے کامیابی کے وعدے تو بہت کچھ کئے مگر اب معلوم ہوا کہ صرف دھوکہا ہی دھوکہا تھا[2] یہ باتیں سُن سُنکر بعضے مسلمان بھی جن کے دل کمزور تھے ہمت ہارنے لگے اور لشکر اسلام کو آفتوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اندر باہر اوپر نیچے جان کے پیاسے دشمن تیر اور پتھر برسا رہے ہیں اور پیچھے سے بغلی گھونسے پڑ رہے ہیں اس پر طرہ یہ کہ کھانے پینے کی تنگی پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے زبان میں کانٹے پڑے ہوئے مگر اولوالعزم رسولؐ اور جانباز صحابہ صبر و ثبات توکل اور استقلال کی زندہ مثال بن گئے۔ بیشک "ہمت مرداں مدد خدا"

[1] ولیم میور لایف آف محمد جلد ثالث صفحہ ۲۵۹۔ ۱۲

[2] حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا (سورہ احزاب پارہ ۲۱) ۱۲

آنحضرتؐ نے تین سو آدمی گھروں کی حفاظت کے واسطے شہر میں بھیجدئے اور خود بہ نفس
نفیس مہاجرین اور انصار کے ساتھ مورچوں کو سنبھالنا شروع کیا۔ دشمن رات کو بھی شبخون
مارتے تھے اور جان توڑکر کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح آنحضرتؐ کے خیمہ میں گھس آئیں مگر بہادرانِ
اسلام ان کو مار کر بھگا دیتے تھے۔ پھر بھی کافروں کی یہ حالت تھی کہ ان کے تازہ دم دستہ
کے دستہ نہ دن کو مقابلہ سے باز آتے تھے نہ رات کو۔ ابوسفیان کا یہ حال تھا کہ اپنے چیدہ
چیدہ سواروں کو لیکر دلیرانہ خندق میں اُتر آتا تھا مگر مثل اُس موج کے جو سمندر میں تیزی
سے اُٹھکر زور شور سے کنارہ پر ٹکرا کر پھر پلٹ جاتی ہے پس پا ہو کر واپس جاتا تھا۔ ایک
دن قریش کا ایک نامی گرامی پہلوان عمرو ابن عبدود جسے لوگ ہزار مردوں کے برابر سمجھتے
تھے قریش کے سرداروں کو لیکر لڑ بھڑ کر خندق پھاند آیا اور میدان میں آکر پکارا ''ھل من
مبارز'' کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے۔'' اس پہلوان کی دھاک کچھ ایسی بیٹھی تھی کہ لوگ
دم بخود ہو گئے۔ یہ دیکھکر حضرت علیؓ مرتضیٰ آنحضرتؐ کے خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے
آپؐ نے اپنی ذوالفقار عطا فرما کر مقابلہ کی اجازت دی۔ دونوں طرف کے لشکر اس معرکہ کو دیکھنے
کے واسطے اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر گئے۔ حضرت علیؓ نے اتمام حجت کے واسطے پہلے اس کو اسلام
کی تلقین کی مگر جب اُس نے نہ مانا آپ مقابلہ کو بڑھے۔ ابن عبدود فیل مست کی طرح
شیر خدا پر جھپٹا۔ تہور اور شجاعت کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ گرد و غبار بلند ہوا۔ تماشائیوں کو
کچھ نظر نہ آیا بس ایک لحظہ کے بعد دیکھا تو یہ دیکھا کہ حقؓ سر بلند ہے اور باطل خاک و خوں
میں لوٹ رہا ہے۔

ابن عبدود کو قتل کر کے حضرت علیؓ مرتضیٰ بھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر جھپٹ
پڑے اور اُن کو مارتے گراتے ہوئے خندق کے اس پار کر آئے۔ ابوسفیان کی پھر یہ ہمت
نہ پڑی کہ خندق کے قریب آتا۔

لہ اَلحَقُّ یَعلُو وَلَا یُعلٰی ؎

محاصرہ کو اب طول ہوتا جاتا تھا۔ دو ہفتہ سے زاید دلیران اسلام صبر کی تلخی چکھ رہے
تھے۔ آخر دعاے نبوی سے شیریں پھل کھانے کا وقت آگیا۔ دشمن حملہ کرتے کرتے عاجز آگئے
تھے مگر کوئی مورچہ سر ہوتا تھا قبائل عرب جنھوں نے خیال کیا تھا کہ لڑائی میں اس قدر
طول نہ ہوگا قریش کے شریک حال ہونے سے گھبرا اٹھے۔ بنی قریظہ اور قریش ایک دوسرے
سے بدظن ہوگئے۔ لشکر میں نا اتفاقی پھیل گئی اس پر طرہ یہ ہوا کہ ایک شب کو سخت طوفان
آیا۔ ہوا کے سرد اور تیز جھکولیوں سے خیمے اکھڑ گئے۔ دیگیں الٹ گئیں اور آگ بجھ گئی
اور سارے لشکر میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ ہمتیں پہلے ہی پست تھیں اب رہے سہے حواس
بھی جاتے رہے۔ سب کے سب عجب بے سروسامانی سے گرد و غبار کی طرح آندھی کے ساتھ اڑے
چلے گئے۔ صبح کو دیکھا تو مطلع صاف تھا اور آفتاب رسالت آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا
یہ محاصرہ بیس دن تک رہا جس میں آنحضرت اور آپ کے اصحاب نے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں
جو کسی معرکہ میں پیش نہ آئی تھیں۔ خاصکر بنی قریظہ کی عہد شکنی سے بہتوں کو اپنے بچنے کی
بہت کم امید تھی۔ اس لئے جس وقت دشمنوں کی فوج منتشر ہوگئی آنحضرت اسی وقت
ان عہد شکنوں کو سزا دینے کے واسطے آمادہ ہوگئے۔

غزوہ بنی قریظہ ذیقعدہ ۵ھ

بنی قریظہ نے جنگ بدر میں بھی کافروں کو مدد دیکر عہد شکنی کی تھی
مگر عذر معذرت کرکے بچ گئے تھے۔ اب پھر عین موقع پر دغا دیکر اسلام
کے مٹا دینے میں کچھ کسر باقی نہ رکھی تھی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ حیی

لہ جس زمانہ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کو قومیں جمع ہو رہی تھیں اور آنحضرت شہر کے گرد خندق کھودنے
میں مصروف تھے اسی زمانہ میں ابو رافع جس کو سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے تھے یہودیوں کا ایک سردار مدینہ
پر حملہ کرنے کے لئے قوموں کے جمع کرنے میں بہت کوشش کر رہا تھا۔ عبداللہ ابن عتیک انصاری اپنے تین
ساتھیوں کو لیکر خیبر کو جہاں وہ رہتا تھا گئے اور رات کے وقت اس کی خوابگاہ میں گھس کر اس کو مار ڈالا
یہ واقعہ بھی کعب ابن اشرف یہودی کے واقعہ کی طرح تھا جس کا ذکر سریہ محمد بن مسلمہ کے بیان میں ہو چکا ہے ۱۲

بن اخطب سردار یہود بنی النضیر کو جس نے یہ سارا فساد مچایا تھا دشمنوں کے بھاگ جانے اور محاصرہ اُٹھ جانے کے بعد اپنے قلعہ میں پناہ دیکر چھپا رکھا تھا[ا]۔ ایسے دغابازوں سے کیا اُمید تھی کہ وہ مدینہ میں امن و امان کے ساتھ رہیں گے یا آیندہ ان کا کوئی معاہدہ قابل وثوق ہوگا۔ خاص کر جب کہ حیی بن اخطب ایسا فسادی ان کے یہاں پناہ گزیں تھا۔ الغرض جس وقت آنحضرت لشکر اسلام لیکر روانہ ہوئے بنی قریظہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر قلعہ بند ہوگئے اور آخر محاصرہ کے طول کھینچنے سے عاجز آکر کہلا بھیجا کہ بنی نضیر کی طرح ہم بھی جلا وطن ہونے کو آمادہ ہیں جس کا جواب یہ دیا گیا کہ " بلا کسی شرط کے وہ اپنے تئیں سپرد کردیں پھر آنحضرت صلعم جو چاہیں گے ان کی نسبت حکم دینگے " تب انھوں نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کے لئے حضرت ابو لبابہ کو جو اُس قوم سے تھے جو بنی قریظہ کے حلیف تھے ہمارے پاس بھیجدیں وہ گئے اور یہودیوں نے اُن سے پوچھا کہ ہم تمھارے پیغمبر کے حکم پر اپنے تئیں سپرد کردینا قبول کرلیں یا نہیں اُنھوں نے کہا ہاں مگر اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا جس سے یہ اشارہ تھا کہ سب قتل ہوگے۔" ابو لبابہ خوب جانتے تھے کہ بنی قریظہ دو مرتبہ اپنا عہد توڑ چکے تھے اُن کا کوئی معاہدہ جو وہ آیندہ کے لئے کریں قابل اعتبار نہوگا اور اگر وہ اسلام قبول کرنے پر راضی ہوں تو بھی اُس پر یقین نہوگا اور وہ منافق سمجھے جائیں گے جن کی نسبت جب وہ علانیہ کوئی دشمنی کرچکے ہوں وہی حکم ہے جو اُن لوگوں کی نسبت ہے جو علانیہ کافر ہیں۔ علاوہ اس کے ابو لبابہ کو معلوم تھا کہ وہ بغاوت کی سزا کے مستحق ہیں اگر ان کی جگہ کوئی مسلمان قوم ہوتی تو وہ بھی بغاوت کی سزا سے بچ نہیں سکتی تھی۔ اس سبب سے انھوں نے اپنے قیاس کے موافق اشارہ کیا کہ سب قتل کئے جائیں گے۔ تب بنی قریظہ نے جیسا کہ تفسیر کشاف صفحہ ۱۱۲۷ میں لکھا ہے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کرنے سے کہ آنحضرت جو چاہیں گے ان کی نسبت حکم دینگے انکار کیا۔ اس پر گروہ انصار میں سے بنی اَوس جو بنی قریظہ کے حلیف تھے درمیان میں پڑے اور آنحضرت سے کہا کہ جس طرح آپنے یہود بنی قینقاع سے

[ا] مدارج النبوت صفحہ ۲۴۸ جلد دوم

جو خزرج کے حلیف تھے معاملہ کیا اسیطرح ان کے ساتھ بھی کیجیے (یعنی جلاوطن کردیجیے) آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری قوم کا سردار سعدؓ ابن معاذ جو فیصلہ کرے وہ منظور کیا جائے[1]"

حضرت سعدؓ ابن معاذ فیصلہ کے واسطے بلائے گئے اور اس بات کا پورا اطمینان کر کے کہ اب انھیں کے فیصلہ پر بنی قریظہ اور آنحضرت عمل کرینگے بمثل اس جج کے جو قانون عدل کی سخت مگر بجا گرفت سے مجبور ہو کر پھانسی کا حکم سناتا ہے یہ فیصلہ کیا کہ مرد قتل کیے جائیں اور عورتیں بچے لونڈی غلام بنائے جائیں اور مال و اسباب تقسیم کر دیا جائے اسی فیصلہ کی تعمیل کرنا پڑی اور بجز تین شخصوں کے جن پر بغاوت کا الزام ثابت نہیں ہوا تھا قریب ڈھائی سو آدمیوں کے قتل کیے گئے[2]

سر سید مرحوم تفسیر القرآن سورۂ توبہ صفحہ ۸۴ میں لکھتے ہیں "اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ واقعہ نہایت خوفناک تھا مگر کون زمانہ ہے اور کونسی قوم ہے جس کے ہاتھ سے باغیوں کی نسبت اس سے بھی سخت سزائیں نہیں دی گئیں۔ جن لوگوں نے بغاوت کی تاریخیں پڑھی ہیں یا اپنی آنکھوں سے اس انیسویں صدی عیسوی میں بھی جو سولزیشن یعنی تہذیب کا زمانہ کہلاتا ہے یا اس سے تھوڑا زمانہ پہلے بغاوت کے واقعات دیکھے ہیں ان کی آنکھوں میں کئی سو آدمیوں کا بجرم بغاوت قتل ہو جانا کوئی بڑا واقعہ نہ ہوگا[1]"

اصل یہ ہے کہ اگر بنی قریظہ اس بات پر راضی ہو جاتے کہ آنحضرت جو چاہیں گے ان کی

---

[1] تفسیر القرآن سر سید احمد خاں سورہ توبہ صفحہ ۸۴ ۱۲

[2] یہ یاد رہے کہ اس وقت تک آیت حریت جس میں ان لوگوں کے قتل کا جو لڑائی میں قید ہو جائیں اور ان کے لونڈی غلام بنانے کا امتناع ہے نازل نہیں ہوئی تھی۔ وہ آیت یہ ہے فاما منا بعد واما فداء (سورہ محمد) معہذا ان لوگوں کو بطور قیدیان جنگ سزا نہیں دی گئی بلکہ باغیوں کے لئے جو سزا ہونی چاہیے وہ دی گئی (تفسیر القرآن سر سید سورہ توبہ صفحہ ۸۳) ۱۲

نسبت حکم دینگے تو ہرگز ایسا خوفناک واقعہ نہ ہوتا۔ ابولبابہ جن کو بنی قریظہ نے مشورہ کے
واسطے بلایا تھا اگرچہ ان کا قیاس اپنی جگہ پر صحیح تھا مگر جس شخص نے آنحضرت کی زندگی کے
حالات سے آپ کی طبیعت کا صحیح اندازہ انصاف کے ساتھ کیا ہوگا وہ ضرور اس بات
کو تسلیم کرے گا کہ رسول کریم کا فیصلہ ان بدبختوں کے واسطے ایسا سخت ہرگز نہ ہوتا۔ مگر
بنی قریظہ پر شامت سوار تھی کہ انہوں نے "رؤف الرحیم" نبی پر بھروسہ نہ کر کے
آپکے فیصلہ سے انکار کیا اور یہ خیال کر کے کہ سعد ابن معاذ ہمارے حلیف ہیں اور اس لئے
کچھ رعایت کرینگے انہیں کو حکم مقرر کیا۔ حضرت سعد اسلام کے سچے شیدائی تھے وہ خوب
جانتے تھے کہ اگر یہ لوگ اس وقت بچ گئے تو جب موقع پائیں گے زک دیئے بغیر نہ رہینگے
علاوہ اس کے جنگ خندق میں حضرت سعد کو کاری زخم لگا تھا جس کے سبب سے اپنا
فیصلہ سنانے کے دوسرے ہی دن شہید ہوئے۔ ان وجوہات سے آپنے ایسا حکم سنایا
اور بنی قریظہ فیصلہ رسول پر راضی نہ ہونے سے اپنے ہاتھوں آپ تباہ ہو گئے سچ ہے ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

شہر مدینہ اب اگرچہ مخالفوں سے پاک ہو گیا مگر مسلمانوں کو بیرونی دشمنوں سے کسی
طرح نجات نہ ملتی تھی قبائل عرب اگرچہ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے تھے مگر اپنی شرارت سے باز نہ آتے
تھے۔ یہ جنگلی اکھڑ بدو لوٹ مار دغا فریب اور قتل و خون پر تلے رہتے تھے اور کسی طرح
سیدھی چال نہ چلتے تھے قریب ایک سال کے یہ شورش قائم رہی[1] جس میں دو تین مہ

---

[1] اس ایک سال کے اندر حسب ذیل غزوات اور سرایا پیش آئے:۔
غزوہ بنی لحیان ربیع الاول سنہ ۶ھ شہدائے رجیع کے خون کے عوض آنحضرت نے بنی لحیان کی طرف کوچ
کیا۔ مگر وہ لوگ یہ خبر سنکر فرار ہو گئے اور پہاڑوں میں چھپ رہے اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ غزوہ غابہ ربیع الآخر
سنہ ۶ھ عینیہ بن حصن الفزاری ایک شریر سردار بنی غطفان کے سوار ساتھ لیکر (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

آنحضرتؐ کو خود تشریف لیجانا پڑا اور فساد دفع کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ موسم حج آ پہونچا۔ غریب الوطن مہاجرین نے چھ برس سے وطن کی صورت نہ دیکھی تھی مکہ کی گلیاں ان کی آنکھوں میں پھرتی تھیں خانۂ کعبہ جس کے طواف کے وہ عادی تھے اس کی زیارت کا شوق دل کو بیتاب کرتا تھا مگر مشرکین مکہ کی عداوت سے کسی طرح یہ تمنا پوری نہوتی تھی۔ خانۂ کعبہ مدتوں سے عرب

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) آنحضرتؐ کے اونٹوں کو لوٹ لے گیا اور بنی غفار کے ایک شخص کو قتل کرکے اس کی بیوی کو پکڑ لے گیا۔ حضرت سلمہؓ بن عمرو ابن الاکوع نہایت دلیری سے تنہا اس کے پیچھے دوڑے اور تیروں کی بوچھار کرکے ایسے نشانے اُڑائے کہ عینیہ کے ہمراہی اونٹوں کو چھوڑ کر بھاگے۔ یہ خبر جس وقت مدینہ پہونچی پہلے آنحضرتؐ نے سعدؓ بن زید کو چند سواروں کے ہمراہ بھیجا بعد کو خود تشریف لے چلے۔ خفیف سی لڑائی ہوئی چند آدمی مارے گئے آخرکار لیٹرے بھاگ گئے۔ سریہ عکاشہ ربیع الآخر سنہ ۶ھ۔ سریہ بنی ثعلبہ ربیع الآخر سنہ ۶ھ سریہ ذی القصہ وجموم ربیع الآخر سنہ ۶ھ بدوؤں کی تادیب کے واسطے بھیجے گئے اور ان کی شورش دفع کی گئی۔ سریہ عیص جمادی الاول سنہ ۶ھ قریش مکہ جن سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی ان کا مال و اسباب تجارت شام سے آرہا تھا۔ آنحضرتؐ نے زیدؓ ابن حارثہ کو بھیجا کہ قریش مکہ تک یہ سامان نہ پہونچنے پائے۔ زیدؓ گئے۔ قافلہ کا مال و اسباب چھین لیا اور چند آدمی قید کر لئے یہ کارروائی ایسی ہی جیسی کہ آجکل دشمن کی رسد روک دی جاتی ہے تاکہ اس کا زور ٹوٹ جائے۔ سریہ طرف۔ جمادی الآخر سنہ ۶ھ سریہ حسمی جمادی الآخر سنہ ۶ھ سریہ وادی القری رجب سنہ ۶ھ۔ اعراب کے مقابلہ میں یہ معمولی انتظامات تھے۔ آخر الذکر سریہ میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید ان کے سردار بھی سخت زخمی ہوئی۔ سریہ دومۃ الجندل شعبان سنہ ۶ھ۔ دومۃ الجندل کے لوگ ہمیشہ حملہ کا موقع تکتے تھے چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال میں بھی ان کے حملہ کا احتمال ہوا تھا اور خود آنحضرتؐ نے کوچ فرمایا تھا۔ انہی اسباب سے اس سال عبدالرحمن بن عوف کو سردار کرکے ان لوگوں پر بھیجا اور کہا کہ کوئی دغا کی بات مت کرو اور خدا کی راہ میں لڑو اور کسی نابالغ بچہ کو نہ مارو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ تیری اطاعت کریں تو اُن کے سردار کی بیٹی سے شادی کرلے۔ عرب میں قوموں کو اپنا پورا پورا ساتھی یا حمایتی بنا لینے کے صرف دو طریق سب سے عمدہ تھے ایک حلیف ہوجانا دوسرا رشتہ کرلینا اسی پولیٹیکل مصلحت سے آنحضرتؐ نے عبدالرحمن کو (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کی تمام قوموں کا مشترک معبد تھا اور سال کے چار مہینے رجب، ذیقعدہ، ذالحجہ اور محرم زیارت کے واسطے مخصوص تھے جن میں لڑائی قطعی حرام سمجھی جاتی تھی اور دوست و دشمن بلا روک ٹوک حج کرتے تھے اور کوئی کسی سے مزاحم ہونے کا حق نہ رکھتا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسی خیال سے کہ قریش مکہ زیارت کعبہ سے مانع نہ ہونگے ذیقعدہ ۶ھ کو چودہ سو[۱۴] صحابہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) وہاں کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لینے کی ہدایت کی تھی اور یہی ایک بڑا سبب تھا کہ آنحضرتؐ نے اپنی اخیر عمر میں متعدد قبیلہ کی عورتوں کو اپنی ازواج مطہرات میں داخل کیا تھا باوجودیکہ عالم شباب میں بجز ایک بیوی کے کوئی اور نہ تھی۔ بہر حال عبد الرحمٰن وہاں گئے تین دن قیام کیا اور اسلام کا وعظ کہا کئے اور مسلمان ہو جانے کی ان کو ہدایت کی۔ اصبغ بن عمر الکلبی جو وہاں کا سردار اور عیسائی تھا مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہیں ہوتے اُنہوں نے اطاعت اختیار کر لی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ سریہ فدک شعبان ۶ھ آنحضرتؐ نے سُنا کہ قبیلہ بنو سعد لوگوں کو جمع کر رہے ہیں اور خیبر میں جو یہود جلا وطن کئے گئے ہیں اُن کو مدد دینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس لئے آپنے سو آدمیوں کو حضرت علیؓ کی ہمراہ روانہ کر دیا۔ دشمن بغیر لڑائی متفرق ہو گئے اور ان کا مال و اسباب لوٹ میں آیا۔ سریہ زید بن حارثہ ۶ھ ام قرفہ جو قوم فزارہ کے سردار تھے اُس نے مسلمانوں کا ایک قافلہ جو شام میں مال تجارت کے لئے جاتا تھا لُوٹ لیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت زید کو ان کی سرکوبی کے واسطے بھیجا۔ یہ گئے اور دفعتاً حملہ کر دیا۔ اُم قرفہ اور اس کی بیٹی گرفتار ہو گئی۔ قیس ابن محسر جو زید کے لشکر میں تھے اس ضعیف عورت کو نہایت بُری طرح سے مار ڈالا۔ مگر اس واقعہ کے متعلق بہت کچھ اختلاف روایات ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرتؐ نے قیس کے اس فعل پر اگر واقعی وقوع میں آیا ہے ضرور ناراضگی ظاہر فرمائی ہو گی۔ کیونکہ عموماً آپ کی یہ نصیحت تھی کہ عورتیں اور بچے نہ مارے جائیں۔ سریہ ابن رواحہ شوال ۶ھ۔ اُسیر ابن رزام یہودی جو خیبر کے یہودیوں کا ایک سردار تھا غطفان کے یہود کو جمع کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر کرنے لگا۔ آنحضرتؐ نے عبد اللہ ابن رواحہ کو بعد دریافت حال تیس آدمیوں کے ہمراہ باہمی گفتگو اور معاملہ کے واسطے بھیجا۔ عبد اللہ ابن رواحہ نے اس سے گفتگو کی اور وہ آنحضرتؐ کے پاس آنے میں اس لالچ میں راضی ہوا کہ خیبر کی سرداری اُس کو ملجاتے۔ چنانچہ تیس آدمی ہمراہ لیکر ساتھ چلا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے ساتھ بغیر ہتھیار لئے ہوئے مدینے سے کوچ کیا۔ قربانی کے اونٹ ہمراہ لئے اور قربانی

صلح حدیبیہ
ذیقعدہ سنہ ۶ ھ

کی علامت کے طور پر جو نشانیاں مقرر تھیں وہ اُن پر کر دیں۔ قریش کو جب یہ خبر ہوئی کہنے لگے کہ ہم ان لوگوں کو زیارت بھی نہ کرنے دینگے اور فوراً لشکر طیار کر کے نکلے اور خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابی جہل کو ہراول کے طور پر آگے بھیجا مگر آنحضرت نے ایک دوسرے راستہ سے جو بہت دشوار گذار اور پتھریلا تھا عجلت کے ساتھ کوچ کر کے مکہ سے ایک منزل بمقام حدیبیہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سب لوگ اونٹوں پر سوار ہوئے۔ یہودی آگے مسلمان پیچھے جب مقام قرقرہ میں پہنچے ابن رزام کے دل میں شبہ پیدا ہوا جیسا کہ زاد المعاد میں لکھا ہے اور اُس نے عبداللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا عبداللہ کو بھی شبہ ہوا اور وہ اونٹ پر سے کود پڑے اور اُس کے پاؤں پر تلوار ماری ابن رزام بھی کود پڑا اور خارہ دار سونٹا عبداللہ کے منہ پر مارا وہ زخمی ہوئے۔ اس ہنگامہ کو دیکھکر ہر ایک مسلمان نے یہودیوں پر حملہ کیا اور آناً فاناً سب کو مار ڈالا۔ سریہ عرینہ شوال سنہ ۶ ھ عکل اور عرینہ کے چند آدمی پہلے مسلمان ہوئے پھر دغا دیکر آنحضرت کے اونٹوں کو چرا لے گئے اور چرواہوں کی آنکھیں پھوڑ دیں اور اُن کو نہایت بری طرح مار ڈالا۔ آنحضرت نے کرز بن جابر الفہری کو ان کے تعاقب میں بھیجا۔ دغا باز پکڑے آئے اور یہودی شریعت کے موافق اُن سے قصاص لیا گیا۔ سریہ عمرو بن امیہ شوال سنہ ۶ ھ ابوسفیان ابن حرب نے مکہ سے ایک آدمی مدینہ میں بھیجا کہ کسی بہانہ سے آنحضرت کو قتل کر دے وہ مع خنجر جو اُس کے پاس چھپا ہوا تھا پکڑا گیا۔ مگر آنحضرت نے اس شرط پر کہ سچ حال بتا دے اس کو امن دیا چنانچہ اُس نے بتا دیا اور اُسکو چھوڑ دیا کہ وہ مکہ چلا جائے یہ دیکھکر عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم مدینہ سے چلے کہ ابوسفیان سے اُس کا بدلہ لیں مگر مکہ میں ان کا حال کھل گیا لوگ دوڑے لیکن یہ وہاں سے بچکر نکل آئے۔ مواہب لدنیہ میں اسکو سریہ میں داخل کیا ہے لیکن روضۃ الاحباب میں یہ ذکر نہیں ہے۔ غالباً صاحب مواہب نے عمرو ابن امیہ کی روانگی سریہ سمجھ لی۔

(ماخوذ از تفسیر سید سورۂ انفال صفحہ ۸۸ - ۹۱)

پہونچکر قیام فرمایا اور قریش سے کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کے ارادہ سے ہرگز نہیں آئے ہیں۔ ہم کو
خانہ کعبہ کی زیارت کر لینے دو قریش نے نہ مانا۔ آخرکار آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو جن کے مکہ
میں بہت سے با اثر رشتہ دار تھے قریش کے پاس بھیجا۔ مگر یہ فسادی کب ماننے والے تھے
حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے کہ بس تم زیارت کرلو اور کسی کو ہم ہرگز اجازت نہ دینگے۔ جناب ذوالنورین
نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ کے بغیر زیارت نہیں کرونگا۔ اس پر قریش کو غصہ آگیا کہ پیروان
محمد صلعم اپنے رسول کو اس قدر کیوں چاہتے ہیں۔ اور اُنہوں نے فوراً حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا
لشکر اسلام میں یہ خبر اُڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے شہید کر ڈالا۔ حضرت رسول خدا یہ سُنکر
نہایت ملول ہوئے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھکر صحابہ سے بیعت کے لئے فرمایا کہ ثابت قدم
رہیں اور اب مقابلہ سے منہ نہ موڑیں۔ اگرچہ مسلمانوں کے پاس سامان جنگ کیا معنی ہتھیار
تک نہ تھے صرف ایک ایک تلوار تھی جو اُس زمانہ میں زائرین رستہ کی حفاظت کے
خیال سے رکھ لیا کرتے تھے۔ مگر بایں ہمہ شمع رسالت کے گرد پروانہ وار جمع ہوگئے اور سچی
شجاعت اور بے نظیر استقلال کے ساتھ مرنے مارنے پر بیعت کی انہیں مخلص جانبازوں کے
حق میں ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
(ترجمہ بیشک راضی ہوا اللہ ایمان والوں سے جب کہ بیعت کرتے تھے تیری درخت کے نیچے۔
سورۂ فتح پارہ ۲۶) قریش کو جس وقت اس بیعت الرضوان کی خبر ہوئی سُہیل ابن عمرو کو صلح
کا پیغام دیکر بھیجا۔ صلح اس بات پر منحصر تھی کہ اس سال آپ حج و عمرہ کو نہ آئیں۔ ہاں آیندہ سال
قضا کرلیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہریں اور ایک ایک تلوار کے سوا کسی کے پاس
کوئی ہتھیار نہو۔ بہت رد و بدل کے بعد آنحضرتؐ نے یہ باتیں منظور کرلیں اور حضرت علیؓ صلحنامہ
لکھنے لگے آپ نے جس وقت بزبان رسول بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تحریر فرمایا
سہیل نے کہا میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کون ہے لکھو بسمک اللھم جیسے تم لوگ مسلمان
ہونے کے پہلے لکھا کرتے تھے مسلمانوں نے کہا نہیں ہم تو بِسْمِ اللّٰهِ ہی لکھیں گے مگر نبی نے

رسول نے اس لفظی بحث کو چھوڑ کر فرمایا اے علیؓ کیا ہرج ہے بسمک اللھم لکھدو۔ بعد ازاں
یہ عبارت لکھی گئی ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ! سہیل نے پھر ٹوکا اور کہنے لگا
اگر ہم اس بات کو قبول کرتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ سے لڑتے ہی کیوں لہذا آپ
بجائے "رسول اللہ" کے "محمد ابن عبداللہ" لکھوائے خدا کے نبی حضرت علیؓ مرتضی یہ سنکر کہنے لگے
مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ میں وصف رسالت کو محو کردوں۔ آنحضرتؐ نے کمال حلم و وقار سے ارشاد
فرمایا اے علیؓ ضبط سے کام لو اور "ابن عبداللہ" ہی لکھدو۔ الغرض صلحنامہ تحریر ہوگیا اور یہ
شرطیں بھی داخل کی گئیں کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور سب لوگ امن و امان
میں رہیں جو لوگ قریش سے عہد کرنا چاہیں مسلمان اس میں دخل نہ دیں اور اسیطرح جو قبیلے
مسلمانوں سے عہد کرنا چاہیں قریش کچھ تعرض نہ کریں۔ اگر کوئی قریشی بغیر اپنے ولی کی اجازت کے
مکہ سے بھاگ کر آنحضرتؐ کے پاس چلا جاوے تو آپ اس کو اگرچہ مسلمان ہو واپس کردیں
لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا آئے تو قریش اس کو واپس نہ کرینگے یہ آخری شرط
اصحاب کو سخت ناگوار ہوئی مگر حضرت رسول خدا نے کمال دوراندیشی سے اسکو بھی منظور کرلیا
اور صحابہ سے فرمایا کہ کریم کارساز ان لوگوں کو جو مسلمان ہوگئے ہیں مگر ابھی تک قریش کے
پنجہ میں پھنسے ہیں جلد نجات دیگا اب رہی یہ بات کہ جو کوئی ادھر سے بھاگ کر قریش سے ملجائے
اور وہ اس کو واپس نہ کرینگے تو کیا ہرج ہے ایسے شخص کو جو ہمارا ساتھ چھوڑکر مرتد ہو جاوے
اس کو ہم لے کر کیا کرینگے غرض کہ صلح ہوگئی اور آنحضرتؐ نے قرار کے موافق حج و عمرہ کا ارادہ
فسخ کیا اور وہیں قربانی کی اور صحابہ کو لے کر مدینہ چلے آئے۔

یہ صلح بہت سے مسلمانوں کو جنھوں نے صرف ظاہر پر قیاس کیا سخت ناگوار ہوئی۔[له]

له سب سے زیادہ حضرت عمرؓ کو یہ صلح ناگوار تھی اس لئے کہ آپ کو خیال تھا کہ اس طرح شوکت اسلام میں خلل آجائیگا
لیکن جب صلح کے آیندہ خوشگوار نتائج آپ نے دیکھ لئے تب سمجھے کہ رسول اللہ کے فعل کی یہ مصلحت تھی بیشک
حضرت رسول خدا کے فیض صحبت کا اثر یہ تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے آتش مزاج (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

وہ سمجھے ہوئے تھی کہ قریش کا اب زور ٹوٹ چلا ہے اس لئے یہ دب کر صلح کرنا کیا معنی۔ مگر حقیقت میں یہ صلح حضرت رسولؐ خدا کی عالی ظرفی صلح پسندی اور دور اندیشی کی زبردست دلیل ہے۔ قریش کی معاندانہ کوششوں کو جو ابتک اسلام کے مٹانے میں جوش و خروش کے ساتھ ہو رہی تھیں آپنے نہایت استقلال اور شجاعت سے دفع فرمایا تھا مگر جنگ خندق کے بعد یہ ملاحظہ فرماکر کہ اب قریش میں لڑنے کی طاقت بہت کم باقی ہے آپ کو یہ امید پڑی کہ اب اگر اُن کو مسلمانوں سے ملنے جُلنے اور اسلام کے دینی اور دنیوی برکتوں پر غور کرنے کا موقع ملا تو ان کے سخت دل نرم ہو جائیں گے جہالت اور تعصب کے پردے جو آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے اُٹھ جائینگے اور اسلام کی حقیقت اور اس کے بانی کی کیفیت آئینہ ہو جائیگی۔ اسیوجہ سے آپنے مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ باوجودیکہ صحابہ کو نہایت ناگوار تھیں صلح کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی سال میں سیکڑوں قریش کے دل آپکے اوصاف حمیدہ سے متاثر ہو کر نور اسلام سے روشن ہو گئے صلح حدیبیہ کی یہی مصلحت تھی اور اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا کا اسی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرتؐ کو قریش کی طرف سے اب اطمینان ہو گیا تھا اس لئے

آنحضرتؐ کا بادشاہوں کے نام نامے روانہ کرنا ۶ھ

مدینہ پہونچکر یہ ارادہ کیا کہ وحدہٗ لاشریک خدا کے نام کی منادی اُس کی وسیع زمین کے ہر حصے میں پہونچ جائے خواہ خلق خدا مانے یا نہ مانے فرض رسالت تو ادا ہو جائے گا۔ اس زمانہ میں خسرو پرویز تاجدار ایران تھا آتش پرستی کا ہنگامہ گرم تھا اور اہرمن اور ایزد کا دور دورہ تھا اسی طرح روم مصر اور حبش میں "باپ بیٹا اور روح القدس" کی عملداری تھی اور قیصر روم مقوقس مصر اور نجاشی حبشہ صلیب کے سامنے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایسے درست ہو گئے کہ اپنے خلافت کے زمانہ میں اس خوبی کے ساتھ دوست دشمن کے ساتھ برتاؤ کیا اور ایسا عمدہ اور عادلانہ انتظام کیا کہ اسلام کو اوج کمال پر پہونچا دیا۔ کچھ شک نہیں کہ جسوقت آپنے اپنے عہد خلافت میں صلح بیت المقدس کے واسطے شام کا سفر کیا واقعہ حدیبیہ آنکھوں کے سامنے پھرتا ہوگا۔ ۱۲

بسر نیاز جھکائے تھے۔ بشیر و نذیر نبیؐ نے ان چاروں بادشاہوں کو جو لاکھوں خلق اللہ کی
جان و مال کے مالک تھے احکم الحاکمین کا فرمان بیدھڑک سنادیا یعنی نبوت کے ساتویں
سال آنحضرتؐ نے بادشاہوں کے پاس ان کی ہدایت کے واسطے نامے روانہ کئے۔ روم اور مصر
اور حبشہ کے حکمران چونکہ عیسائی اہل کتاب تھے اس لئے آپؐ نے ان کو یہ تحریر فرمایا تَعَالَوْا اِلٰی
كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ
بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ
(ترجمہ: آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں ہے کہ خدا کے سوا
کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں کوئی
کسی کو مالک نہ سمجھے پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہدو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو ایک ہی
خدا کو مانتے ہیں۔ پارۂ ۳ سورۂ آل عمران۔ ع ۷) منصف مزاج نجاشی نے جس وقت یہ تحریر
پڑھی دل نے بے اختیار گواہی دی کہ حق تو یہی ہے حضرت مسیحؑ بھی حقیقت میں توحید کی
تلقین کرتے تھے مگر دشمنوں نے آپ کی سچی تعلیم پر خاک ڈالدی۔ جس وقت یہ خیال راسخ ہو گیا
تعصب کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا حقیقت کی روشنی جلوہ گر ہو گئی صدق دل سے کلمہ طیبہ
پڑھکر تثلیث کے مثلث سے نکل اسلام کے نورانی دائرہ میں داخل ہو گیا۔ ہرقل قیصر روم اور
مقوقس مصر بھی اگرچہ قائل ہو گئے مگر حب جاہ بُری بلا ہے رسم و رواج کی پابندی قید سخت ہے
دل کی کمزوری کی وجہ سے اتنی جرأت نہ کرسکے کہ برملا تصدیق رسالت کرکے دین حق
قبول کرلیتے مقوقس نے اتنا ضرور کیا کہ آپ کے نامہ کا شائستہ جواب دیا اور تحفہ تحائف بھیجکر
اپنی دوستی کا اظہار کیا اور قیصر روم نے ایلچی کی خاطر مدارات کرکے اور نیازمندی کا اظہار
کرکے رخصت کردیا۔ مگر خسرو پرویز تاجدار ایران کے پاس جس وقت آپ کا نامہ پہونچا

۱؎ منقول ہے کہ مقوقس نے ماریہ قبطیہ کو بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں ہدیتاً بھیجا تھا۔ انہیں کے بطن سے
ابراہیم ابن رسول اللہ تولد ہوئے مگر ایام رضاعت میں آنحضرتؐ کے سامنے ہی انتقال کرگئے ۱۲

اور عنوان کی یہ عبارت من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس (یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے نام ہے) تاجدار ایران یہ سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا اور متکبرانہ لہجہ میں کہنے لگا میرے نام کے پہلے کسی دوسرے کا نام لکھنا سخت گستاخی ہے یہ کہکر بغیر اس کے کہ مضمون سُنے خط چاک کرکے پھینک دیا اور قاصد کو دربار سے نکلوا دیا اور باذان کو جو اس کی طرف سے یمن کا صوبہ دار تھا لکھا کہ کاتب کو گرفتار کرکے حضور میں بھیجدے سچ ہے جب کسی قوم کے برباد ہونے کے دن قریب آجاتے ہیں امرا اور حکام کے سر میں کبر و نخوت کا سودا سما جاتا ہے۔ فرق مراتب کا خیال بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ بات بات میں اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اپنا فخر اور عزت اس میں سمجھتے ہیں کہ لوگ ان کے سامنے غلامانہ تذلل کے ساتھ جھکے رہیں۔ حالانکہ سچی عزت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ ان کی خوبیوں سے متاثر ہوکر لوگوں کے دل خود بخود اُن کی طرف جھکیں۔ الغرض خسرو پرویز نے قاصد کو نکال دیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ رسولؐ رب العالمین نے جس وقت اس متکبر بادشاہ کی بدماغی کا حال سُنا نہایت متانت سے فرمایا قادر مطلق اسیطرح اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کرڈالے گا۔ یہ وہ پُر ہیبت جملہ تھا جس کی تصدیق میں تاریخ کے صفحات شاہان عالم کے واسطے مرقع عبرت ہیں فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔

غزوہ خیبر جمادی الآخر ۷ھ

اسلام کی یہ روز افزوں ترقی دیکھکر دشمن آپ ہی آپ جلے جاتے تھے خاصکر یہود کے

ملہ باذان نے دو سرداروں کو مدینہ بھیجا کہ آنحضرتؐ کے حالات دریافت کریں۔ جس وقت ان شخصوں کی معرفت اُس کو پورے پورے حالات آنحضرتؐ کے معلوم ہوگئے کہ آپ میں کہاں تک صدق اور خلوص ہے فوراً ایمان لایا اور اس کے ساتھ بہت سے ایرانی جو یمن میں رہتے تھے مسلمان ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے باذان کو بدستور یمن کا صوبہ قائم رکھا۔ ۱۲

حسد کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔ مدینے کے شمال و مشرق کی طرف آٹھ منزل پر ایک شاداب قطعہ زمین تھا جس میں دس مشہور اور مستحکم قلعے تھے اور اسی وجہ سے اس سرزمین کو خیبر کہتے تھے جہاں یہودی آباد تھے جن میں بنی نضیر بنی قینقاع وغیرہا یہودی بھی جو مدینے سے جلا وطن کئے گئے تھے شامل ہو گئے تھے۔ یہ سب رات دن اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی طاقت کو توڑ دیں۔ جنگ خندق کے بانی مبانی یہی فسادی تھے مگر جب اس طرح کچھ زور نہ چل سکا تو اب خود ہی دس ہزار کی جمعیت سے لڑنے کو آمادہ ہوئے اور بنی اسد اور بنی غطفان عرب کے صحرائی قبائل کو بھی اپنا حلیف کر لیا۔ اور جنگ کا سامان کرنے لگے۔ جب ان لوگوں کی آمادگی جنگ کی خبر گرم ہوئی آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ یہ ٹڈی دل مدینے کو گھیر نہ لے اس لئے چودہ سو صحابی ہمراہ لے کر خدا ہی پر بھروسہ کر کے خیبر کی طرف اس فساد کے مٹانے کے واسطے کوچ کیا۔ عبداللہ ابن ابی منافق نے پیشتر ہی سے آنحضرتؐ کی روانگی کی اطلاع یہود خیبر کو کر دی اور وہ لوگ طیار ہو کر کھلے میدان میں لڑنے کو آمادہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے اس تیزی سے منزلیں طے کیں کہ قبائل عرب یہود کی مدد کو نہ پہونچ سکے اور اس خوف سے کہ کہیں مسلمان ان کے گھروں پر حملہ نہ کر دیں پلٹ آئے۔ شب کو آنحضرتؐ نہایت ہوشیاری اور خاموشی سے کوچ کر کے اچانک قلعہ خیبر کے پھاٹک کے قریب پہونچ گئے صبح کو یہود یہ ماجرا دیکھکر متحیر ہو گئے اور مجبوراً قلعہ بند ہو گئے۔ قلعوں کی مضبوطی پر یہود کو پورا بھروسہ تھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ خیر اگر میدان میں لڑائی نہ ہوئی نہ سہی یہ مستحکم قلعے مسلمانوں سے کبھی فتح نہیں ہو سکتے محاصرے سے عاجز آ کر آپ ہی پلٹ جائینگے۔ آخر لڑائی شروع ہو گئی اور یہود نے قلعوں پر سے تیر اور پتھر برسانا شروع کئے مگر مسلمانوں کے بڑھے ہوئے جوش کو کوئی چیز مانع نہ ہوئی۔ انھوں نے حملے پر حملے کرنے شروع کئے اور آخر دو تین قلعے فتح کر لئے لیکن حصن القموص جو نہایت مستحکم اور سارے قلعوں کی ناک تھا کسی طرح سر نہ ہوتا تھا جلیل القدر اصحاب نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہے محاصرہ کو طول ہو رہا تھا آنحضرتؐ نے آخر علم حضرت علیؑ مرتضیٰ کو دیا

اور اس قلعہ کے فتح کرنے کے واسطے روانہ فرمایا۔ جناب مرتضیٰ رضؓ مسلمانوں کو ساتھ لے کر بڑھے
اُدہر سے حارث اور مرحب جو شجاعان یہود کے سرگروہ تھے ایک جماعت کثیر کے ساتھ
قلعہ سے نکلکر مسلمانوں کو روکنے کے واسطے چلے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ دونوں طرف کے
بہادر جان توڑکر لڑنے لگے۔ حضرت شیر خدا جوش و خروش کے ساتھ دلیرانہ بڑھے اور
پہلے حارث کو جس نے کئی مسلمانوں کو شہید کرکے تہلکہ مچا دیا تھا مار کر گرا دیا۔ یہ دیکھکر حارث
کا بھائی مرحب جس کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی غیظ وغضب میں بڑہا اور حضرت
علیؓ پر حملہ کیا آپنے نہایت پھرتی سے اس کی زد سے بچکر سر پر ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ چشم زدن
میں مرحب دو ٹکڑے ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ مرحب کو مار کر غضبناک شیر الٰہی صف اعدا میں گھس پڑا
یہ حیرت انگیز دلیری دیکھکر مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں اور اُنھوں نے ایک ساتھ اپنے
اولوالعزم سردار کے پیچھے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ ایک سخت معرکہ کے بعد جس میں ذوالفقار بجلی
کی طرح کبھی یہاں چمکی کبھی وہاں اور کبھی ایک دل دہلانے والے رجز کے کڑاکے کے ساتھ
زمین پر آکر پھر اُٹھ گئی میدان صاف ہو گیا۔ دشمن قلعے کے طرف بھاگے اور مسلمانوں نے
ان کا تعاقب کیا۔ اس گیر ودار میں ایک یہودی نے پلٹ کر حضرت علیؓ پر ایک تلوار ماری آپنے
وار ڈھال پر لے لیا مگر اچانک ضرب کے صدمہ سے ڈھال نیچے گر گئی جس کو ایک دوسرے یہودی
نے فوراً اٹھا لیا اور لیکر بھاگا یہ دیکھکر جرأت حیدری جوش میں آئی لپک کر قلعے کے پھاٹک
پر پہونچگئے اور زور ید اللہی سے ایک کواڑ کو مضبوط پکڑ کر زور سے ہلایا اور کھینچکر الگ پھینک دیا
اور اندر گھس گئے۔

حصن القموص کے فتح ہو جانے کے بعد یہود کا سارا غرور خاک میں مل گیا اب اُنہوں نے
نہایت عاجزی سے امن کی درخواست کی اور ذیل کی شرایط پر صلح ہو گئی:

اوّل یہ کہ تمام اہل خیبر کو جان کی امان دی جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام اہل خیبر اپنا سارا مال و اسباب بطور تاوان جنگ کے دیدیں

لیکن اگر کوئی شخص اپنا مال چھپا رکھے تو اس سے جان اور اہل وعیال کے امن کا معاہدہ قائم نہ رہیگا
تیسرے یہ کہ تمام زمین خیبر کی ان کی ملکیت نہ رہے گی مگر وہ اپنے گھروں میں آباد رہینگے
اور زمینوں پر بھی قابض رہینگے اور پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج دیا کرینگے لیکن بعد کو اگر
یہ لوگ پھر بدعہدی کریں تو آنحضرت کو اختیار ہوگا کہ ان کو جلاوطن فرمائیں۔

صلح کے بعد بھی آنحضرت خیبر ہی میں تھے کہ ایک یہودن زینب بنت حارث مرحب کی بھتیجی نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپنے ایک ہی لقمہ کھایا تھا کہ ہاتھ کھینچ لیا اور زہر اپنا فوری اثر کرنے نہ پایا مگر رفتہ رفتہ سرایت کرتا گیا اور چوتھے برس مرض الموت کا باعث ہوا۔ یہودن نے اگرچہ جان لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر کریم النفس نبیؐ کو اپنے ذاتی آزار کا بدلہ لینا گوارا نہ ہوا۔ اور مہمان کش زینب کو چھوڑ دیا۔[۲]

---

[۱] کنانہ بن ابی الحقیق نے دغابازی کرکے نہایت بیش قیمت مال چھپا رکھا جو تلاش کے بعد ملا لہذا وہ مارا گیا اور اس کے اہل وعیال قید ہوگئے حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی صفیہ جو کنانہ کے نکاح میں تھیں قید ہو کر آئیں۔ چونکہ یہ ایک بہت معزز اور شریف خاتون تھیں اور حضرت ہارونؑ کی اولاد میں تھیں اس لئے آنحضرتؐ نے حضرت صفیہ کو جس وقت وہ ایمان لائیں آزاد کرکے عقد کر لیا۔ یہ سلسلہ برادری قائم ہونے سے یہود کی مخالفت میں کمی ہوگئی یہی مصلحت تھی جس کے سبب سے اسی سال آنحضرتؐ نے ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ سے جو مسلمان ہو کر حبشہ میں ہجرت کر گئیں تھیں اور وہاں بیوہ ہوگئی تھیں عقد کر لیا جس کے سبب سے ابوسفیان کی مخالفت کا زور کم ہوگیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ نے متعدد شادیاں کیں۔ حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت صفیہ کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت میمونہؓ بنت الحارث بھی آپکے عقد نکاح میں آئیں۔ ۱۲

[۲] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۳۔ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۷۰۔ اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ نے زینب کو چھوڑ دیا تھا مگر جس وقت بشیر بن براءؓ آپکے ایک صحابی جو اس دعوت میں شریک تھے زہر کے اثر سے وہیں خیبر میں مرگئے تب زینب بطور قصاص ایک مسلمان کے قتل ہوئی۔ (کذا فی المدارج جلد دوم صفحہ ۲۳۵) مگر یہ روایت مستند نہیں ہے۔ ۱۲

الغرض آنحضرتؐ صحابہ کے ساتھ خیبر سے مظفر و منصور روانہ ہوئے راہ میں وادی القری فدک اور تیما کے یہودیوں نے بھی خیبر والوں کی شکست سے متنبہ ہو کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا اور بطور ذمیوں کے رہنے لگے۔

عمرۃ القضا ذیقعدہ ۷؁ھ

مدینہ پہونچکر اسی سال ذیقعدہ کی پہلی تاریخ آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ کے موافق دو ہزار صحابہ کے ساتھ عمرۃ القضا ادا کرنے کے واسطے مکہ کی طرف کوچ کیا۔ قریش نے معاہدہ کے موافق اب کچھ تعرض نہ کیا اور سب کے سب اپنے گھروں سے نکل کر جبل ابوقبیس پر جہاں سے مکہ کا پورا سین نظر آتا تھا چڑھ گئے۔ مہاجرین اور انصار اپنے ہر دلعزیز رسول کے ساتھ خوشی خوشی مکہ میں داخل ہوئے اور مناسک حج ادا کرنے لگے۔ قریش دور سے مسلمانوں کے ذوق شوق اور آداب زیارت کو دیکھ دیکھکر دل ہی دل میں متاثر ہو رہے تھے پھر جس وقت تین دن کے بعد آنحضرتؐ اپنے قول کے موافق تمام صحابہ کو ساتھ لیکر شہر خالی کر کے مدینہ روانہ ہوئے قریشیوں کے دل پر آپ کی شان دلربائی کا ایسا مقناطیسی اثر پڑا کہ ان میں سے بہت آدمی مدینہ کھنچ آئے اور شرف اسلام سے مشرف ہوئے کیوں نہیں ؎

نہ دل دامنِ دستاں می کشد
کہ عشقش گریبان جاں می کشد

لہ اس مابین میں قبائل عرب کی شورش دفع کرنے کی غرض سے چند سرایا روانہ کئے گئے جن میں خفیف لڑائیاں ہوئیں۔ وہ سرایا حسب ذیل ہیں: سریہ حضرت ابوبکرؓ شعبان ۷؁ھ میں بنی کلاب کی طرف۔ یہ سریہ روانہ ہوا۔ خفیف لڑائی ہوئی۔ کچھ آدمی مرے کچھ قید ہوئے۔ سریہ تربہ حضرت عمرؓ تیس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے مگر دشمن بھاگ گئے۔ کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ سریہ اسامہ بن زیدؓ۔ یہ سریہ حرقہ کی طرف روانہ ہوا لڑائی نہیں ہوئی۔ صرف ایک شخص ملا جس پر اسامہؓ نے تلوار چلائی۔ اس نے کلمہ پڑھا۔ یہ سمجھے کہ اس وقت کا ایمان قبول نہیں۔ اس کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرتؐ نے یہ سنکر اسامہؓ پر نہایت خفگی ظاہر فرمائی۔ ۱۲

قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید کو جس نے جنگ احد میں مسلمانوں کو فنا کر دینے میں کچھ کسر باقی نہ رکھی تھی، عثمان بن ابی طلحہ جس کے پاس خانۂ کعبہ کی کنجیاں رہتی تھیں اور عمرو بن العاص جو قریش کا عجیب و غریب چلتا پرزہ تھا ان تینوں بزرگوں کو جذبۂ صادق مدینہ کھینچ لایا اور شرف اسلام سے فائز کر دیا۔

سریہ مُوتہ جمادی الاول ۸ھ

آنحضرتؐ نے ان چار بادشاہوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یمامہ، بحرین، عمان وغیرہا صوبجات عرب کے مختلف فرمان رواؤں کے نام بھی ہدایت نامے ارسال فرمائے تھے ان میں سے شاہ عمان نے اسلام قبول کر لیا۔ باقی حاکموں نے قاصدوں کو واپس کر دیا۔ صرف ایک قاصد حارث ازدی جو حاکم بصریٰ کے پاس بھیجا گیا تھا مُوتہ کے مقام پر جو شام کے علاقہ میں ہے غسان کے سردار شرجیل کے ہاتھ سے بلا لحاظ اس کے کہ قاصدوں سے کبھی کسی حاکم نے تعرض نہیں کیا مارا گیا۔ بے گناہ حارث کی شہادت کی خبر جب مدینہ میں پہونچی اہل اسلام اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کو کمربستہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے تین ہزار مسلمانوں کو جن میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی شامل تھے بسرکردگی حضرت زیدؓ بن حارثہ غسانیوں کی طرف روانہ فرمایا۔ حاکم غسان بجائے اس کے کہ تلافی مافات کرتا اپنے قرب و جوار کے عیسائی قبائل عرب کو جمع کر لایا اور قیصر روم کو لکھ کر رومیوں کے چند دستے بلوا کر ایک قہار فوج کے ساتھ مقابلہ کو روانہ ہوا۔ مسلمانوں نے اس زبردست فوج کے مقابلہ میں نہایت دلیری سے صف بندی کی اور ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔ دشمن کی فوج کثیر التعداد ہونیکے علاوہ فن جنگ میں بھی اعلیٰ قابلیت رکھتی تھی کیونکہ ان میں رومیوں کی شاہی فوج کا ایک حصہ بھی شامل تھا جس نے ابھی ابھی ایران کی ایسی زبردست سلطنت کو تہ و بالا کر دیا تھا یہ سب کچھ تھا مگر شجاعان اسلام کسی سے دبنے والے نہ تھے سردار لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ

ل منقول ہے کہ دشمنوں کی مجموعی تعداد قریب ایک لاکھ کے پہونچ گئی تھی۔ ۱۲

جو سابقین اولین میں سے تھے مسلمانوں کو جوش دلاتے ہوئے بڑھے اور خود بھی میدان میں نکل پڑے اور سخت لڑائی کے بعد شجاعت کی پوری داد دیکر شہید ہو گئے یہ دیکھکر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے عَلَم اسلام اٹھالیا اور نہایت دلیری سے دشمنوں پر حملہ پر حملہ کرنا شروع کیا۔ آخر اعدا کے نرغہ میں آگئے اور چاروں طرف کے تیر اور نیزوں سے سخت زخمی ہو گئے اور داہنا ہاتھ تلوار سے جدا ہو گیا آپ نے جلدی سے عَلَم دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا مگر جب وہ بھی الگ ہو گیا اپنے دونوں بازوؤں کو ملا کر عَلَم کو سینے سے لگا لیا یہاں تک کہ کمر پر تلوار کے ایک کاری زخم لگنے سے روح مبارک پرواز کر کے اعلیٰ علیین کو پہونچی۔ یہ دیکھکر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بیتابانہ بڑھے اور جلدی سے عَلَم اسلام اٹھالیا اور زور شور سے کافروں پر حملہ کیا اور بہتوں کو مار کر آخر خود بھی شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے اب قدم ڈگمگا گئے اور میدان سے پیچھے ہٹتے ہی تھے کہ حضرت خالدؓ بن ولید جھلا کر آگے بڑھے اور عَلَم اسلام بلند کر کے مسلمانوں کو ہمت دلا کر غیظ و غضب میں دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور اپنی جرأت اور شجاعت کے جوہر دکھانے لگے اُس دن نو تلواریں اس دلاور سردار کے ہاتھ سے ٹوٹیں یہاں تک کہ دشمنوں پر رعب چھا گیا مگر رومیوں نے میدان نہ چھوڑا آخر رات کی تاریکی نے دونوں فوجوں کو دم لینے کی مہلت دی۔ علی الصباح فنِ جنگ کے ماہر حضرت خالدؓ نے لشکر آراستہ کرتے وقت صفوں کی ترتیب کو بالکل پلٹ دیا یعنی کل جو لوگ آگے لڑ رہے تھے اُن کو پیچھے بھیجدیا اور پیچھے والوں کو آگے اس طرح صفوں کو ایسی صورت سے جمایا کہ دشمنوں کو یہ معلوم ہوا کہ شاید کوئی تازہ دم فوج ان کی مدد کو آگئی۔ صفوں کو درست کر کے حضرت خالدؓ شیر غراں کی طرح دشمنوں پر جھپٹے اور جان توڑ کر لڑنے لگے۔ کفار گزشتہ جنگ کا ہولناک کشت و خوں دیکھکر مرعوب ہو گئے تھے اب مسلمانوں کی مدد پہونچ جانے کے ذہنی خیال اور حضرت خالدؓ کے قیامت خیز حملوں سے خائف ہو گئے اور بے اختیار میدان سے بھاگے۔ حضرت خالدؓ نے نہایت دور اندیشی سے تعاقب مناسب نہ جانا اور میدان جیت لینا

اور اسلام کی دھاک بٹھا دینا کافی سمجھکر باقی ماندہ مسلمانوں کو جو اس ہولناک معرکہ میں شہادت
سے بچ گئے تھے ساتھ لیکر آنحضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور اپنی یادگار جانفشانی
کے صلہ میں سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔

غزوہ فتح مکہ رمضان ۸ھ

آنحضرت کو قریش مکہ کی طرف سے اطمینان ہوگیا تھا کہ صلح حدیبیہ کے
موافق دس برس تک چین سے بیٹھنے دینگے اور کچھ فساد نہ کرینگے مگر
دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ قریش نے عہدشکنی کی۔ من جملہ
شرائط معاہدہ حدیبیہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قومیں چاہیں اس معاہدہ میں آنحضرت کے
ساتھ شامل ہو جائیں اور جو قومیں چاہیں قریش سے مل جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ آنحضرت کے
ساتھ اور بنو بکر قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوگئے۔ یہ دونوں قبیلے مدت سے
ایک دوسرے کے دشمن تھے اور آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنو بکر نے موقع پاکر اپنے
قدیم دشمن پر حملہ کرنا چاہا۔ قریش نے چپکے چپکے ہتھیاروں سے مدد کی اور ایک جماعت نے
جس میں عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن اُمیہ سرداران قریش شامل تھے اپنے چہروں
کو نقابوں سے چھپا کر بنو بکر کے ساتھ ہو کر بنو خزاعہ پر چھاپہ مارا اور اُن کے بہت آدمی
جان سے مار ڈالے۔ بنو خزاعہ سخت نقصان اٹھا کر بھاگے اور حرم کعبہ میں جہاں مشرکین
عرب بھی کشت و خوں حرام سمجھتے تھے پناہ لی۔ نوفل سردار بنو بکر نے وہاں بھی ان کا
پیچھا نہ چھوڑا اور کہنے لگا "آج کے دن خدا کوئی چیز نہیں ہم کو بدلہ لینا چاہئے" ناچار
بنو خزاعہ نے بُدیل بن ورقہ کی پناہ لی اور اپنے ایک سردار عمرو بن سالم کو چالیس
آدمیوں کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں یہ سانحہ عرض کرنے اور مدد طلب کرنے کے
واسطے بھیجا۔ جس وقت بنو بکر کے ظلم و ستم اور قریش کی عہدشکنی اور فساد کی اطلاع آنحضرت
کو ہوئی آپ اپنے ہم عہدوں کی اعانت کے واسطے آمادہ ہوگئے۔ اُدھر قریش عہدشکنی
تو کر بیٹھے مگر معاً یہ اندیشہ ہوا کہ آنحضرت کو خبر پہونچے گی تو آپ ضرور اس کا بدلہ لینگے۔ پس

ابو سفیان معذرت اور دوبارہ عہد کرنے کو مدینہ میں آیا۔ مگر ان فسادیوں سے جنہوں نے عہد شکنی کو کھیل سمجھ لیا تھا معذرت قبول کر کے جدید معاہدہ کرنا خاصکر ایسی حالت میں جبکہ بنو بکر کے ساتھ ہو کر انہوں نے بنو خزاعہ کے بہت لوگوں کو قتل کر دیا تھا اور اُن پر بے انتہا زیادتی کی تھی بالکل خلاف تھا۔ اس لئے ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو آنحضرت مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی اُن قوموں کو جو مسلمان ہو گئیں یا مسلمانوں کی حلیف تھیں ساتھ لیکر بارہ ہزار کی جمعیت سے مکہ کی طرف کوچ فرمایا اور سخت ناکہ بندی کر دی کہ قریش کو خبر نہ ہو۔ مرالظہران میں جہاں سے مکہ چار فرسنگ رہجاتا تھا پہونچکر آنحضرت نے حکم دیا کہ شب کو ہر شخص اپنے اپنے سامنے الاؤ روشن کر کے بیٹھے تاکہ قریش یہ نظارہ دیکھکر مرعوب ہو جائیں اور جنگ سے باز آئیں۔ اس شب کو ابو سفیان وہ اور سرداران قریش کو لیکر مکہ سے نکلا تاکہ لشکر اسلام کی خبر لائے۔ جس وقت ان لوگوں کو ٹیلہ پر سے مرالظہران کا لق ودق میدان ایک عظیم الشان دریائے آتشین نظر آیا آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُسی شب کو حضرت عباسؓ عم رسول اللہ مکہ کی راہ پر چلے تاکہ اگر کوئی قریشی ملجائے تو اس کو سمجھا دیں کہ اب بھی غنیمت ہے قریش امن کے طالب ہوں ورنہ اپنے ہاتھوں آپ تباہ ہو جائینگے۔ جس وقت آپ اس ٹیلہ کے قریب پہونچے ابو سفیان کی آواز پہچانکر پکارا۔ ابو سفیان قریب آیا اور گھبرا کر کہنے لگا اب کیا کیا جائے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ چنانچہ آپنے اُس کو اپنے خچر پر بٹھالیا۔ صبح کو ابو سفیان نے حضرت عباسؓ کے سمجھانے بجھانے سے آنحضرت کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ آپنے اُس کو امان دی اور ارشاد فرمایا کہ مکہ میں جا کر اعلان کر دے کہ جو کوئی شخص تیرے گھر میں پناہ لے یا اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے یا حرم کعبہ میں پناہ لے یا ہتھیار ڈالکر کچھ تعرض نہ کرے ان سب کو امان دی جاتی ہے باستثنائے نو آدمیوں کے جو واجب القتل ہیں (ان نو

آدمیوں کا مفصل حال بعد کو تحریر ہوگا)

الغرض لشکر اسلام وہاں سے نہایت کروفر کے ساتھ روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے جس وقت رفیقوں کو اس شان و شوکت کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا وہ وقت یاد کیا جب آٹھ برس پیشتر اسی شہر سے موذیوں کے پنجے سے بچ کر نہایت بے بسی سے اپنی جان لیکر نکلے تھے اور تین دن تنگ و تاریک غار ثور میں سخت مصیبت کی گھڑیاں کاٹتے رہے تھے اس بیکسی کی حالت کو اس خداداد شوکت سے مقابلہ کرکے آپ بہت متاثر ہوئے اور نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ قادر مطلق کی درگاہ پاک میں سر نیاز خم کرکے سجدۂ شکر بجالائے اور حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل پڑھتے ہوئے بڑھے اور فوج کے کئی حصہ کرکے مکہ کو چار طرف سے گھیر کے داخل ہونے لگے۔ قریش مقابلہ بے سود سمجھکر اپنے دروازے بند کرکے بیٹھ رہے مگر بانی فساد عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہما قبیلہ بنو بکر اور جوانان قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر نکلے اور خندمہ کے مقام پر جدہر سے حضرت خالدؓ بن ولید ایک ہزار سواروں کے ساتھ داخل ہورہے تھے سرراہ آنکر مقابلہ شروع کردیا۔ حضرت خالدؓ نے غصہ میں آکر تلوار نکال لی اور لڑائی شروع ہوگئی دو مسلمان اور اٹھائیس آدمی بنو بکر اور قریش کے مارے گئے۔ آخر دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعضے غاروں اور دروں میں چھپ رہے اور بعضے اپنے گھر بھاگ آئے اور دروازہ بند کرکے بیٹھ رہے۔ پھر کسی گروہ سے مقابلہ نہیں ہوا اور آنحضرتؐ لشکر اسلام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگئے اور پہلے بیت اللہ کی طرف چلے جس کو اس کے بانی حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کے برخلاف مشرکین نے "بیت الصنم" بنا رکھا تھا۔ اب وہ وقت آگیا کہ بیت اللہ ان نجاستوں سے پاک ہوجائے اور ہمیشہ کے واسطے اس وحدہٗ لاشریک خدا کی عبادت کے واسطے جو مکان اور جہت سے منزہ اور فہم و ادراک سے اعلیٰ اور ارفع ہے مخصوص کردیا جائے شرک جلی اور خفی کا مٹانے والا توحید کامل کا تعلیم دینے والا نبی امی بڑھا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی پرہیبت صدا گونجنے لگی اور عظمت و جلال خداوندی کے زلزلہ سے وہ سب

جو کبھی خود مسجود تھے اب سچے معبود کے سامنے منہ کے بل آ رہے اور چشم زدن میں نسیاً منسیاً ہوگئے۔

جس وقت کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے آنحضرتؐ باہر تشریف لائے آپنے دیکھا کہ قریش مکہ اس خیال سے کہ دیکھیں اب ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور ہمارا ظلم وستم اور فتنہ فساد کیا روز بد دکھاتا ہے گنہگاروں کی طرح سر جھکائے کھڑے ہیں۔ آپنے ارشاد فرمایا۔ "لوگو تمھارا کیا خیال ہے کہ تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا"۔ اعیان قریش نے نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ "اے نیک برادر ہم تیرے بس میں ہیں"۔ نبی کریم نے اُن تمام اذیتوں سے جو ان ناقدروں کے ہاتھ محض انھیں کی فلاح دارین کے واسطے سہی تھیں درگذر فرما کر کمال رافت اور ترحم سے آبدیدہ ہوکر ارشاد فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین یعنی آج تم پر کچھ الزام اور ملامت نہیں خدا تم کو معاف کرتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنے والا ہے اذھبوا انتم الطلقاء جاؤ میں نے تم سب کو چھوڑ دیا۔ بعد ازاں آپنے خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد وثنا کے بعد دیر تک وعظ اور نصیحت فرماتے رہے اور تقوی اور پرہیزگاری کی تلقین فرمائی۔ قریش ان نصائح کو ہجرت کے پیشتر بھی سُنا کرتے تھے مگر تعصب اور جہالت کبر ونخوت کی وجہ سے کبھی توجہ نہ کی اب جبکہ ناصح مشفق کی تنبیہت دیکھ لی حجاب ظلمت اُٹھ گیا سخت دل نرم ہوگئے اور نماز ظہر کے بعد جب آنحضرتؐ کوہ صفا پر تشریف فرما ہوئے۔ جوق جوق خدمت اقدس میں حاضر ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے مردوں کے بعد زنان قریش جن میں ہند زوجہ ابوسفیان بھی شامل تھی حاضر ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کی توہین کرنے والی ہند کی خطا معاف فرمائی اور ان سب کو اسلام کی تلقین کی۔

وہ نو آدمی جن کے قتل کا آنحضرتؐ نے مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر اعلان کیا تھا ان میں سے ایک عبد اللہ بن ابی سرح تھا یہ شخص پہلے مسلمان ہوگیا تھا اور وحی کی

کتابت کیا کرتا تھا مگر اپنی خباثت سے الفاظ بدل دیا کرتا تھا جس وقت اس کی یہ چالاکی آنحضرتؐ کو ظاہر ہوگئی عبداللہ مدینے سے بھاگا اور مکہ میں آکر مرتد ہوگیا۔ اب جبکہ اس کے قتل کا اعلان ہوچکا اپنی جان بچانے کے لئے حضرت عثمانؓ کے پاس جو اس کے رضاعی بھائی تھے چھپ رہا۔ حضرت عثمانؓ نے حق رضاعت کے خیال سے اس کو حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر کیا اور یہاں تک منت سماجت کی کہ رسول اللہ نے اس کی جاں بخشی کردی۔

دوسرا شخص عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ اس نے ہر معرکہ میں قریش کے ساتھ ہوکر مسلمانوں کو بہت ستایا تھا اور اسلام کے مٹانے کی کوشش میں اپنے باپ ابی جہل سے کچھ کم نہ تھا۔ بنوخزاعہ پر اسی نے قریش کی طرف سے چھاپہ مار کر عہد شکنی کی تھی۔ فتح مکہ کے دن حضرت خالدؓ سے شکست کھاکر بھاگا۔ ام حکیم اس کی بیوی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ایمان لاکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے شوہر پر رحم کیجئے اور اس کو جان کی امان دیجئے کہ میں اسکو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں۔ آپنے اسکی استدعا کو قبول فرمایا۔ عکرمہ نے جس وقت اپنی بیوی سے یہ حال سُنا آنحضرتؐ کے عفو و کرم نے متحیر ہوکر دل سے تصدیق رسالت کرتے ہوئے خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور مخلص محبوں میں داخل ہوکر مرتے دم تک نہایت پاکبازی سے بسر کر کے اسلام کی خدمت میں سرگرم رہے۔ سبحان اللہ ابوجہل کا بیٹا اور ایسا صاحب ایمان یہ صرف فیض صحبت نبویؐ کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ کیوں نہیں ؎

کمالِ ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

تیسرا شخص ہبّار بن الاسود تھا جس نے رسول اللہ کی بیٹی حضرت زینبؓ زوجہ ابوالعاص کو جبکہ وہ جنگ بدر کے بعد مکہ سے مدینہ آرہی تھیں شہید کر ڈالا تھا فتح مکہ کے دن یہ شخص چھپ رہا مگر بعد کو آنحضرتؐ کی خدمت میں یکایک کلمہ پڑھتا ہوا حاضر ہوا اور کہنے لگا

یا رسول اللہ میں اب بہت شرمسار ہوں آپ مجھے معاف فرمائیں۔ کریم النفس نبیؐ نے سر بار جھکا لیا اور فرمایا میں نے تجھکو معاف کیا اب تو کیوں شرمندہ ہے اسلام سب پہلے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

چوتھا شخص ابن خطل اور پانچواں مقیس بن صبابہ چھٹا الحارث بن نفیل تھا۔ اول کے دونوں شخص مرتد ہو کر مدینے سے بھاگ آئے تھے ابن خطل نے ایک مسلمان غلام کو مار ڈالا تھا اور مقیس نے ایک انصاری کو۔ الحارث بھی مجرموں میں تھا۔ یہ تینوں آدمی ایمان نہیں لائے اور مسلمانوں نے ان کا پتہ لگا کر قتل کر ڈالا۔

ساتویں آٹھویں اور نویں تین عورتیں تھیں جنہوں نے خون کیا تھا ایک سارہ مولاۃ بنی عبدالمطلب اور دو ابن خطل مقتول کی گانے والی لونڈیاں۔ سارہ اور ایک لونڈی حاضر ہوگئیں اور ایمان لا کر بچ گئیں مگر دوسری لونڈی نے اسلام قبول نہ کیا اور مسلمانوں نے اس کا پتہ لگا کر قصاص میں مار ڈالا[۱]۔

مکہ فتح ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے اسی مہینہ میں عزیٰ سواع اور منات تین مشہور بتوں کو جن کی پرستش کرنے والے اب مسلمان ہوتے جاتے تھے تڑوا دیا اور بت پرستی کے زہریلے ریشہ کو اکھاڑ کر حق پرستی کے کھیت کو ہرا بھرا کر دیا۔ بعد ازاں مختلف قبیلوں میں صحابہ کو وعظ اور نصیحت کے لئے بھیجا قبائل عرب جو ابتک قریش مکہ کے انجام کے منتظر تھے حق کی فتح دیکھکر

[۱] مرحوم سرسید تفسیر القرآن جلد چہارم سورۂ توبہ صفحہ ۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں "الحارث اور ان دونوں گانے والیوں میں سے ایک گانے والی کے مارے جانے کی وجہ ہم کو معلوم نہ ہوئی۔ بعض علماء سے میں نے سنا کہ ان دونوں کو بعوض کسی خون کے قصاصاً مار ڈالا، الاہم کو کہیں اس کی تصریح نہ ملی مگر یقین ہے کہ ان دونوں پر کوئی ایسا جرم تھا کہ جس کی سزا بجز قتل کے اور کچھ نہ تھی خصوصاً ان دو گانے والیوں میں سے ایک کے مارے جانے کی ضرور کوئی ایسی وجہ ہوگی جس سے اس کا قتل کرنا لازمی ہوگا کیونکہ آنحضرتؐ کی ہمیشہ یہ ہدایت تھی کہ کوئی عورت بجز قصاص کے اور کسی طرح پر نہ ماری جائے۔"

جوق جوق مسلمان ہونے لگے اور صحابہ نے دین حق کی اشاعت میں نہایت نرمی اور سہولت سے کام کیا۔ صرف حضرت خالد نے نافہمی سے ایک قبیلہ پر بہت زیادتی کی جسکی تفصیل یہ ہے:۔

سریہ خالد بن ولید شوال ۸ھ

جس وقت حضرت خالد اپنی جماعت کے ساتھ قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف جن میں اسلام پھیل چلا تھا گئے وہ لوگ اس خیال سے کہ کسی دشمن نے حملہ کیا ہے ہتھیار لے کر نکلے مگر جس وقت انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا رک گئے۔ حضرت خالد نے پوچھا تم مسلح ہو کر کیوں آئے انہوں نے وجہ بیان کی۔ خالد نے کہا اچھا ہتھیار ڈالدو۔ انہوں نے ہتھیار ڈالدیئے پھر انسے پوچھا کیا تم مسلمان ہوگئے ہو انہوں نے بجائے اس کے کہ "اسلمنا" یعنی ہم مسلمان ہوگئے ہیں "صبانا" یعنی ہم بے دین ہوگئے ہیں کہا۔ اس کہنے سے ان کا یہ مطلب تھا کہ ہم نے اپنا پہلا مذہب بت پرستی چھوڑ دیا۔ لیکن اس زمانہ میں جب کوئی مسلمان اس لفظ کو کہتا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا کہ ہم کافر ہوگئے۔ آتش مزاج خالد نے جن کو ابھی مسلمان ہوئے دو برس بھی نہیں ہوئے تھے یہ سنکر حکم دیا کہ ان سب کو قید کرلو اور صبح کو ان کے قتل کا حکم دیا۔ مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ وہاں تھے انہوں نے خالد کے اس بیجا حکم کو نہ سنا اور اپنے قیدیوں کو چھوڑ دیا مگر بنو سلیم نے جو حال میں مسلمان ہوئے تھے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ جس وقت آنحضرت نے یہ حال سنا خالد پر نہایت غصہ ہوئے اور چلا کر کہا۔ "خداوندا جو کچھ خالد نے کیا میں اس سے بالکل بری ہوں" یہ کہکر آپنے فوراً حضرت علیؓ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا ان کے مقتولوں کی دیت ادا کی اور ان کے آنسو پونچھنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

غزوہ حنین شوال ۸ھ

مکہ فتح ہوجانے سے قریش کا اگرچہ فتنہ دفع ہوگیا اور بہت سے قبائل عرب بھی جو قریش کے انجام کے

منتظر تھے مطیع ہو گئے مگر ہوازن اور ثقیف کے دو مشور بدوی قبیلے جن کی سرحد مکہ سے ملی ہوئی تھی مخالفت کو اُٹھ کھڑے ہوئے - یہ قبیلے بڑے جری اور جنگجو تھے۔ طایف کی سرسبز اور شاداب اراضی ان کے قبضہ میں تھی جس کی سبب سے نشۂ دولت سے مست ہو کر کسی کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ فتح مکہ کی خبر سُنکر کہنے لگے کہ محمدؐ نے ایسی قوم پر فتح پائی جس کو فن جنگ کی مہارت نہ تھی - اب قبل اس کے کہ ہمارے معاملات میں دخل دیا جائے ہم خود ہی پیش قدمی کر کے اسلام کا زور توڑے دیتے ہیں - الغرض ہوازن اور بنی ثقیف نے اکٹھا ہو کر اور اپنے ہم سوگند مختلف قبائل بنی مضر بنی ہلال وغیرہا کو ساتھ لیکر چار ہزار کی جمعیت سے بسرکردگی مالک بن عوف نضری مکہ کی طرف کوچ کیا - ان لوگوں نے اپنے اہل و عیال اور اپنا سارا مال و اسباب اور مویشی ہمراہ لے لئے تاکہ بمصداق " مال عرب پیش عرب " بے فکر ہو کر مقابلہ کیا جائے - اوطاس کے مقام پر جو ایک نہایت محفوظ تنگ اور پتھریلی جگہ ہے لشکر نے قیام کیا۔ آنحضرتؐ نے اس شورش کی خبر سُنکر بارہ ہزار کی جمعیت سے ۶ شوال کو مکہ سے اوطاس کی طرف کوچ کیا دشمن نے پیشتر ہی سے وادی حنین پر جو مکہ سے شمال و مشرق کی طرف دس میل کے فاصلہ پر ہے نہایت تیزی سے بڑھ کر قبضہ کر لیا تھا اور ناکہ پر جو ایک تنگ اور دشوار گزار درہ تھا گھات لگا کر چھپ رہا - اہل اسلام اپنی کثرت اور دشمن کی قلت سے مطمئن تھے کہ فتح آسانی سے حاصل ہو جائیگی۔ اس لئے نہایت بے فکری سے بڑھے آتے تھے۔ آنحضرتؐ نے وادی حنین کے قریب پہونچکر لشکر کو کئی حصوں میں ترتیب دیا اور ایک ایک گروہ آگے پیچھے درہ سے گذرنے لگا سب سے پہلے حضرت خالدؓ قبیلہ بنو سلیم کو لئے ہوئے درہ میں داخل ہوئے کہ یکایک ہوازن کے کماندار اپنی اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑے اور ایک ساتھ چاروں طرف سے تیروں کی بوچھار کردی اور ایسی تیز دستی اور قدر اندازی دکھائی کہ لشکر خالد جس میں بکثرت وہی لوگ تھے جو حال میں مسلمان

لہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا (سورہ توبہ رکوع ۱۰)

ہوئے تھے منتشر ہو گیا، اور نہایت بدحواسی سے بھاگا۔ مسلمانوں کے گروہ جو آگے پیچھے آ رہے تھے ان لوگوں کا یہ حال دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور نہایت بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے۔ اور ہوازن تیر مارتے ہوئے بڑھے لشکر میں عجب تہلکہ مچ گیا اور ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر جوش شجاعت میں اپنے اشتر کو تیز کیا اور انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب کا رجز پڑھتے ہوئے کفار پر حملہ کرنے کو بڑھے مگر حضرت عباسؓ آپ کے چچا نے فوراً رکاب تھام لی۔ تب آپ نے فرمایا کہ میرے جانباز مہاجر اور وفا شعار انصار کو پکارو۔ حضرت عباسؓ نے نہایت بلند آواز سے پکارنا شروع کیا "اے گروہ انصار اے بیعت رضوان کرنے والو۔ اے سورۂ بقر پر ایمان لانے والو ادھر آؤ" اصحاب نبی فوراً "لبیک لبیک" کہتے ہوئے دوڑے اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رسول کے گرد جمع ہو گئے اور تلواریں سونت کر دشمنوں پر جنہوں نے تیروں کی بوچھار کر دی تھی زور شور کے ساتھ برس پڑے اور ایک ہی حملہ میں حریف کی ساری تیز دستی اور قدر اندازی کو آب شمشیر سے دھو کر اپنی خداداد شجاعت کے جوہر دکھا دئے۔ آخر ہوازن بھاگے اور مسلمانوں نے درہ میں گھس کر ایک سخت مقابلہ کے بعد دشمنوں کو پراگندہ کر دیا جن میں سے ایک گروہ اپنے سردار مالک بن عوف کے ساتھ طائف کے مستحکم قلعہ کی طرف بھاگا اور دوسرا گروہ اوطاس کی طرف اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو بچانے کو دوڑا۔ آنحضرتؐ نے فوراً ابو عامرؓ اشعری کو کچھ فوج دیکر مفرورین کے تعاقب میں اوطاس کی طرف بھیجا۔ ہوازن نے پھر جم کر مقابلہ کیا اور ایک خونخوار معرکہ کے بعد جس میں حضرت ابو عامرؓ شہید ہو گئے مسلمانوں نے فتح پائی اور دشمنوں کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب پر قبضہ کر لیا۔ خود آنحضرتؐ بہ نفس نفیس طائف کی طرف بڑھے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ والے اپنے اہل و عیال اور سارا مال و اسباب کھو کر اب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے کہ اسی اثنا میں طفیل بن عمرو دوسی جن کو آنحضرتؐ نے ذو الکفین کے بتخانہ کو توڑنے کے واسطے

بھیجا تھا چار سو آدمیوں کے ساتھ آلات قلعہ کشائی منجنیق اور دبابہ لیکر خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت رسول خدا نے اس خیال سے کہ اہل طائف اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کھو بیٹھنے اور اتنی مصیبتیں اٹھانے کے بعد خود ہی مطیع ہو جائینگے (چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ بعد کو بیان ہوگا) شوال کی آخری تاریخ کو محاصرہ اٹھالیا۔ اور مقام جعرانہ میں جہاں حنین اور اوطاس کے غنائم جمع کئے گئے تھے تشریف لائے چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ[1] چاندی علاوہ قیدیوں کے غنیمت میں ہاتھ آئی تھی۔ آنحضرت نے اس خیال سے کہ مہاجرین اور انصار دولت ایمان سے مالا مال ہیں اس لئے قریش کو جن میں نومسلم تھے اور بعض ایمان نہیں لائے تھے مگر اس جنگ میں قومی حمیت کے لحاظ سے آنحضرت کے شریک ہوگئے تھے تالیف قلوب کی غرض سے مال غنیمت سے بڑے بڑے حصے دیئے

قیدیوں کی رہائی

اس مابین میں ہوازن نے اپنے چند سرداروں کو آنحضرت کی خدمت میں اسی جعرانہ کے مقام پر روانہ کیا اور اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی حالت پر رحم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جس قدر قیدی میرے اور میرے خاندان بنی عبد المطلب کے حصہ میں آئے ہیں اُن سب کو میں بخوشی چھوڑ دونگا۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ اب میرے ساتھ کن کن طبیعتوں کے لوگ ہیں اگر صرف مہاجر و انصار ہوتے تو وہ میرے قدم بہ قدم چلتے۔ اس لئے بہتر ہے کہ کل علی الصباح نماز فجر کے بعد مجمع عام میں تم اپنی درخواست پیش کرنا اُس وقت کوئی صورت نکل آئیگی۔ دوسرے دن نماز فجر کے بعد سرداران ہوازن نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے واسطے عرض کیا۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے اور بنی عبد المطلب کے حصہ کے قیدی تم کو بلا کسی معاوضت کے بخشدیئے۔ نبی کریم کا یہ رحیمانہ برتاؤ دیکھکر مہاجرین و انصار جن کے قلوب فیض صحبت نبوی سے منور ہوگئے تھے نہایت متاثر ہوئے اور سب ایک ساتھ عرض کرنے

[1] اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ ایک درہم قریب چار آنے کے۔ اس لئے کل رقم قریب چالیس ہزار روپیہ کی ہوئی ۱۲

لگے۔ یا رسول اللہ ہم نے بھی اپنے حصے کے سب قیدی بلا معاوضہ بخش دئیے۔ اب صرف بنی سلیم اور بنی فزارہ وغیرہا قبائل عرب اور وہ لوگ جو حال میں مسلمان ہوئے تھے باقی رہ گئے۔ جنہوں نے قیدیانِ جنگ کے ساتھ ایسا رحیمانہ برتاؤ نہ دیکھا تھا نہ سنا اس لئے پس و پیش کرنے لگے مگر آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو بھی فی قیدی چھ چھ اونٹ اپنی طرف سے دے کر راضی کر لیا اور ہوازن اور ثقیف کے تمام قیدیوں کو پہننے کے کپڑے عطا کر کے آزاد کر دیا۔ اور اس طرح اس آیت قرآنی کی جو فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی کہ اما منا بعد و اما فداءً یعنی اب قیدیانِ جنگ کو بار احسان رکھکر چھوڑ دو یا فدیہ لیکر۔ سورۂ محمدؐ پارہ ۲۶[1] عملی تفسیر کر کے شق اول یعنی احسان رکھکر چھوڑ دینے کی کریمانہ طرز عمل کی ترغیب دلائی۔ ان قیدیوں میں حلیمہ دائی کی بیٹی شیما بھی تھیں۔ جس وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا حال بیان کیا آپ نے نہایت شفقت سے اپنی ردائے مبارک بچھا دی اور اس پر شیما کو بٹھایا اور اپنے رضاعی ماں باپ کا جن کا انتقال ہو چکا تھا حال پوچھتے رہے بعد ازاں شیما کو بہت کچھ دے دلا کر عزت اور احترام کے ساتھ ان کی خواہش کے موافق ان کے قبیلہ میں بھیجدیا۔

مالک بن عوف سردار ہوازن و ثقیف نے جس وقت قیدیوں کی آزادی کا حال سنا بہت متاثر ہوا اور آسی مقام جعرانہ میں خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور ذوق و شوق کے ساتھ کلمہ شہادت زبان پر لا کر ایمان لایا اور یہ اشعار بے ساختہ عرض کئے۔

---

[1] اس آیت نے تمام انسانوں کو لونڈی اور غلام ہونے سے آزادی دی ہے اور لڑائی کے تمام قیدیوں کی جانوں کو بچایا ہے کہ اس کے بعد لڑائی کا کوئی قیدی قتل نہیں ہو سکتا اور کوئی قیدی زن و مرد لڑکا اور لڑکی لونڈی اور غلام نہیں بنائے جا سکتے اور لڑائی کے قیدیوں کے ساتھ بجز اس کے کہ ان پر احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا اسلام کے لئے یہ ایک ایسا فخر ہے کہ کسی اور مذہب کے لئے نہیں" (تفسیر القرآن سرسید مرحوم جلد چہارم سورہ توبہ صفحہ ۹۹)

ما ان رایت ولا سمعت بمثلہ   فی الناس کلھم بمثل محمد
اوفی واعطا للجزیل اذا اجتدی   ومتی تشا یخبرک عما فی غد

(ترجمہ میں نے آپ کے مثل نہ دیکھا نہ سنا۔ تمام آدمیوں میں محمد سب سے زیادہ عہد پورا کرنے والے اور بہت زیادہ داد دہش کرنیوالے ہیں جبکہ تونگر ہوں اور آیندہ کی خبر دینے والے جب کہ کسی کو دریافت کرنا ہو)

تقسیم غنائم کے بعد بعض انصار مدینہ کہنے لگے کہ آنحضرت نے اپنی قوم اور قبائل عرب کو مالامال کر دیا مگر ہم پر اس قدر نوازش نہ کی حالانکہ ہم نے وفاشعاری کا پورا حق ادا کیا ہے۔ یہ سنکر حضرت رسول خدا نے تمام انصار کو بلاکر اپنے خیمہ میں جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ کیا بات ہے جس کا تم لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے۔ راست گو انصار نے جواب دیا ہمارے سرداروں نے ایسا نہیں کہا مگر ہمارے چند تیز طبیعت جوانوں نے ایسا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا" سنو میرے آنے سے پیشتر تم کیسی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہو رہے تھے۔ خدا نے میرے ذریعے سے تم میں کیسا اتفاق پیدا کر دیا کہ تم ایک دوسرے کے بھائی ہو گئے۔ اپنے ہم چشموں پر غالب آکر غنی ہو گئے اور برائیوں سے بچکر خوبیوں سے آراستہ ہو گئے تم ہی بتاؤ یہ سب سچ ہے یا نہیں" انصار نے یک زبان ہو کر عرض کیا" بہت سچ ہے بیشک ہم پر خدا اور رسول کا بڑا احسان ہے" یہ سنکر نبی برحق نے فرمایا" خدا کی قسم تم دوسرا جواب دے سکتے ہو اور بیشک تمہارا جواب بہت درست ہو اگر تم اس طرح پر کہو کہ ذرا آپ تو اپنا وقت یاد کیجئے جب کہ آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی مگر ہم نے تصدیق کی۔ آپ کو کوئی پوچھتا نہ تھا ہم نے حمایت کی۔ آپ گھر سے بے گھر ہوئے ہم نے جگہ دی۔ آپ درماندہ و بینوا تھے ہم نے جان و مال نثار کیا۔۔" انصار کو اپنے قدردان محبت والے رسول کی زبان سے ان جملوں سے زیادہ سننے کی تاب نہ رہی زار و قطار روتے ہوئے اٹھے اور دست و ذانو مبارک چوم چوم کر عرض کرنے لگے" یا رسول اللہ بس بس ہم نے بھر پایا" جس وقت قلب

انسانی کے اعلیٰ اور اشرف خالص اور سچے جذبات دونوں طرف سے اپنا جلوہ دکھا چکے حضرت رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا کہ سنو میں نے محض تالیف قلوب کی غرض سے قریش اور قبائل عرب کے ساتھ اس قدر نوازش کی انھوں نے بہت مصیبتیں اٹھائی تھیں اور اپنے ہاتھوں آپ خراب ہوئے تھے اب ان کے فولاد کے ایسے سخت دل نرم ہو کر دولت اسلام سے بہرہ اندوز ہو جائینگے۔ مگر تم لوگوں پر مجھے پورا بھروسہ ہے کہ تم دینِ حق کے سچے شیدائی ہو۔ سنو اے گروہِ انصار کیا تم خوش نہیں ہوتے ہو کہ وہ لوگ اونٹ اور بکریاں اپنے گھر لیجائینگے اور تم خدا اور رسول کو اپنے ساتھ لیجاؤ گے۔ اگر تمام آدمی ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر میں اُس راہ پر چلوں گا جس راہ پر انصار ہیں۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔" الغرض یہ تمام مرحلے طے کر کے آنحضرتؐ آخر ذیقعدہ ۸ھ کو دو مہینہ سولہ دن کے بعد صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے اور ۹ھ کو شروع میں اطمینان سے انتظام شروع کیا۔ ہر ہر قبیلے میں ارکان دین کا ایک معلم اور صدقات اور زکوٰۃ کا ایک ایک عامل مقرر کیا۔ قبائل عرب اپنی شور و شر زندگی چھوڑ کر صلح و آشتی سے بسر کرنے لگے۔ پتھر کی مورتوں کے ساتھ جاہلانہ اور وحشیانہ رسموں کے بت بھی ٹوٹنے لگے اور اسلام کی سیدھی سادھی اور سچی تعلیم اپنا جلوہ دکھانے لگی۔ یمن کے قبیلہ بنی طے نے کچھ مخالفت کی مگر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ مرتضیٰ کو ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ سردار قبیلہ عدی بن حاتم

سریہ حضرت علیؓ الی بنی طے ۹ھ

کا محلہ گھیر لیا گیا اور خفیف مقابلہ کے بعد سردار مذکور تنہا شام کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے اس کے اعزا اور دختر کو گرفتار کر لیا اور مال و اسباب ضبط کر کے مدینہ لائے قیدیوں میں عدی کی بہن حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ آنحضرتؐ جس وقت قیدیوں کے پاس تشریف لے گئے حاتم طائی کی بیٹی نے عرض کیا "میں اپنے قوم کے سردار کی بیٹی ہوں

طہ ابن ہشام صفحہ ۹۸۵۔ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۵

میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا غریبوں پر رحم کرتا تھا اب اس کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا ہے بھائی شکست کھا کر بھاگ گیا ہے۔ میں آج بے یار و مددگار قید میں گرفتار ہوں مجھ پر رحم فرمایئے۔" حضرت رسولِ خدا نے یہ سُنکر فرمایا اے لڑکی تیرے باپ میں ایمان والوں کی صفتیں تھیں۔ یہ کہکر آپنے اُس کو رہا کر دیا۔ اُس نے پھر عرض کیا میں بنت کریم ہوں میری آزادی کے ساتھ میرے قبیلے کے قیدیوں کو بھی رہائی کا حکم ملے۔ نبیِ کریم نے اس جوانمرد عورت کی درخواست فوراً قبول فرمائی۔ قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اس کو زادِ راہ اور سفرخرچ دیکر اس کے بھائی کے پاس ملک شام میں بھجوا دیا۔ جس وقت عدی بن حاتم نے اپنی بہن سے کریم النفس نبی کے اوصاف سُنے نادیدہ مشتاق زیارت ہوکر مدینہ میں آیا اور دین حق قبول کر لیا۔

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ

اسی اثنا میں ایک قافلہ مال تجارت لیکر شام سے مدینہ آیا اور شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ رومیوں نے ایک بڑا لشکر جمع کیا ہے اور غسان اور لخم وغیرہا عیسائی عرب کو اپنے ساتھ لیکر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں یہ متواتر خبر محض بے بنیاد نہ تھی قیصرِ روم جس نے حال میں ایران کی زبردست طاقت کو توڑ دیا تھا عرب کی غیر معمولی روز افزوں ترقی سے بیخبر نہ تھا جنگ موتہ میں قبائل عرب اور اپنے ایک دستہ فوج کے پس پا ہونے سے اسلام اور اس کے بانی کی طرف سے اس کے دل میں اندیشہ پیدا ہوگیا تھا اور اس تدبیر میں تھا کہ کسی طرح یہ نئی طاقت ٹوٹ جائے۔ اِدھر اہل عرب کے دل میں دبدبۂ قیصری کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور حال میں بادشاہ ایران پر فتح پانے سے رومی ہیبت اور بھی چھا گئی تھی اس لئے جس وقت قیصر روم کے حملہ کی خبر مشہور ہوئی مدینہ میں ایک انتشار پیدا ہوگیا۔ مگر اولوالعزم رسولؐ نے فوراً اس فتنہ کے دفیعہ کے واسطے مسلمانوں کو حکم دیا کہ سفر روم کو تیار ہو جائیں اور قبل اس کے کہ رومی فوجیں عرب پر ٹوٹ پڑیں خود ہی مقابلہ کو نکلکر اُن کی روک تھام کی جائے۔ یہ ایک ایسا نازک اور

پرخطر موقع تھا کہ صرف وہی لوگ جو اسلام کے سچے شیدائی اور اپنے رسولؐ کے فدائی تھے آمادہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مہاجرین اور انصار اور جو لوگ کہ پکے مسلمان تھے طیار ہونے لگے مگر منافقین نے حیلہ حوالہ نکالے۔ کسی نے کہا ہم اپنے گھروں کو چھوڑ کر اتنی دور کیسے جائیں۔ مبادا ابدؤ ہمارے مکان کو لوٹ لیں۔ کسی نے کہا ہم کو اتنی طاقت نہیں کہ ہم رومیوں سے لڑ سکیں۔ کسی نے کہا میں چلوں تو سہی مگر رومی عورتوں کا حسن بلا کا ہوتا ہے کہیں مبتلا ہو کر پھنس نہ جاؤں اور مفت گنہگار ہوں۔ غرضکہ یہ وقت پر دغا دینے والے لوگ ایسے ایسے بہانہ کر کے بیٹھ رہے مگر ساتھ ہی ان کا نفاق سب پر کھل گیا۔ اہل اسلام اب طیاری کرنے لگے۔ خشک سالی کا زمانہ گرمی کا موسم فصلی میوہ پکنے کے دن یہ سب کچھ تھا مگر دین حق کی حمایت دل میں جوش زن تھی اور فرمان رسول سر آنکھوں پر۔ بے سروسامان لشکر کی درستی کے واسطے چندہ جمع ہونے لگا حضرت عثمانؓ نہایت غنی تھے کمال دریا دلی سے بہت کچھ نقد وجنس حاضر کیا اور "مجہز جیش العسرۃ" (مفلوک لشکر کے لئے سامان کرنیوالے) کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ہر ایک صحابی اور صحابیہ نے اپنی اپنی مقدرت کے موافق اس کار خیر میں مدد دی۔ جو امیر تھے اُنھوں نے فراخ حوصلگی سے کام لیا مگر جو غریب تھے اُنہوں نے بلا کی عالی ہمتی دکھائی۔ جس وقت اعیان مہاجرین و انصار اپنا اپنا مال و اسباب لا لا کر جمع کرنے لگے۔ غریب ابو عقیلؓ نے دو سیر چھوہارے خدمت نبوی میں پیش کئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے شب بھر سقائی کی ہے جس کے معاوضہ میں مجھے چار سیر چھوہارے ملے دو سیر اپنے اہل و عیال کے واسطے چھوڑ آیا ہوں اور دو سیر کار خیر میں صرف کرنے کو لایا ہوں حضرت رسولؐ خدا نے اپنے غریب صحابی کی یہ شان فیاضی دیکھکر ارشاد فرمایا کہ یہ چھوہارے سب صدقات پر پھیلا دئے جاویں۔ سچ ہے اُس بے نیاز درگاہ میں قلت و کثرت نہیں دیکھی جاتی بلکہ نیت پر دار و مدار ہے۔ الغرض صحابہ ذوق شوق کے ساتھ اس کار خیر میں مدد دینے لگے حضرت عمرؓ نے نہایت عالی ظرفی سے اپنا نصف مال و اسباب خدمت اقدس میں

حاضر کیا اور نصف اہل وعیال کے واسطے چھوڑا اور یہ خیال کیا کہ آج اس کار خیر میں حضرت ابوبکرؓ پر سبقت لے گیا اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ اپنا مال واسباب لیکر حاضر ہوئے حضرت رسولؐ خدا نے اُن سے پوچھا بتاؤ تم نے اپنے اہل وعیال کے واسطے کیا چھوڑا۔ متوکل صدیقؓ نے عرض کیا اذخرت اللہ و رسولہ بس خدا اور رسول میرا ذخیرہ ہے یہی ان کے واسطے چھوڑا ہے۔

الغرض لشکر طیار ہوگیا آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس مرتبہ شہر کی حفاظت اور اہل وعیال کی خبرگیری کے واسطے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں ہر غزوہ میں ہمراہ رکاب رہا اب کیوں اس ثواب سے محروم رہوں آپ نے ارشاد فرمایا اما ترضی ان تکون بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (ترجمہ اے علیؓ کیا تو راضی نہیں ہے کہ تیری نسبت مجھ سے ویسی ہی ہو جیسی کہ ہارُون کو موسیٰ سے تھی بس فرق یہ ہے کہ حضرت ہارُونؑ نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں) اس انتظام کے بعد آنحضرتؐ نے تیس ہزار آدمیوں کے ساتھ جن میں مہاجرین اور انصار قریش وقبائل عرب سب شامل تھے رجب ۹؁ھ کو مدینہ سے شام کی طرف کوچ کیا اور سفر کی صعوبت گرمی کی شدت کھانے پینے کی قلت برداشت کرکے قصبہ تبوک میں جو شام اور وادی القریٰ کے درمیان میں واقع ہے پہونچ گئے اور وہیں چشمہ کے پاس قیام فرمایا جس وقت یہ خبر شام میں مشہور ہوئی مخالفین یہ دلیرانہ کارروائی دیکھکر پست ہوگئے اور انہوں نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ آنحضرتؐ نے ایک ماہ سے زائد وہیں قیام فرمایا۔ آیلہ کا مسیحی فرماں روا یوحنا اور چند عیسائی جرگے حاضر ہوکر مطیع ہوگئے اور مسلمانوں کی سرپرستی میں امن وامان اور آزادی کے ساتھ رہنے اور اس پوری ذمہ داری کے معاوضہ میں صرف ایک خفیف ٹیکس فی کس قریب تین روپیہ سال (جس کو جزیہ[1] کہتے ہیں) دینے پر راضی ہوگئے

[1] جزیہ بس اسی قدر تھا جس کو مخالفین نے ہوّا بنا رکھا ہے۔ جزیہ دیکر ذمی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

اکیدر بن عبد الملک کندی رئیس دومۃ الجندل جو اس نواح کا عیسائی بادشاہ تھا حاضر ہوا
آنحضرتؐ نے حضرت خالدؓ کو تھوڑے سے آدمی دیکر اُدھر بھیجا۔ اکیدر گرفتار ہو گیا جب اُس کو آنحضرتؐ
کی خدمت میں لائے اس نے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ بعد ازاں آنحضرتؐ تبوک سے روانہ ہو کر
بخیر و عافیت مدینہ تشریف لائے۔

اہل طائف کا اطاعت قبول کرنا

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے طائف سے محاصرہ اٹھا لیا تھا۔ کئی ماہ کے بعد طائف والوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم کو آنحضرتؐ سے مخالفت کرنے کی طاقت نہیں ہے بہتر ہے کہ اب اطاعت
قبول کر لیں۔ چنانچہ اُنھوں نے چھ شخصوں کو آپ کی خدمت میں صلح کرنے کی غرض سے روانہ
کیا۔ آنحضرتؐ جب سفر تبوک سے واپس آئے سفیر طائف حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہماری قوم چار
باتوں پر صلح چاہتی ہے۔ اول یہ کہ "لات" جو اُن کا بڑا بت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جائے
دوسرے نماز معاف کر دی جائے۔ یہ دونوں شرطیں توحید کامل کا سکہ بٹھانے والا اور نماز کی
تعلیم سے عبد و معبود میں راز و نیاز قائم کرنے والا کیسے قبول کر سکتا تھا آپ نے صاف انکار کر دیا
سفیروں نے پھر عرض کیا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ سے اپنے بت نہ توڑیں گے۔ اور
چوتھی یہ کہ جو عامل محصول وصول کرنے کے لئے مقرر ہو اس کے کسانوں سے بہ مطابق ہمارے
زمینوں کا عشر لیا جائے۔ اور نہ کوئی جرمانہ وصول کیا جائے۔ آخر کی دو شرطیں آنحضرتؐ نے منظور
فرمائیں اور اہل طائف مطیع ہو گئے اور رفتہ رفتہ شرک کی برائی سے واقف ہو کر خالص موحد
ہو گئے۔ سفیر طائف کے ساتھ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل وحشی بھی ساتھ چلا آیا اور
آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے امان دیجئے کہ میں خدا کا کلام آپ سے سنوں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہر قسم کے ٹیکس سے بری تھا اور نہایت چین سے زندگی بسر کرتا تھا بخلاف اس کے
مسلمانوں سے زکوٰۃ عشر صدقات طرح طرح کی رقمیں وصول ہوتی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جزیہ کے ذریعہ
سے کیونکر جبراً اشاعت اسلام ہوتی تھی۔ مخالفین کو انصاف کرنا چاہئے ۱۲

آپ نے فرمایا کہ اب تو امان کا طالب ہے خیر میں نے امان دی خدا کا کلام سن پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (ترجمہ اے محمد کہدے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہوں کو بخشنے والا۔ بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ سورہ زمر پارہ ۲۴) حبشی نے جس وقت ارحم الراحمین کا سراپا رحمت فرمان رؤف الرحیم نبی کی زبان فیض ترجمان سے سنا فوراً صدق دل سے مسلمان ہوگیا اور اسلام کی خدمات سرگرمی سے بجالانے لگا۔[1]

اسی طرح کعب بن زہیر جو اس زمانہ کا ایک زبردست شاعر تھا اور اپنی آتش بیانی سے قبائل عرب کو اسلام کی مخالفت میں بھڑکایا کرتا تھا اپنی حرکات پر اب سخت نادم ہوا مگر کسی طرح ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو آخر ایک دن جب کہ آنحضرتؐ مسجد نبوی میں وعظ فرما رہے تھے یکایک بھیس بدل کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر میں کعب کو حاضر کردوں اور وہ مسلمان ہو جائے تو آپ اس کو قبول فرمائیں گے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں معاف کردونگا۔ یہ سنکر اس نے عرض کیا "میں ہی کعب بن زہیر ہوں" مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو قتل کر ڈالیں مگر آپ نے فوراً روکا اور فرمایا اب وہ میری امان میں ہے۔ بعد ازاں کعب نے کلمۂ شہادت پڑھکر اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" جو عربی شاعری کی جیتی جاگتی تصویر ہے پڑھکر سنایا۔ جس کے صلہ میں آنحضرتؐ نے اپنی چادر اُتار دی۔[2]

---

[1] حضرت صدیقؓ کے عہد خلافت میں اسی حبشی نے جنگ یمامہ میں مسیلمہ بن کذاب کو جس نے تہلکہ مچا دیا تھا اپنے حربہ سے قتل کیا ۱۲

[2] اولاد کعب سے یہ چادر جناب معاویہؓ نے چالیس ہزار درہم کے عوض میں خرید لی بنی امیہ کے بعد یہ چادر بنی عباس کے پاس رہی اور اب آجکل سلطان سوم خلد اللہ ملکہ کے پاس یہ متبرک نشانی باقی ہے

تبوک آخری غزوہ تھا جس کے بعد آنحضرت اطمینان سے مدینہ میں رہکر خلق اللہ کی
ہدایت میں مشغول ہوئے۔ اگر کوئی شخص اُن تمام لڑائیوں کے حالات جو آنحضرت کے زمانہ
میں ہوئیں انصاف کے روسے پڑھے گا اُسکو صاف معلوم ہوجائے گا کہ یہ لڑائیاں چار طرح
پر ہوئیں:-

(۱) دشمنوں کے حملہ روکنے اور ان کے دفع کرنے کی غرض سے۔ قریش مکہ کے ساتھ
جس قدر لڑائیاں ہوئیں مثلاً غزوات بدر و اُحد و احزاب اور ہوازن اور ثقیف کے
مقابلہ میں جنگ حنین یا وطاس اور طائف یہ سب لڑائیاں اسی سبب سے ہوئیں۔

(۲) دشمنوں کا ارادہ لڑنے اور حملہ کرنے اور لڑائی کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی
خبر پا کر اس فساد کو مٹانے اور اُن کو منتشر کرنے کی غرض سے۔ قبائل عرب مثلاً بنی غطفان
بنی المصطلق وغیرہا کے ساتھ جس قدر لڑائیاں ہوئیں اور جنگ خیبر کے یہی اسباب تھے۔

(۳) جن لوگوں نے عہد شکنی یا دغابازی یا بغاوت کی تھی ان کو سزا دینے کی غرض
سے تاکہ امن و امان قائم رہے۔ یہود بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ سے جس قدر
لڑائیاں ہوئیں۔ رجیع بیر معونہ اور زیادہ تر وہ سرایا جو وحشی اعراب کے مقابلہ میں بھیجے گئے
اور قریش کے مقابلہ میں فتح مکہ کی یہی وجہ تھی۔

(۴) دشمنوں کی خبر رسانی یا غیر ملک والوں کی ہدایت کرنے میں جو خلاف امید
قضیئے پیدا ہوگئے ان کی اصلاح کی غرض سے۔ جنگ بدر سے پیشتر جس قدر سرایا قریش کی
خبر رسانی میں بھیجے گئے۔ جنگ موتہ اور سریہ اسی کے ضمن میں عیسائیوں سے مخالفت قائم ہونا
اور اُن کی شورش کے خیال سے تبوک کی طرف سفر کرنا۔

پس یہ تمام لڑائیاں جن کے وجوہات اوپر بیان ہوئے ایسی ہیں جو معمولاً ملکی انتظام
میں اور امن و امان قائم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں کہ جس
نے ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اُسکو اس قسم کی لڑائیاں پیش نہ آئی ہوں۔ رہی یہ بات

کہ انبیا کو اس قسم کی لڑائیاں لڑنا زیبا ہیں یا نہیں اس سے انکار کرنا اور اس کو نازیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے تمام انبیا جب کہ قوم کی اصلاح اور ان کے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً ان کے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں اگر وہ دین کی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نہ کرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ کسی مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح کے (جنہوں نے مظلومیت میں بسر کی) اس کے لئے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اس کے پیروؤں کی مخالفوں سے حفاظت کی گئی اور بزور شمشیر اس کو ترقی دی گئی۔

مگر اس میں شک نہیں کہ قتل و خون کا سین بہت پُر درد اور ہولناک ہے لیکن جبتک پُر فتن دنیا کی طینت اور پُر شور و شر بشر کی فطرت بدل نہ جائے تب تک یہ واقعات پیش آئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پس صرف غور اس بات پر کیا جائیگا کہ آیا ان کے وجوہات جائز تھے یا ناجائز۔ لوگ حضرت موسیٰ اور انبیائے بنی اسرائیل کی جنگ و جدال بھول جاتے ہیں۔ حضرت مسیح کا یہ قول کہ "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں[1]" نظر انداز کرتے ہیں۔ رام چندر۔ سری کرشن بزرگان آریہ کی خونریزیاں فراموش کرتے ہیں مگر اس کریم النفس رسول پر منہ آتے ہیں جس نے انسان کی بہیمی اور ملکی قوتوں کے ساتھ فطری قوت غضبی کی بھی اس خوبی سے اصلاح کر دی جس کی مثال کسی مذہب میں نہ نکلے گی۔ طمانچہ کھا کر اپنا دوسرا گال پیش کر دینا نہایت اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہے مگر فطرت انسانی کی اصلاح کا ایک جزو ہے اس لئے اس تعلیم میں جامعیت نہیں خاص کر ایسی صورت میں جبکہ حضرت مسیح نے بے بسی کی حالت میں دی ہو اور "گدا اگر تواضع کند خوئے اوست" کے مصداق ہوں۔ بخلاف اس کے خلق اللہ کے واسطے عدالت کی ترازو

[1] حضرت مسیح کا جس وقت کوئی یار و مددگار نہ تھا صرف چند ماہی گیر ساتھ ہو گئے تھے اس وقت آپ کا یہ جوش و خروش قابل غور ہے (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴)

قائم کرکے خود اپنے قول و فعل سے قدرت کے وقت درگذر کرکے لوگوں کو رحم و کرم کی عملی تعلیم دینا بس اُسی کا حصہ تھا جس کی مقدس زندگی "رحمۃ للعالمین" ثابت ہوئی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

تکمیلِ دینُ

انسان کی محدود زندگی میں اُس گھڑی کی خوشی کا کیا پوچھنا جب کہ کسی کام کا جس میں ہمہ تن مصروف رہا ہو سرانجام ہو جائے۔ دنیا میں بہت کم ایسے بانیان مذہب گذرے ہیں جنہیں اپنی فی سبیل اللہ کوششوں کے خوشگوار نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھکر ایسی خوشی حاصل ہوئی ہو۔ مگر یہ شرف بھی نبیٔ اُمی کے واسطے مخصوص تھا کہ حق تعالیٰ نے آپکے مبارک ہاتھوں سے دین کو کامل کرکے سچی خوشی عطا فرمائی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

جس وقت آنحضرت تبوک سے واپس تشریف لائے تمام عرب میں اسلام کی شوکت اور حقانیت نے اپنا گھر کرلیا۔ ہر ہر قبیلے سے آپ کی خدمت بابرکت میں وکیل آنا شروع ہوئے اور گروہ گروہ مسلمان ہونے لگے۔ وکیل اس کثرت سے حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام ہی "عام الوفود" یعنی ایلچیوں والا سال پڑگیا۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کے ساتھ نہایت خلق اور مروت سے برتاؤ کرتے تھے اور ان کو دین کی تعلیم دیتے تھے۔ آپکے اخلاق حمیدہ ان لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کرلیتے تھے اور جس وقت اپنے اپنے قبیلوں کی طرف لوٹتے تھے آپکے ذکر خیر سے مشتاق سامعین کے قلوب کو منور کردیتے تھے۔ مدینہ میں اب صرف منافقین کا سرگروہ عبداللہ ابن ابی باقی رہ گیا جو اپنے رفقا کے ساتھ ابتک درپردہ مخالفت پر تلا ہوا تھا مگر اسی سال شوال کے مہینے میں مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ حضرت رسول خدا اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ ابن ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میرا آخری وقت ہی میری یہ تمنا ہے کہ آپ اپنا پیراہن عطا فرمائیں کہ اس میں لپیٹ کر مجھے دفن کردیں اور آپ میرے جنازہ کی

عبداللہ ابن ابی کا مرنا اور منافقین کا سچے دل سے ایمان لانا

نماز پڑھا کر دعا فرمائیں۔ اگرچہ یہ شخص اپنی زندگی بھر نفاق اور شرارت سے باز نہ آیا مگر نبی
کریم نے اس کے آخری سوال کو رد نہ فرمایا۔ اپنا پیراہن عطا فرمایا اور اس کے جنازہ پر نماز
پڑھنے چلے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص بڑا منافق تھا آپ اس کے جنازہ پر
نماز نہ پڑھیں حق تعالیٰ نے منافقین کے واسطے فرمایا ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ۚ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (ترجمہ۔ ان کے واسطے
معافی مانگ یا نہ مانگ اگر ستر مرتبہ بھی معافی مانگے گا اللہ ان کو ہرگز نہ بخشیگا۔ سورہ توبہ
پارہ ۱۰) رحمۃ للعالمین رسول نے جواب دیا اے عمر خدا نے مجھے استغفار کرنے اور نہ کرنے
میں اختیار دیا ہے مگر میں نے مغفرت کی دعا کرنا اختیار کیا ہے بخشنا نہ بخشنا خدا کے اختیار میں ہے[۱]
منافقین نے جس وقت حضرت رسول خدا کا یہ سراپا رحم و کرم برتاؤ دیکھا قائل ہوگئے اور اسی دن
ایک ہزار منافق اپنے نفاق سے توبہ کر کے سچے دل سے کلمہ پڑھنے لگے۔

مدینہ منورہ

مدینۂ منورہ اب تمام بلاؤں سے پاک ہوگیا۔ اب نہ قریش کی عداوت تھی نہ یہود کا عناد
نہ منافقین کی شرارت تھی نہ قبائل عرب کا فساد۔ نو برس میں رسول پاک کے قدموں کی برکت
سے شہر کی حالت ہی بدل گئی اور کچھ اور ہی عالم نظر آنے لگا۔ وہ دیکھئے نور اسلام کی برقی
روشنی کا اجالا پھیلا ہے۔ تسبیح و تقدیس کا زمزمہ دل کھینچے لیتا ہے۔ اخوت اور ہمدردی کا
جلوہ نظر آتا ہے۔ تقویٰ اور طہارت کا ہر طرف انتظام ہے جسے دیکھئے حق اللہ اور حق العباد
کے ادا کرنے میں مصروف ہو کر سچی خوشی سے مسرور نظر آتا ہے اور اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ
کے معراج کمال پر پہونچکر رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے مزے لے رہا ہے۔

مکہ اگرچہ فتح ہوگیا تھا لیکن ابھی تک جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا حج کے
ایام میں کعبہ کی زیارت کو آتے تھے اور اپنی قدیم جاہلانہ رسموں کو بجا لاتے تھے یہ لوگ بالکل
برہنہ ہو کر سات مرتبہ طواف کرتے تھے اور تالیاں بجا بجا کر بتوں کے سامنے ناچنے کودتے

۱؎ بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ ۔

تھے اور عجیب و غریب حرکتیں کرتے تھے اب جبکہ کعبے سے بتوں کا عمل اٹھ گیا بت پرستی کی رسموں کو بھی رخصت ہونا چاہیئے ؏

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

سورہ برات

اس لئے آنحضرت نے اسی سال حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحاج مقرر فرما کر تین سو صحابیوں کے ساتھ مکہ روانہ کیا کہ اپنے قول و فعل سے لوگوں کو مناسک حج تعلیم کریں۔ قافلہ کے جانے کے بعد آنحضرت نے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا کہ سورہ برات کی ابتدائی آیات رسول اللہ کی طرف سے مجمع عام میں حاجیوں کو سنا دیں اور مشرکین کو سمجھا دیں کہ بس اس سال سے کوئی بت پرست مسجد الحرام مکہ میں داخل نہ ہو اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔ جن لوگوں سے پہلے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے اس کی مدت گذرنے تک عہد کی پابندی کی جائیگی مگر جن سے کوئی معاہدہ نہیں انھیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ اپنے گھروں تک پہونچ جائیں۔ جس کے بعد خدا کا رسول بری الذمہ ہے وہ لوگ اپنی آپ فکر کریں اور خوب سمجھ لیں کہ خدا اور رسول کے سامنے ان کی کچھ نہ چلے گی[1]

الغرض اصحاب نبی مکہ پہونچے حضرت ابوبکرؓ نے زائرین کو مناسک حج تعلیم دیئے اور حضرت علیؓ نے مشرکین کو احکام الٰہی سنا دئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر و شرک کا قطعی استیصال ہو گیا اور شریعت حقہ کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور تمام عرب میں حق پرستی کا ڈنکا بج گیا۔ ۱۰ھ کے شروع میں باقی ماندہ قبیلوں کی طرف سے بھی وکیل آنا شروع ہوئے اور گھر گھر اسلام کا عملہ دخلہ ہو گیا۔ اس وقت سورہ نصر نازل ہوئی جس میں نہایت پر اثر

سورہ نصر کا نازل ہونا

اور سبق آموز طریقے سے اس سچی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے جو کسی اہم اور ہمہ تن مصروف رکھنے والے کام کے پورے ہونے پر حاصل ہوتی ہے۔ جس وقت غار حرا کے پاک باز عزلت نشین کو خدا ہی کی مدد سے فتح و نصرت اور دلوں کی تسخیر حاصل ہو گئی اور لوگ

[1] ابن ہشام صفحہ ۹۲۱ - ۹۲۲ ابن الاثیر صفحہ ۲۲۲ جلد دوم - ۱۲

خدا کے دین میں فوج فوج داخل ہونے لگے۔ اس وقت حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (ترجمہ پس تو تسبیح کر اپنے رب کی حمد کی اور بخشش مانگ اس سے بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سورۂ نصر پارہ ۳۰)

عیسائیوں کا اعتراض کہ آنحضرت مدینہ میں عیش پرست ہوگئے اس کا جواب

بیشک شکر نعمت اسی کا نام ہے کہ پوری کامیابی اور عروج کے وقت بندہ اپنے خدا کی حمد وثنا میں مشغول ہو اور عجز وانکسار کے ساتھ اسی کی طرف رجوع ہو۔ مخالفین اسلام خاص کر عیسائیوں[1] نے آنحضرت پر ایک عجیب الزام لگایا ہے کہ مدینہ میں آکر جب آپ کو غلبہ حاصل ہوا تب آپ میں عیش پرستی اور تمکنت آگئی۔ ہاں آپ میں عیش پرستی اور تمکنت آگئی مگر ذرا یہ حالت بھی ملاحظہ ہو۔ مدینہ کا بادشاہ اپنے بوریئے کے تخت پر بیٹھا ہے کمبل کی خلعت زیب تن ہے خود اختیاری فقر وفاقہ کا خوان نعمت چنا ہوا ہے اور تمکنت یہ ہے کہ اگر کوئی ذلیل غلام بھی کچھ کہنے کے واسطے ہاتھ پکڑ لیتا ہے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑے ہاتھ نہیں کھینچتا۔ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ فرش خاک پر بیٹھا ہوا بے تکلف باتیں کر رہا ہے جس سے ملتا ہے پہلے آپ سلام کرتا ہے اور کسی کا سوال رد نہیں کرتا[2]۔ مخالفین اسلام کو افسوس تعصب نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قدرت اور غلبہ کے وقت تواضع اور انکساری کرنا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونا بڑے ظرف والوں کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے مستند احادیث نبوی کا مطالعہ کرے تو اس کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ مدینہ میں سرور انبیا کی کیا حالت تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت آدھی رات کو اٹھ اٹھ کر نماز تہجد میں مشغول ہوتے تھے اور قیام اور رکوع میں اس قدر مصروف رہتے تھے اور سوز وگداز کی وہ حالت طاری ہوتی تھی کہ صبح ہو جاتی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے ہیں پھر آپ اس قدر کیوں

[1] ولیم میور۔ گبن۔ ارونگ۔ اور جدید مستشرق مارگولیتھ جس نے خوب زہر اگلا ہے۔۱۲

[2] بخاری ومسلم ۱۲

تکلیف اٹھاتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ کیا میں شکر گزار بندہ نہوں[1]"

"عمران بن حصین سے منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت ان کو ساتھ لیکر حضرت فاطمہؓ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور دروازہ پر جاکر دستک دی اور ارشاد فرمایا السلام علیکم میں اندر آؤں حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا تشریف لایئے آپ نے فرمایا کہ میں اور میرا ساتھی دونوں آئیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عمران بن حصین انہوں نے عرض کیا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بھیجا ہے میرے پاس ایک عبا کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اس کو اس طرح لپیٹ لو انہوں نے عرض کیا کہ بدن تو میں نے چھپالیا مگر سر کیسے چھپاؤں آپ نے اپنی پرانی چادر ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے اپنا سر باندھ لو۔ بعد ازاں جناب سیدہ نے اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے اندر جاکر فرمایا "بیٹی آج تم کیسے ہو" جناب سیدہ نے عرض کیا کہ میرے درد ہے اور اس درد پر ایک اور درد یہ ہے کہ میرے پاس کھانے کو نہیں بھوک نے نڈھال کردیا ہے۔ آپ رو پڑے اور فرمایا اے لخت جگر تو مت گھبرا بخدا میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا اور تیری بہ نسبت خدا کے پاس میرا زیادہ رتبہ ہے اگر میں خدا سے مانگتا تو مجھکو کھلا دیتا مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اسی کو پسند کیا۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ ان کے مونڈھے پر مار کر کہا کہ "تجھکو بشارت ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے[2]"

اللہ اللہ سرور انبیا کی یہ شان تھی کہ شہر پر شہر فتح ہو رہے تھے اور مال و اسباب سونا چاندی لونڈی غلام سب ہی کچھ غنیمت میں ملتے تھے مگر جو کچھ خمس میں ملا سب راہ خدا میں صرف آپ کے پاس دینار و درم رات کو نہ رہتا تھا اور اگر بچ رہتا اور ایسا شخص نہ ملتا جس کو عطا فرمائیں اور یکایک رات ہو جاتی تو اپنے مکان میں تشریف نہ لاتے جب تک کہ بچے ہوئے

---

[1] احیاء العلوم باب الشکر ابن حبان عن عطار ۱۲

[2] احیاء العلوم باب الفقر احمد و طبرانی ۱۲

کو کسی محتاج کو نہ دے چکتے[1] - سائل کی حاجت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے اور اپنی آل و اولاد کو قناعت اور ایثار کی تعلیم فرما کر دعا فرماتے[2] اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا (الٰہی اہل بیت محمدؐ کی روزی بقدر زیست عطا کر) مسکین اور غلام کی دعوت قبول فرمانے سے کبھی تکبر نہ فرماتے۔ فقیروں کے پاس بیٹھتے اور مساکین کو ساتھ کھلاتے[3] اور یہ دعا فرماتے[4] اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا (الٰہی مجھے مسکنت میں زندہ رکھ اور مسکنت میں موت دے) حقیقت یہ ہے کہ وہ ذات پاک اخلاق حسنہ اور کمالات انسانی کی جامع تھی اور ہر وقت اور ہر جگہ اسی کی خوبیوں کا پرتو پڑتا تھا۔ مکہ میں جب کہ رنج و مصیبت کا سامنا تھا صبر و ثبات تحمل و استقامت، رضا و تسلیم کا جلوہ نظر آتا تھا۔ مدینہ میں جب کہ اطمینان اور راحت نصیب ہوئی شکر و عطا جود و سخا، عفو و کرم کا نور چمکنے لگا۔ دشمنوں کو اگر اپنی کور باطنی سے وہ نور نظر نہ آئے اور اس مقدس نبی پر عیش پرستی اور تمکنت کا الزام لگائیں تو کیا حرج ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

سورۂ نصر کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ زیادہ تر ذکر اذکار اور تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہنے لگے۔ اس سورت میں یہ رمز تھا کہ انبیا کے نفوس قدسی خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے مامور ہو کر کچھ عرصہ تک عالم رنگ و بو کی طرف مشغول کئے جاتے ہیں مگر جب

---

[1] بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ ۱۲

[2] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

[3] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

[4] ابوداؤد بروایت ابوسعیدؓ ۱۲

[5] ترمذی بروایت انسؓ و حاکم ۱۲

فرض رسالت ادا ہوچکا پھر انقطاع کلی حاصل ہوکر مبدا ء فیاض کی طرف صعود کرتے ہیں اسی واسطے جس وقت آپنے اس سورت کی تلاوت فرمائی حضرت صدیقؓ یہ نکتہ سمجھکر رونے لگے۔ لوگوں نے سبب پوچھا آپنے جواب دیاکہ اس کلام سے بوئے فراق آتی ہے۔

الغرض ۱۰ھ کے شروع میں جیساکہ اوپر بیان ہوچکاہے باقی ماندہ قبائل عرب کی طرف سے بھی وکیل آنے لگے۔ نجران صوبہ یمن کے باشندوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے تھے آنحضرتؐ نے ہدایت نامہ ارسال فرمایا تھا چنانچہ اُنھوں نے بھی اپنی قوم سے چودہ بزرگ منتخب کرکے وکالتاً آپ کی خدمت میں بھیجے۔ جس وقت یہ جماعت حاضر ہوئی آنحضرتؐ نے ان کو ان کے عقائد باطلہ خاصکر الوہیت مسیح پر متنبہ کرکے اسلام کی سچی توحید تلقین فرمائی۔ اگرچہ ان لوگوں نے اس الزامی دلیل کو تسلیم کرلیا کہ واقعی اگر ہم حضرت مسیح کو اس وجہ سے ابن اللہ کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو حضرت آدمؑ بدرجہ اولیٰ ابن اللہ ہوئے کیونکہ ان کے ماں اور باپ کوئی نہ تھے لیکن عقل کے رو سے قائل ہوکر بھی ان لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ کھٹکتا رہا کہ "ایک تین۔ تین ایک" کا مسئلہ دین کے اسرار میں سے ہے اور اگر عقل میں یہ بات نہ آئے لیکن مذہباً ہم کو ایسا ہی ماننا چاہئے۔ اس لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ آپنے یہ دیکھکر کہ کس طرح تقلید نے ان کو اندھا

نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کرنے کا اعلان

کردیا ہے بحکم الٰہی مباہلہ کرنے پر آمادہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اچھا اگر تم نہیں مانتے تو ہم دونوں اپنے بال بچوں کو لیکر نکلیں اور دعا کریں کہ اے خدا جو جھوٹ کہتا ہو اس کا نام و نشان مٹادے۔ دوسرے دن حسب وعدہ آنحضرتؐ اس شان سے مباہلہ کرنے کو نکلے کہ حضرت امام حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت امام حسنؓ کی انگلی پکڑے ہوئے۔ پیچھے جناب سیدہ حضرت فاطمہؓ۔ ان کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰؓ۔ گروہ نصاریٰ میں ابو الحارث بن علقمہ جو اپنے مذہب کا عالم تھا یہ معاملہ دیکھکر اپنی قوم سے

کہنے لگا۔ اے بھائیو! میں اس وقت ایسی صورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ ٹل جانے کی دعا مانگیں تو بیشک ایسا ہی ہو۔ خبردار مباہلہ پر آمادہ نہ ہونا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ نصاریٰ یہ سنکر مرعوب ہوگئے اور دل کے اسی کھٹکنے والے شبہ نے دو ٹوک فیصلہ کرنے پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ آخر سوچ سمجھکر عرض کیا کہ اب ہم مباہلہ نہ کرینگے اور نہ اسلام ہی قبول کرینگے لیکن امن وامان کے ساتھ ذمیوں کی طرح رہنا قبول کرتے ہیں۔ آخر یہ امر قرار پایا اور آنحضرتؐ نے عہدنامہ[1] تحریر کردیا اور اُن کی استدعا کے موافق حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو ان کے اختلافات دفع کرنے کے واسطے ساتھ کردیا۔ جس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے چند علما آنحضرتؐ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور دین حق قبول کرلیا۔

اسی سال یمن کے ایرانی حاکم باذانؓ کا جس نے خسرو پرویز کے مرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا تھا اور آنحضرتؐ نے بدستور انھیں کو حاکم یمن مقرر کیا تھا انتقال ہوا۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرتؐ نے یمن کو تین حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک پر باذان کے بیٹے شہر[2] کو عامل مقرر کیا۔ دوسرے پر ابوموسیٰؓ اشعری کو اور تیسرے پر معاذؓ بن جبل کو۔ اور ہر ایک کو

---

[1] سر ولیم میور جیسا متعصب اس عہدنامہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "رسول خدا نے بنی حارث اور نجران کے پادریوں کو پوری مذہبی آزادی دینے کا اقرار کیا تاکہ اپنے طریقے پر اپنے گرجاؤں میں جس طرح چاہیں عبادت کریں۔ بشپ اور راہب اپنی اپنی جگہ پر بحال رہیں جبتک یہ لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں اُن کے ساتھ کچھ تعرض نہوگا"۔ (لائف آف محمد جلد دوم صفحہ ۲۹۹) کیا کسی مذہب میں اس قسم کی عملی آزادی غیر مذہب کو دیگئی ہے مخالفین کو شرمانا چاہیے۔ ۱۲

[2] شہر بن باذانؓ اسود عنسی کے ہاتھ سے جس نے حجۃ الوداع کے بعد دعویٰ نبوت کرکے یمن میں فساد مچا دیا شہید ہوئے۔ اسود حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں مارا گیا۔ اسیطرح دو اور مدعی نبوت ایک مسیلمہ کذاب دوسرا طلیحہ بن خویلد نے شورش کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے لشکر اسلام ان کی طرف بھیجا مسیلمہ ایک خونخوار جنگ کے بعد یمامہ میں قتل ہوا اور طلیحہ شکست کھاکر بھاگا آخر حاضر ہوکر تائب ہوا۔ ۱۲

یہ وصیت کی کہ "خبردار نرمی سے کام کرنا لوگوں پر سختی نہ کرنا اور ایسا ہرگز نہ کرنا کہ وہ تم سے متنفر ہو جائیں" پھر آپ نے معاذؓ سے فرمایا کہ "تم کو اہلِ کتاب سے سابقہ پڑے گا تم انھیں خدا کی طرف بلانا اگر وہ تمہارا کہنا مانیں تو ان کو ہدایت کرنا کہ خدا نے اُن پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ ان کے امیروں سے لیکر ان کے محتاجوں پر صرف کریں۔ خبردار تم تحفہ تحائف ہرگز قبول نہ کرنا اور مظلوں کی آہ سے بہت ڈرنا کیونکہ ان کی دعا اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے"[1]

بعد ازاں اسی سال رمضان کے مہینہ میں آنحضرتؐ نے جناب مرتضویؓ کو صوبہ یامہ کی طرف روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ "اے علیؓ اگر ایک شخص بھی تیرے ہاتھ پر ایمان لائے تو یہ اس تمام چیز سے بہتر ہے جس پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے (یعنی تمام دنیا سے) غرض کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ روانہ ہوئے اور نہایت سرگرمی سے خلق اللہ کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ قبیلہ عبدالمدان جو بخران میں رہتا تھا آپ کے وعظ و نصیحت سے ایسا متاثر ہوا کہ سب کے سب ایک ساتھ مسلمان ہو گئے۔

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ

حج کے ایام قریب آ رہے تھے۔ اس مرتبہ خود آنحضرتؐ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے حج کرنے کو چلے اور تمام مسلمانوں کو اطلاع دی کہ جو لوگ حج کرنا چاہیں وہ ہمراہ چلیں۔ فوراً شیدایان دین ہر طرف سے دوڑے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم الشان مجمع کے ساتھ خدا کا رسول حریم کعبہ میں داخل ہوا جمعہ کے دن نویں ذالحجہ کو عرفات کا سارا میدان مہبط انوار بنگیا اور کچھ اور ہی عالم نظر آنے لگا۔ اللہ اکبر جدہر آنکھ اٹھا کر دیکھئے سر ہی سر نظر آتے ہیں۔ کچھ عجیب حالت طاری ہے امیر غریب کالے گورے سب کے سب سر کھولے ہوئے ایک چادر اوڑھے ہوئے ذوق شوق کے ساتھ لبیک لبیک پکار رہے ہیں۔ یہ عاشقانہ ہیبت یہ وجد یہ بیخودی بھی کچھ

---

[1] روضۃ الاحباب ۱۲

[2] مدارج النبوت صفحہ ۵۰۰ جلد دوم ۱۲

عجب قسم کی ہے عشاق کی چاک گریبانی مشہور ہے یہاں یہ نوبت پہونچ گئی ہے کہ خیر سے گریبان کا نشان ہی نہیں چاک کیا کرینگے۔ مجذوب کی بڑ مشہور ہے یہاں محویت کی یہ حالت ہی کہ لبیک لبیک (ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں) کی رٹ لگ گئی ہے اور کچھ زبان سے نکلتا ہی نہیں۔ آخر انھیں کون پکارتا ہے۔ بس انھیں کے دل سے پوچھنا چاہئے مگر دل کی بات دل ہی میں رہتی ہے زبان تک نہیں آتی اچھا تو پھر دل کے صاف آئینے مقابل میں رکھدیئے جائیں آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہو جائینگی اور کانوں کان خبر نہ ہوگی کیوں نہیں اُس کیفیت اور جذب کا اگر کچھ ذکر ہو سکتا ہے تو اسیقدر کہ ؎

ذوق آں بادہ ندانی بخدا تا نچشی

دوپہر ڈھلے منتظرین کے اس عظیم الشان مجمع میں قادر الکلام نبی اُمی نے دیر تک ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس کا ماحصل یہ تھا۔ (اے لوگو میری بات غور سے سُنو خدا جانے آیندہ سال مجھے تم سے ملنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ کی تم حرمت کرتے ہو اسیطرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمھیں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تمھارے سب کاموں کا پورا حساب لے گا۔ اے لوگو جس طرح عورتوں پر تمھارے حقوق ہیں اسیطرح تم پر تمھاری عورتوں کے حقوق ہیں ان کے ساتھ ملاطفت سے پیش آنا یاد رکھو خدا کی ذمہ داری پر عورتیں تم کو حلال ہوئی ہیں اور اُسی کے حکم سے تم نے اُن پر تصرف کیا ہے پس ان کے حقوق کی رعایت میں خدا سے ڈرتے رہنا۔ اور ہاں غلاموں کے معاملہ میں دیکھو جیسا تم کھانا ویسا اُن کو کھلانا جیسے تم کپڑے پہننا ویسے انھیں پہنانا اور اگر ان سے کوئی خطا ہو اور تم اُس کو معاف نہ کر سکتے ہو تو ان کو جُدا کر دو کیونکہ وہ بھی تو خدا کے بندے ہیں اُن کے ساتھ سخت برتاؤ کرنا کیا معنی۔ اے لوگو میری بات غور سے سُنو اور خوب سمجھو آگاہ ہو جاؤ کہ جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ سب مسلمان اخوت کے سلسلہ میں

داخل ہوگئے۔ تمہارے بھائی کی کوئی چیز اس وقت تک تم کو جائز نہیں جبتک وہ خوشی سے نہ دے۔ خبردار نا انصافی کے پاس نہ پھٹکنا۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اُس کو مضبوط پکڑوگے اور اُسی پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔ اے لوگو عمل میں اخلاص مسلمان بھائیوں کی خیرخواہی اور جماعت میں اتفاق یہ تین باتیں سینہ کو پاک وصاف رکھتی ہیں۔ حاضرین تم کو لازم ہے کہ میرا کلام اُن لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں سنا دینا۔ کیا عجب وہ شخص جس کو پیغام پہونچایا جائے سننے والے سے زیادہ یاد رکھے[۱]۔ خطبہ کے اختتام پر حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ اے لوگو قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا کہ میں نے تم سے کیا معاملہ کیا اور تم میں کیونکر زندگی بسر کی تم اس کا کیا جواب دوگے۔ چاروں طرف سے فوراً ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں کہ یا رسول اللہ ہم گواہ ہیں آپ نے خدا کے سب احکام ہم کو پہونچا دیئے۔ کوئی نصیحت اُٹھا نہیں رکھی اور رسالت کا پورا حق ادا کر دیا۔ یہ سنکر آپ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھا کر جوش میں تین مرتبہ فرمایا اللھم اشھد اللھم اشھد اللھم اشھد (اے اللہ تو گواہ رہ میں نے حق خدمت ادا کر دیا) حق تعالیٰ نے اپنے رسول اور اُس کی امت کی تصدیق اور اپنی رضامندی کے اظہار میں یہ آیت فرمائی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ... الاسلام دینا (ترجمہ یعنی میں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا۔ سورہ مائدہ پارہ ۶)[۲]

حقیقتِ اسلام

حقیقت میں اگر کسی مذہب نے انسان کی فطرت کا پورا پورا اندازہ کر کے اُس کے دینی اور دنیوی فلاح کی غرض سے جامعیت کے ساتھ نہایت عاقلانہ اور کامل اصول قائم کئے ہیں وہ مذہب اسلام ہے۔ اس کے عقاید صاف اور سیدھے اور محال عقلی سے بالکل

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۹۶۸ و ۹۶۹۔ مسلم بروایت جابرؓ۔

[۲] بخاری بروایت طارق ابن شہاب۔ کتاب تفسیر القرآن ۱۲

بری اور پھر ایسی جامعیت کے ساتھ کہ عالم اور جاہل فلسفی اور عامی سب کے ذہن میں اتر جائیں
کلمۂ شہادت جو اس کا اصل اصول ہے توحید کامل (یعنی توحید فی الذات توحید فی الصفات
توحید فی العبادت) اور حقیقت نبوت یعنی عبدیت اور رسالت کو اس خوبی کے ساتھ
ذہن نشین کردیتا ہے کہ کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملسکتی نہ یہاں تثلیث کا معمہ ہے
نہ الوہیت مسیح کا راز نہ دیوتاؤں کی خوش فعلیاں ہیں اور نہ اوتاروں کے دخل در معقولات
عقاید کی طرح اسلام کے اعمال بھی صاف اور سیدھے عقل پر مبنی اور سب پر شامل۔
(۱) اخلاق میں کانٹے کی تول فطرت انسانی کا پورا لحاظ۔ انسان کی خلقی متضاد صفتوں
کی سچی اصلاح اور روک تھام۔ نہ یہاں افراط ہے نہ تفریط بس صراط مستقیم پر چلنے کی تعلیم
ہے محض تعلیم ہی نہیں بلکہ خود چل کر راستہ بتادیا اور اپنے ساتھ مومنین اولین کو پار اتار کر
نظیر قائم کردی (۲) عبادات میں صرف توجہ الی اللہ پر مدار۔ خود عابد کی ذات کو نفع باہمی
اتفاق کی تعلیم۔ نہ رہبانیت ہے نہ جوگ نہ نرواں کی دردناک افسردگی ہے نہ یہود کی سی
ظاہری پابندی اور کھرا پن بس حسن معاشرت جزو عبادت ہے نیت پر دار و مدار ہے۔ باہمہ
مگر بے ہمہ سچ ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(۳) معاشرت اور تمدن میں ہر قوم کے خصائص کے لحاظ سے ایسے جامع اور مانع اصول
کی تعلیم کہ ہر زمانہ میں ہر قوم کے واسطے دستور العمل بن سکیں مثلاً مسئلہ تعدد ازدواج واقعی
جسقدر جس اصول میں جامعیت ہوگی اسی قدر وہ کامل ہوگا۔
غرضکہ انسان کی دینی اور دنیاوی فلاح کے واسطے حق تعالیٰ نے اس دین
سے جو ادیان سابقہ کا مصلح ہے کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ اسی سبب سے نبی امی کا لقب
خاتم الانبیا ہوا اور ہونا بھی چاہیے۔ ارادہ الٰہی نے یہ طے کردیا تھا کہ آپ کے بعد حیرت انگیز

ایجاد اور اختراع کا ایسا زمانہ آئیگا کہ بجلی اور بھاپ کے عجیب و غریب کرشمے مشرق اور مغرب کو ایک کر دیں گے اس لئے ہر قوم کے واسطے ہر ملک میں (جیسا کہ سابق میں ہوتا رہا) ایک ایک نبی کے بھیجنے کی ضرورت نہ رہے گی دین اسلام کی منادی ملکوں ملکوں سب پہونچ جاوے گی پھر خواہ لوگ مانیں یا نہ مانیں حجت تمام ہو جائے گی والحمد للہ علیٰ احسانہ۔

ارکان حج ادا کرنے کے بعد آنحضرتؐ اسی ذالحجہ کے مہینہ میں صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے[1]۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کیونکہ اس کے بعد تیسرے ہی مہینہ وہ نہ ٹلنے والی گھڑی آپہونچی جس سے بجز حی القیوم کے کوئی بھی نہیں بچ سکتا بیشک کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذی الجلال والاکرام رسالت کے فرائض ادا ہو چکے دین کی تکمیل ہو گئی اب اس مقدس ذات کو دنیا میں رہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک شعل نے سیکڑوں فانوسیں روشن کر دیں نہیں نہیں ایک نورانی جوہر نے ہزاروں جسمانی پیکروں کو "ریڈیم" بنا دیا اب اس مظہر ذات الٰہی کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف رجوع لازمی تھی۔

مدینہ میں پہونچکر آنحضرتؐ نے ۱۱ھ کے شروع میں سفر آخرت کی طیاری شروع کی اور بقیع اور اُحد کے شہر خموشاں میں جہاں مجاہدین دین خدا کی خوشنودی حاصل کر کے قیامت

---

[1] راہ میں جب آپ منزل غدیر خم میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان نواح جحفہ میں واقع ہے پہونچے آپ کو معلوم ہوا کہ بعض آدمی حضرت علیؓ سے بدگمان ہیں اور صوبہ یمامہ کے انتظامی امور میں جو حضرت علیؓ سے متعلق کئے گئے تھے بیجا نکتہ چینیاں کر رہے ہیں۔ یہ امر آنحضرتؐ کو نہایت ناگوار ہوا آپ وہیں ٹھہر گئے اور لوگوں کی بدگمانیاں دفع فرما کر حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضائل بیان فرمائے۔ پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اے اللہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ خداوندا تو اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے (احمد بروایت برا بن عازب و زید بن ارقم) اصل واقعہ اسیقدر ہے لوگوں نے جو کچھ اس پر حاشیہ چڑھائے وہ قابل وثوق نہیں ہے۔

تک چین سے سو رہے ہیں تشریف لیجا کر دعا اور استغفار میں مصروف رہنے لگے۔ ماہ صفر[۱]
کے آخر میں تپ شدید لاحق ہوئی اور مرض بڑھنے لگا صحابہ مفارقت رسولؐ کے خیال سے بیتاب
ہونے لگے مگر جب تک باہر آنے کی طاقت رہی نبیؐ مشفق ان کی تسلی و تشفی کر کے کلمات خیر
فرماتے رہے اور یہ ارشاد فرمایا "لوگو! تم میری موت سے کیوں ڈرتے ہو۔ کوئی نبیؐ ہمیشہ اپنی
امت کے ساتھ نہیں رہا ہم سب کو خدا کی طرف جانا ہے دیکھو میری قبر کو بت نہ بنانا اور گمراہ
قوموں کی طرح گور پرست نہ ہو جانا۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنا وفا شعار انصار کے ساتھ
رعایت اور اہلبیت نبوت کی حرمت کا خیال رکھنا اور تقویٰ اختیار کرنا" مرض سے جب آپ
بالکل زار و نزار ہو گئے آخر مرتبہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت فضلؓ بن عباسؓ کے کاندھوں
پر سہارا دیتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ مدینہ کے تمام چھوٹے بڑے یہاں تک کہ
عورتیں اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں سے نکل نکل کر اپنے پیارے رسولؐ کی آخری وصیت سننے
کو آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ خدا کی حمد و ثنا کے بعد رسولؐ اللہ نے مجمع کی طرف خطاب کر کے
ارشاد فرمایا "مسلمانو! میرا وقت اب قریب آیا ہے اگر میں نے کسی کو کچھ تکلیف دی ہو
اس وقت مجھ سے اس کا بدلہ لے اگر کسی کا مجھ پر حق ہو صاف ابھی کہدے میں جان و
مال سے حاضر ہوں۔ ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میرے تین درہم آپ کے
ذمہ باقی ہیں جو آپ نے اپنے نام سے ایک سائل کو مجھ سے دلوائے تھے یہ سنکر آپ نے حضرت
فضلؓ بن عباسؓ کی طرف اشارہ کیا کہ فوراً یہ تین درہم ادا کر دیں اور ارشاد فرمایا۔

علالت وصیتیں اور سفر آخرت

---

[۱] علالت سے دو دن پیشتر آنحضرتؐ نے ایک لشکر ترتیب دیا اور اسامہ بن زید کو امیر مقرر کیا تاکہ رومیوں سے مسلمان ایلچی کے خون کا بدلہ لیا جائے اگرچہ سریہ موتہ ۸ھ میں اسی غرض سے بھیجا گیا تھا مگر جنگ ناتمام رہی اور کچھ فیصلہ نہ ہوا تھا اس لئے آنحضرتؐ نے اب یہ لشکر ترتیب دیا مگر صحابہ آپ کی علالت کی وجہ سے رک گئے حضرت ابوبکرؓ جس وقت خلیفہ رسول مقرر ہوئے سب سے پہلے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور حق تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی ۱۲

دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے کہیں بہتر ہے پھر آپ نے حاضرین کے واسطے دعا فرمائی اور احکام دین کی بجا آوری کی تاکید فرما کر یہ آیت پڑھی تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ [1] بعد از آپ حجرہ میں تشریف لے گئے اور پھر باہر آنے کی طاقت نہ رہی رفیق قدیم حضرت ابوبکر صدیق نماز پڑھانے کے واسطے مقرر ہوئے۔ تیسرے روز دوشنبہ کے دن ربیع الاول کی ابتدا میں [2] ۱۱ھ کو حالت نزع طاری ہوئی آخری وصیت یہ تھی الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم نماز کے پابند رہنا اور مملوک کے حال پر عنایت کی نظر رکھنا۔ [3] آخر قریب شام وہ ساعت

---

[1] طبری جلد سوم صفحہ ۲۰۰ (ترجمہ یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے اُن لوگوں کے واسطے خاص کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی (یا بڑائی) نہیں کرنی چاہتے اور نہ فساد کے خواہاں ہیں دعاقبت پرہیزگاروں کے واسطے ہے سورۂ قصص پارہ ۲۰) ۱۲

[2] عام طور سے ۱۲ ربیع الاول مشہور ہے مگر اس میں اختلاف ہے کیونکہ نویں ذالحجہ ۱۰ھ کو جمعہ کا دن تھا جب آنحضرت نے حجۃ الوداع کیا اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اس صورت میں دوشنبہ کا دن ۱۲ ربیع الاول کو نہیں پڑتا۔ مگر اس طور پر کہ ذیقعدہ ذالحجہ محرم اور صفر سب تیس تیس دن کے مہینے شمار کریں اور نویں ذالحجہ کو مدینہ کی رویت کے لحاظ سے ہفتہ قرار دیں اسی اشکال کی وجہ سے بعضوں نے ۸ ربیع الاول بعضوں نے ۱۳ ربیع الاول تاریخ وفات قرار دی (مجموعہ الفتاوی مولانا عبدالحی جلد اول صفحہ ۲۱۶ و ۲۱۷)

[3] یہ آخری وصیت آپ نے اس وقت کی جب حالت نزع شروع ہونے لگی بیشک خدا کا سچا رسول کامل ہدایت اور دین کی تکمیل کے واسطے مبعوث ہوا تھا نہ اپنے ہی خاندان میں دنیاوی سلطنت قائم کرنے کے واسطے مسلمانوں کو چاہیے کہ توحید و رسالت کو جو کلمہ طیبہ کی شرح ہے اصل اصول سمجھیں باقی فروعات کے جھگڑے ہیں اُن کو بالائے طاق رکھکر اخوت کے سلسلہ کو قائم کریں اے [illegible]کے تمام اہل اسلام خواہ تم جس طریقے پر چلو مگر اتنا سن لو حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (ترجمہ) اور سب ملکر اللہ کے "دین" کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو۔ سورۂ آل عمران پارہ ۴) ۱۲

آپہونچی جس میں وہ نفس قدسی باسٹھ برس گیارہ مہینے چند روز دنیا میں رہ کر اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کہتا ہوا اعلیٰ علیین کو سدھارا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

کیا بیان ہو کہ وہ ذات پاک کیا تھی۔ کیا کمالات انسانی کا روشن چراغ تھا جس نے ظلمت جسمانی کو دور کر دیا کیا حقیقت کا آفتاب تھا جس نے عالم رنگ و بو کو روشن کر دیا کیا شعلۂ طور تھا جس نے فضائے ہستی کو وادی ایمن بنا دیا کیا جمال ازل کا ایک جلوہ تھا جس نے مشتاقین کے قلوب کو ابد تک نور سے معمور کر دیا۔ بس کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کیا تھا۔ بہت کچھ کہہ گیا پھر بھی کچھ نہ کہا آہ ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ‏ ‏ ‏ ‏ گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

تمّت بالخیر

تقریظ

ریختۂ خامۂ معجز رقم ذوالمجد والکرم حاجی حافظ مولانا ابو السلم محمد اسلم صاحب فرنگی محلی مد ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا ہو العلی الرب الحکیم

الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمدن المصطفی و علی آلہ واصحابہ وازواجہ واحبابہ ذوی الصدق والصفا ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین کلہم اجمعین اکتعین ابتعین ابصعین اما بعد فقیر نے رسالہ تذکرۃ المصطفیٰ مصنفہ راسخ الطریقہ منبع الفواضل مجمع المحاسن منشی مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے پروفیسر فارسی کالج بڑودہ دیکھا فضائل احمدیہ ومناقب محمدیہ سے مملو پایا آج تک کوئی ایسی کتاب عام فہم اردو فقیر کی نظر سے نہیں گذری جس میں تاریخی حالات جناب رسالتمآب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سید الانبیاء والمرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح بروایات صحیحہ مندرج ہوں کہ دیکھنے والے شوق وذوق سے ملاحظہ فرماکر مسرور و مبتہج ہوں یہ مصنف صاحب سلمہ ربہ الواہب کی کمال لیاقت کا باعث ہے کہ روایات ضعیفہ کو قلم انداز کرکے طبیعت کو خوشحال کیا اور مضامین مندرجہ میں صحت روایات ودرایت کا غایت درجہ خیال کیا پھر جملہ مضامین کا خلاصہ اس عنوان سے کردیا گویا دریائے ناپیدا کنار کو کوزے میں بھر دیا ورنہ محامد واوصاف نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا احاطہ قدرت بشریہ سے بالکل محال ہے اور اسی وجہ سے راویان صدق مقال کا عنوان تشریح بیان میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ خیال ہے

لا یمکن الثناء کما کان حقہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

زیادہ تر لائق تحسین وقابل قدر یہ بات ہے کہ مصنف نے بفرط خلوص وغایت عقیدت کوئی حرف ناب بلا وضو تحریر نہیں کیا اور وقت بیان کسی مضمون کو بلا تسمیہ تعبیر نہیں کیا اسی سے ان کی

قابلیت وسعادت ظاہر ہے زائد مدح سے فقیر بالکل قاصر ہے ؎

لا یمکن الواصف المطری خصائصہ　　وان یکن سابقاً فی کل ما وصفا

بالآخر اس موقع پر یا وہ گوئی بیکار ہے وقت ملاحظہ خود ناظرین کے انصاف پر اس رسالہ کے حسن وقبح کا دارمدار ہے مجھے امید ہے کہ ناظرین والاشان بجمال خلوص اس کو دیکھینگے اور مصنف کو شکریہ میں دعاے خیر سے فراموش نہ کرینگے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماوے اور اس کے وسیلے سے بہ تصدیق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ ناظرین کو فائدہ ابدیہ پہونچاوے امین فامین ثم امین برحمتك یا ارحم الراحمین قاله بفمه ورقمه الفقیر الحقیر الممتلی بالعجز والتقصیر المکنی بابی السلم المدعو بمحمد اسلم اللکھنوی الفرنجی محلی مولدا والحنفی الماتریدی مذهبا والنظامی القادری مشربا تجاوز الله عما جنا بجاہ نبیه سیدنا ومولٰنا محمد ن الاکرم صلعم صلی اللہ علیہ وسلم حنیف مقدام الفضلاء مقدم جیش العلماء شمس فلك التحقیق بدر سماء التدقیق اٰیت من اٰیات الله العلی الرب الحکیم مولانا الحاج الحافظ الشیخ ابی الاحیاء محمد نعیم ادخله الله العزیز الغفار جنت تجری من تحتها الانهار

ایضاً

مولوی حکیم سید شاہ محمد فاخر عرف شاہ محمد راشد صاحب بیخود محمدی فضلی اجملی الہ آبادی

تلك آیات بینات

۱۳۲۵ھ

(ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے)

شیفتگان جمال یار کی بیتابیوں کو تسلی دینے والا اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف ذکر حبیب اور جاندادگان حسن دلدار کے اضطراب میں تسکین بخش کوئی چیز ہو سکتی ہے تو محض یاد جانان

پھر جیسا معشوق ویسا ہی اُس کا عشق۔ جیسا عشق ویسا ہی اُس کا اثر۔ ویسا ہی اضطراب
لیلیٰ کی محبت نے قیس کو مجنون کہلایا۔ شیریں کے عشق نے فرہاد کو دیوانہ بنایا۔ یہاں نہ یہ
عشق ہے نہ اس کا اضطراب۔ نہ یہ محبت ہے نہ اس کا التہاب۔ پھر ہے کیا؟ اس کا جواب
میری زبان سے تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن کہنے والا کہہ گیا اور خوب کہہ گیا ؎

دل از عشق محمد ریش دارم — رقابت با خدائے خویش دارم

اے جوش دل سے شوخی قلم ادب کا مقام ہے۔ کہاں وہ سرکار بے نیاز کہاں تو۔ وہ باقی
تو فانی۔ وہ مالک تو مملوک مگر کیجئے کیا۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا اتباع وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ
اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی کشش اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ کا جذب ؎

مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے

اس لئے نہ صرف یہ مضغہ گوشت (دل) کیڑے مکوڑے کی خوراک بلکہ وہ لطیفہ نورانی جو عرش اللہ
ہونے کی قابلیت رکھتا ہے اگر اس عزت افزائے عرش رونق لمعہ فرش پر نہ ریجھے اس کے
نرالے جلوے سے اور انوکھے جمال کے شوق میں بیخود نہ ہو تو عبدیت میں فرق آتا ہے ؎

تجھے کیونکر نہ چاہوں تو مرے پیارے کا پیارا ہے

اللہ کے ساتھ بندگی کا تعلق خواہ مخواہ مجبور کرتا ہے کہ اُس کے محبوب پر جی نثار کیا جائے مگر یہ بڑا
دعویٰ ہے۔ اس کا کہنا امتحانوں میں پھنساتا ہے اس واسطے یہ کہنے کی گنجائش تلاش سے
نکالی ہے کہ ایک محبوب کے لئے جتنے کمالات انسانی تصور میں آسکتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ
خدا نے اپنے پاک بندے اور پیارے محبوب روح مدینہ۔ جان مکہ۔ عزت اسلام۔ قبلہ بیت الحرام
روحی فداہ کی ذات میں جمع فرما دیئے تھے۔ اگر کسی کو اُن کمالات کا مشرح بیان دیکھنا ہے
تو ہمارے کرم فرما جاں نثار سید الانبیا مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے نیوتنوی کی یہ کتاب
تذکرۃ المصطفیٰ دیکھے کتاب کیا ہے اپنے ممدوح کی طرح آپ ہی کی بدولت بے مثال ہے خدا پاک
مولف اور ساعی کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔ مقرظ اور ناظرین کو اپنے محبوب کے لائق بنائے۔ آمین

قطعۂ تاریخ فارسی

آں نواب علی پاک سرشت
بیخود از بہر سال ترتیبش

دربیان حبیب حق در صفت
تلک آیات بیّنات بگفت
۱۳۲۵ھ

اُردو

یہ تذکرہ صحیح جس سے
بیخود نے کہا کہ اس کی تاریخ

سرکار کی ہر صفت عیاں ہے
تفسیر کتاب آسماں ہے
۱۳۲۵ھ

قطعہ تاریخ از جناب منشی قاضی محمد زاہد حسین صاحب اسسٹنٹ دفتر عالیہ لفٹنٹی ممالک متحدہ رئیس قصبہ نیوتنی ضلع اوناؤ

فضائل اس میں ہیں مولا کے میرے
فصاحت کیوں نہ ہو قربان اس پر
مکرم حضرتِ نواب علی نے
زمین پر شور ہے احسنت احسنت
ہوئی جب مصرعۂ تاریخ کی فکر
پڑھا زاہد نے یہ مصرع بہ آواز*

یہ ہے تاریخ ختم الانبیا کی
متانت میں بھی ہے شوخی بلا کی
نئی تصویر کھینچی اس ادا کی
صدا آئی فلک سے مرحبا کی
رسائی دیکھیئے فکر رسا کی
لکھی کیا نعت محبوب خدا کی
۱۳۲۵ھ

*نوٹ۔ آواز کا تعمیہ ہے۔

اخلاق محمدی کامل - اس کتاب میں اسلامی اخلاق، طرز معاشرت، اور علم المجالس وغیرہ کے متعلق وہ آیات اور روایات جمع کی گئی ہیں جو متفق علیہ ہیں اور جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قرن اول کے مسلمان (جنہوں نے ایک قلیل عرصہ میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا تھا جو تاریخ عالم میں بے نظیر اور حیرت انگیز ہے) وہ کیا اوصاف رکھتے تھے - اور آپس میں کس طرح معاشرت کرتے تھے. یہ کتاب حقیقت میں اسلامی تہذیب اور اخلاق کا پورا نمونہ ہے - اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول - "میں اس لئے آیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی پوری تکمیل کر دوں" کی پوری تصدیق کرتی ہے - اگر مسلمان وہ اوصاف پھر حاصل کر لیں تو وہ دنیا کی مہذب ترین اقوام میں داخل ہو سکتے ہیں ایک کالم میں اصلی آیتیں اور احادیث ہیں، دوسرے میں سلیس اُردو میں ترجمہ ہے اور توضیح کی غرض سے کہیں کہیں نوٹ بھی اضافہ کئے گئے ہیں -

مولفہ مولوی سید احمد صاحب فاروقی قیمت ہر چہار حصہ مکمل -

حصہ اول و دوم علٰحدہ بھی ملتا ہے - قیمت فی حصہ

تاریخ علم کلام (جس کا اس کتاب میں اکثر جگہ حوالہ درج ہے) حصہ اول جس میں علم کلام کی ابتدا اور اُس کے عہد بعہد کی وسعت، ترقی اور تغیرات کی نہایت تفصیلی تاریخ - اور علم کلام کے تمام شعبوں پر محققانہ بحث، اور اُس کی مختلف شاخوں پر ریویو ہے - ۱ہ۸/

(حصہ دوم) یعنی علم کلام جدید جس میں اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال کے مطابق ثابت کیا گیا ہے - عہ/

آفتاب رسالت جس میں پیغمبر آخر الزماں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے حالات نہایت صحیح صحیح صاف اور سادہ طور پر بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب اس قابل ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جلسوں اور مولود شریف کی محفلوں میں پڑھی جائے جس سے عوام الناس کو برکت اور واقفیت حاصل ہو مولفہ مولوی عبد السبحان صاحب ۱۲/

بفضل خدا

انسٹیٹیوٹ پریس میں (جو سرسید علیہ الرحمۃ کا قائم کیا ہوا اور محمڈن کالج کی ملک ہونیکی وجہ سے حقیقی معنوں میں ایک قومی پریس ہے) لوہے اور پتھر دونوں قسم کے چھاپوں میں اُردو و انگریزی ہر قسم کا کام بہت صحت اور کفایت کے ساتھ ہوتا اور وقت پر دیا جاتا ہے۔ اہلِ ذوق و ضرورت کم از کم ایک بار ضرور امتحان فرمائیں۔ نرخ زبانی یا خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔

مطبع کو اس کے قدیم و اہل نظر سرپرستوں کی جانب سے جو اطمینان بخش اسناد حاصل ہوئی ہیں اُن کی نقل عند الطلب روانہ کی جا سکتی ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نامی ایک اخبار بھی اس پریس سے نکلتا ہے جو کالج کا سرکاری اخبار ہے اور جو سرسید علیہ الرحمۃ نے کالج کی بنا سے بھی قبل جاری کرنا شروع کیا تھا اور جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ عام اور مفید و عجیب مضامین شائع ہوتے ہیں قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ؎ نمونہ مفت اشتہارات کا نرخ زبانی یا خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔

ہر قسم کی خط و کتابت کے لئے پتہ:۔ منیجر صاحب انسٹیٹیوٹ پریس علی گڈھ